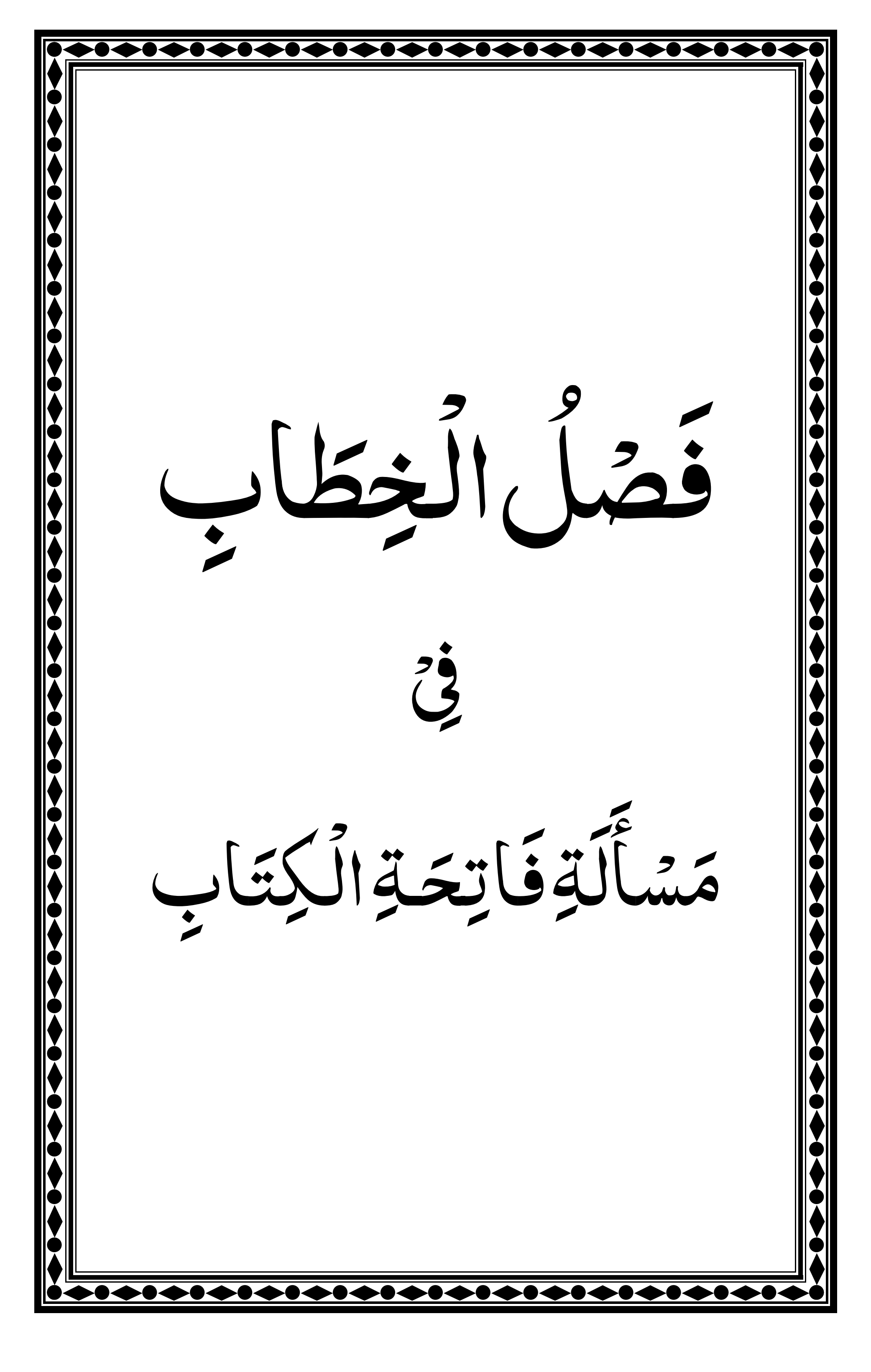
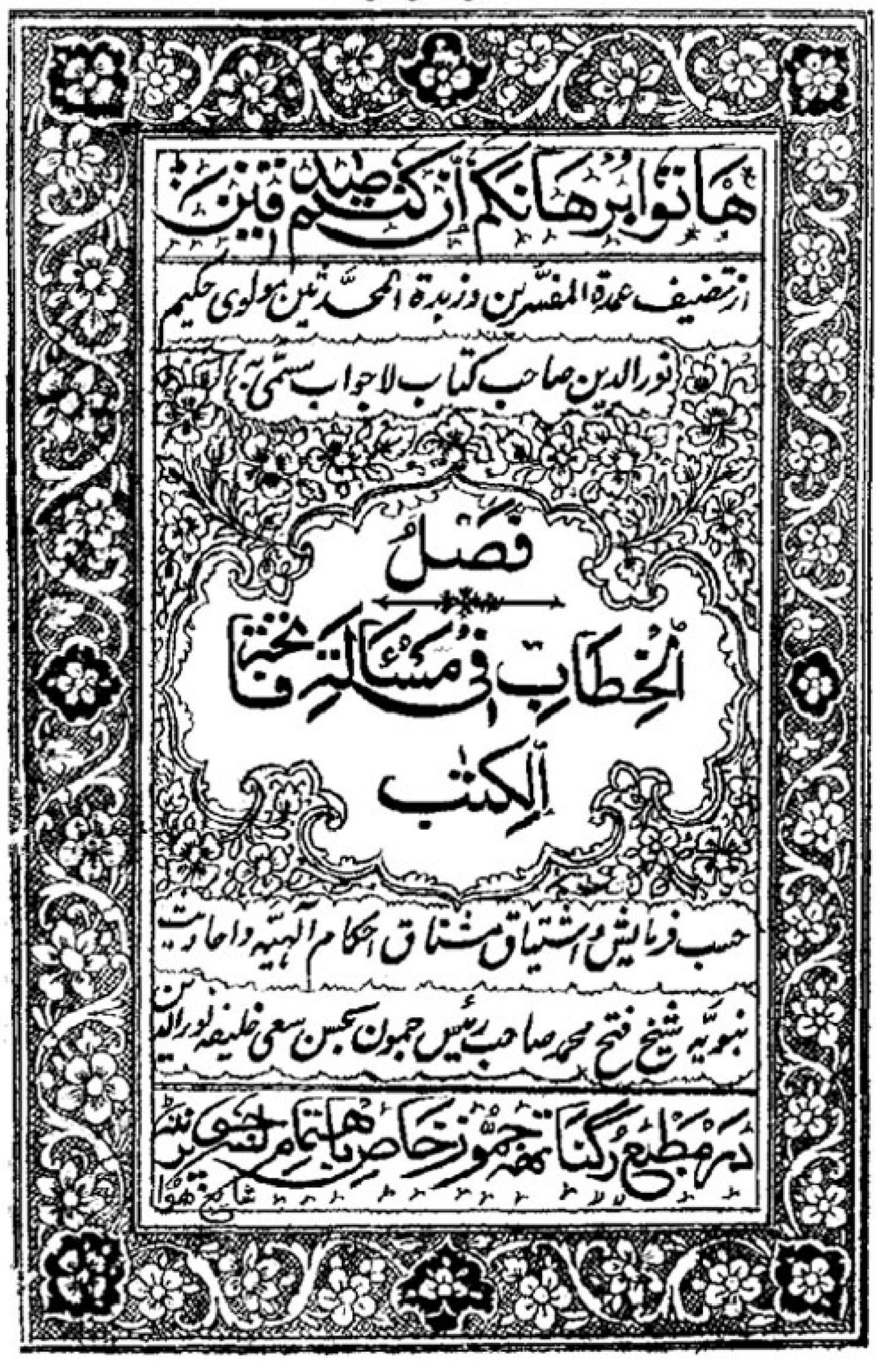


فَصْلُ الْخِطَابِ

فِيْ

مَسْأَلَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ



هاتوا برهانکم ان کنتم صٰدقین

از تصنیف عمدة المفسرین و زبدة المحدثین مولوی حکیم نورالدین صاحب کتاب لاجواب مسمّی بہ

فصل الخطاب فی مسئلة فاتحة الکتاب

حسب فرمائش و اشتیاق مشتاق احکام الٰہیہ و احادیث نبویہ شیخ فتح محمد صاحب رئیس جموں بحسن سعی خلیفہ نورالدین

در مطبع رگناتھ جموں خاص باہتمام [illegible] شائع ہوا

فہرست مطالب کتاب فصل الخطاب

في مسئلة فاتحة الكتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ محمد خاتم النبیین و سید المرسلین و شفیع المذنبین و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

اَمَّا بَعد میرے مہربان دوست شیخ فتح محمد صاحب کے مکان پر کئی آدمی عامل بالحدیث اور کچھ مقلد رہتے تھے اور کبھی کبھی مولوی فضل الدین صاحب گجراتی وہاں تشریف لا کر کچھ نہ کچھ کہتے اور شہر میں بھی عاملین بالحدیث کی صرف زبانی مذمت کیا کرتے۔ چونکہ ان کی قلم سے کبھی کوئی تحریر سرزد نہ ہوئی تھی اس لئے ہمیشہ خاموش رہے۔

آج مولوی صاحب نے ایک تحریر (جس میں بظاہر اپنے آپ کو علیحدہ رکھا ہے) لا کر شیخ صاحب موصوف کو دی کہ اس کا جواب ان عاملین بالحدیث سے لے دو۔ اور ایک اور چھوٹا سا پرچہ شیخ غلام محمد کے دستخط سے دیا کہ اس کا بھی جواب دلاؤ۔

فقیر نے جب شیخ غلام محمد سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ میں عالم نہیں میرا نام خواہ مخواہ لکھوایا گیا۔ اصل میں یہ تحریر بھی مولوی صاحب ہی کی طرف سے ہے۔ عاجز نے عرض کیا کہ اس پر مولوی صاحب کا نام لکھا دو پھر جواب لکھیں گے۔

اس تذکرہ کے بعد ان احباب کی خدمت میں جو ہم لوگوں کو ان مناظروں کا بادی سمجھ کر ملامت کیا کرتے ہیں۔ گذارش ہے۔ ؎

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

مولوی صاحب نے اپنی اس تحریر میں جس میں اپنا نام درج فرمایا۔ پہلے بطور سوال و جواب مسئلہ فَاتحۃُ الکتاب کو لکھا ہے۔ پھر اس پر ایک تفریع سے کام لیا ہے۔ بندہ نے جواب میں پہلے مولوی صاحب کا سوال بعینہٖ درج کیا پھر اصل سوال کا جواب حسبِ استعداد خود قرآن و حدیث سے دیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا جواب الجواب اور جواب میں سوال سے زیادہ مسائل ظاہر کر کے ایک خاص سنت کا اقتدا کیا ہے اور تفریع کو نفسانیت کا نتیجہ یقین کر کے اس کے جواب سے سکوت کیا۔

دلائل فرضیت فاتحہ از قرآن کریم

سوال

بغیر از فاتحہ نماز جایز است یا نہ۔ یعنی قراءت فاتحۃ الکتاب بخصوصہ بر مقتدی و منفرد وغیرہ فرض است یا قراءت مطلق؟

جواب

سورۃ فاتحہ کے سوا نماز اُس شخص کی جو سورۃ فاتحہ پڑھ سکے ہرگز درست نہیں اور سورۃ فاتحہ کا پڑھنا منفرد اور مقتدی اور امام سب نمازیوں پر ضروری اور فرض ہے۔ بشرطیکہ ان میں استطاعت قراءت فاتحہ ہو۔

قَالَ اللهُ تَعَالٰی۔ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر: ۸) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لا دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور: ۶۴) ترجمہ۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کا کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار۔

وَ قَالَ تَعَالٰی۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:٦٦) ترجمہ۔اور فرمایا۔قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک تجھی کو منصف جانیں۔ جو جھگڑا اٹھے آپس میں پھر نہ پاویں اپنے جی میں خفگی تیری چکوتے (فیصلہ) سے اور قبول رکھیں مان کر۔

مولوی صاحب ہمارے اور آپ کے درمیان اس مسئلہ میں تشاجر (جھگڑا) واقع ہوگیا ہے۔ اب فیصلہ نبوی سنو اور اسی کو حکم بناؤ۔لفظ مَآ اٰتَاكُمْ ۔اور مَانَهَاكُمْ ۔اور مَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ اور اَلَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ کے عمومات پر مولوی صاحب کو خاص کر غور کرنا لازم اور ضرور ہے۔

مولوی صاحب بلکہ کُل حنفیہ حال کے نزدیک تخصیص عموماتِ قرآنیہ نسخ قرآن ہے اور نسخ قرآن بدوں کسی قوی برہان کے جائز نہیں اس لئے ان عمومات میں اپنی خیالی باتوں سے تخصیص نہ لگاویں۔اور یہ نہ فرماویں کہ یہ آیتیں مخصوص ہیں اس تخصیص کے ساتھ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بشرطیکہ ہمارے علما نے ان پر عمل کیا ہو واجب العمل ہیں نہ علی العموم۔کیونکہ ان آیات میں جناب باری تعالیٰ مطلق اتباع احکامِ نبویہ کی تاکید فرماتا ہے خواہ وہ تواتر سے ثابت ہوں یا شہرت سے خواہ خبر احاد سے پہنچیں۔یا سَمَاعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یاد رہے فقیر کا آیات سے استدلال بعینہٖ عبداللہ ابن مسعود کے اس استدلال کی طرح ہے جس کو مسلم نے بیان کیا ہے۔

استدلال از احادیث صحیحہ

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ ... عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ .... وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِيْ أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَأَتَتْهُ فَقَالَتْ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ وَمَا لِيَ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي كِتَابِ اللهِ فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ لَوْحَيِ الْمُصْحَفِ فَمَا وَجَدْتُهُ فَقَالَ "لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ

فَانْتَهُوْا (الحشر:۸) [1]

(مسلم کتاب اللباس والزینۃ۔ باب تحریم فعل الواصلة و المستوصلة.... حدیث نمبر۵۵۷۳)

اور فاتحہ الکتاب کے مسئلہ میں جناب سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح ثابت ہوا ہے کہ کسی نمازی کی نماز فاتحۃ الکتاب کے سوا جائز نہیں اور نہیں ہوتی اور مقبول نہیں۔ جیسے احادیث ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ۔ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ [2]۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم فی الصلوات کلھا... حدیث نمبر۷۵۶)

---

[1] ترجمہ : ہم سے مسلم نے بیان کیا......انہوں نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں......اور اُکھڑوانے والیوں اور (دانتوں میں) فاصلہ ڈلوانے والیوں، خوبصورتی کے لیے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ راوی نے کہا: بنو اسد کی ایک عورت جسے اُمّ یعقوب کہتے تھے اور وہ قرآن پڑھا کرتی تھی اسے یہ بات پہنچی تو وہ حضرت عبداللہ کے پاس آئی اور کہا: آپؓ سے یہ کیا بات مجھے پہنچی ہے کہ آپؓ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور بال اُکھڑوانے والیوں اور (دانتوں میں) فاصلہ ڈلوانے والیوں، خوبصورتی کی خاطر اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: مجھے کیا ہے کہ میں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور یہ کتاب اللہ میں ہے۔ اس پر اس عورت نے کہا: جو کچھ مصحف (قرآن) کی اس کاپی میں ہے وہ تو میں نے پڑھ لیا ہے اور میں نے یہ (بات) نہیں پائی۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو ضرور اسے پا لیتی۔ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے: ''اور رسول جو کچھ تم کو دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔''

[2] علی بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: زہری نے حضرت محمود بن ربیعؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

اور امام بخاری نے رسالہ قراءت میں اس طرح لکھا ہے۔ أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.[1] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ مَحْمُوْدَ بْنَ الرَّبِيعِ وَكَانَ مَجَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ مِنْ بِئْرٍ لَهُمْ أَخْبَرَهٗ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ أَخْبَرَهٗ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[2]

اور صحیح مسلم میں ہے۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[3] وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ

---

[1] سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: زُہری نے حضرت محمود بن ربیع ؓ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا کہ حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے۔

(بخاري,كتاب الآذان, بَابُ وُجُوبِ القِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا)

[2] اسحاق نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے زُہری سے روایت کی کہ حضرت محمود بن ربیع ؓ جن کے چہرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کنویں (کے پانی) سے کلی ڈالی تھی، نے انہیں بتایا کہ حضرت عبادہ بن صامت ؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ (القراءة خلف الإمام للبخاری، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم)

[3] ابوبکر بن ابی شیبہ، عمرو (بن محمد) ناقد اور اسحاق بن ابراہیم سب نے سفیان (بن عیینہ) سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا ہے۔ ابوبکر (بن ابی شیبہ) نے کہا کہ سفیان بن عیینہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت محمود بن ربیع ؓ سے، انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کی، وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے کہ (آپ ؐ نے فرمایا) اس کی نماز نہیں ہے جس نے فاتحۃ الکتاب نہ پڑھی۔ (مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة)

قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ مَحْمُوْدَ بْنَ الرَّبِيْعِ الَّذِيْ مَجَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ مِنْ بِئْرِهِمْ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ۔[1]

(مسلم كتاب الصلاة باب وجوب قراءةالفاتحة فى كل ركعة)

ان ساری حدیثوں کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اور عبادہ بن صامت کی حدیث[1] کو دارقطنی نے اس طرح روایت کیا ہے۔ لَا تُجْزِءُ صَلٰوةٌ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔[2] اور کہا اسناد اِس حدیث کا صحیح ہے اور رِجَال اس کے ثِقَات ہیں اور صحیح کہا اس کو ابن قطان نے اور اس کے شواہد بہت ہیں۔ جیسے مرفوع حدیث ابو ہریرہ[2] کی جس کو لکھا ہے ابن خزیمہ اور ابن حبّان نے۔ كَمَا قَالَ يَحْيٰى وَالْحَافِظُ رَوَى أَبُو بَكْرِ بْنُ خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيْحِهٖ بِأَسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَ كَذَا رَوَاهُ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حَبَّانَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔[3] اور احمد نے ان لفظوں کے ساتھ۔ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ[4] اور اس باب میں انس[3] سے ہے مسلم اور ترمذی میں۔ اور ابو قتادہ[4] سے ابوداؤد ونسائی

---

[1] حسن بن علی حلوانی نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا (انہوں نے کہا:) میرے باپ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جن کے چہرہ پران کے کنویں (کے پانی) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی تھی، انہیں بتایا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نماز نہیں جس نے اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔

[2] جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اُس کی نماز ادا نہیں ہوتی۔

[3] جیسا کہ یحیٰی اور حافظ نے کہا کہ ابوبکر بن خزیمہ نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ روایت کی اور اسی طرح ابوحاتم بن حبّان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نماز ادا نہ ہوگی جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

[4] کہ وہ نماز قبول نہیں ہوتی جس میں اُمّ القرآن یعنی سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

میں۔ اور عبداللہ بن عمرؓ[5] سے ابن ماجہ میں۔ ابوسعیدؓ[6] سے مسند احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں۔ اور ابوالدرداء[7] سے نسائی اور ابن ماجہ میں۔ اور جابرؓ[8] سے ابن ماجہ میں اور علیؓ[9] سے بیہقی میں اور عائشہؓ[10] سے مسند احمد اور ابن ماجہ میں۔ اور ابوہریرہؓ[11] سے ابوداؤد میں اور حاکم نے اشہب کے طریق سے ابن عیینہ سے اور اس نے زُہری سے اور اس نے محمود بن ربیع سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اُمُّ الْقُرْآنِ عِوَضٌ مِّنْ غَيْرِهَا وَلَيْسَ غَيْرُهَا عِوَضًا مِّنْهَا ۔ (ترجمہ) فاتحہ الکتاب اَور کا عوض ہو سکتی ہے اور اَور چیزیں فاتحہ کا عوض نہیں ہوتیں۔ اور حاکم نے کہا ہے اس حدیث کے سارے راوی ثِقہ ہیں بلکہ اکثر راوی امام ہیں۔ اِنْتَهٰى مَا فِي النَّيْلِ وَالتَّلْخِيْصِ وَالنُّوَوِيْ وَالْبَدْرِ ۔

ان حدیثوں میں صاف اس امر کا بیان ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا کسی نمازی کی نماز جائز نہیں۔ دارقطنی کی مرفوع حدیث میں تو عبادہ سے صریح لَاتَجْزِئُ کا لفظ موجود ہے اور بخاری نے جُزْءُ الْقِرَاءَةِ میں جو جابر بن عبداللہ سے روایت کیا اس میں بھی یہ لفظ صریح ہے۔ يُجْزِءُهٗ اِلَّابِاُمِّ الْقُرْآنِ۔ اس (نماز) کو اُمُّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) ہی فائدہ پہنچاتی ہے۔) ایسا ہی ابن خزیمہ اور ابن حبّان کی مرفوع روایت میں صریح لَايَجْزِءُ صَلٰوةٌ موجود ہے۔ لَايَجْزِءُ سے بڑھ کر اور کیا لفظ احادیث میں ہو جس سے آپ لوگوں کو عدمِ جواز اس نماز کے تسلی ہوتی جس میں فاتحہ الکتاب نہیں پڑھی گئی۔ ہمیں تو اب کچھ بھی حاجت نہیں ہے کہ اور دردسری کرتے۔

بیت باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر است
شمشاد خانہ پرورِ ما از کہ کمتر است

اِلّا آپ کی تشفّی اتنے پر شاید کیا یقیناً نہ ہوگی اس لئے اور بھی لکھنا پڑا۔ (انشاء اللہ آپ سمجھیں تو سمجھیں ورنہ اور ہی کوئی فائدہ اٹھائے گا)۔

فقرہ لَاصَلٰوةَ کی نفی میں گزارش ہے کہ اصل نفی میں نفیِ ذات ہے اور ذات کی نفی یہاں ممکن۔ پس وہی مراد ہوگی اس لئے کہ ان احادیث میں نماز سے شرعی نماز مراد ہے نہ لغوی۔ کیونکہ

شارع شرعیات کی تعریف کرتا ہے نہ امور لغویہ کی اور مرکب جیسے کل اجزاء کے انتفاء سے منتفی ہوتا ہے ویسے ہی بعض اجزاء کے انتفاء سے بھی منتفی ہو جاتا ہے۔ پس جیسے کسی شخص نے نماز کے کل ارکان ادا نہ کئے اس کی نماز نہیں ہوتی ویسے ہی جس شخص نے ایک رکن اس کا مثلاً رکوع یا سجدہ یا قراءت فاتحہ ترک کیا اس کی نماز نہ ہوگی۔ صحت یا کمال کی تقدیر پر کس نے مجبور کیا اور اگر اس نفی کو کسی صفت کی طرف راجع کریں تو صحتِ صلوٰۃ بھی ایک صفتِ نماز ہے اور بہ نسبت صفتِ کمال کے حقیقت سے بہت قریب ہے اس لئے اگر صفت کی نفی کریں گے تو اقرب مجازین میں سے صفت صحت کو لیں گے اور کہیں گے کہ حسبِ اقتضاء ان احادیث کے تارکِ فاتحۃ الکتاب کی نماز صحیح نہ ہوئی۔ اور جب ہم سے کوئی سوال کرے گا کہ فاتحۃ الکتاب کے سوا نماز صحیح ہے یا نہیں تو حسبِ روایت بخاری ودارقطنی وغیرہ اس کو جواب دیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاتحۃ الکتاب کے سوا نماز جائز نہیں یا کہیں گے نہیں ہوتی۔ آپ پر تعجب ہے آپ فرماتے ہیں فاتحۃ الکتاب کی خصوصیت نہیں اس کے سوا بھی نماز ہو جاتی ہے۔

بَیت تو و شمشادِ ما و قامت یار

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اور عموم ان احادیث سے صاف واضح ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ہر نمازی کے واسطے فرض ہے خواہ امام ہو خواہ مقتدی خواہ منفرد۔ اب ہمیں خاص مقتدی کے واسطے فاتحہ الکتاب پڑھنے کی ضرورت پر دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں رہی اِلّا بغرض مزید اِیضَاح احادیث ذیل کو بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مسلم میں ہے۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ. فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَآءَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

" قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحة: ۲) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَ إِذَا قَالَ' اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (الفاتحة:۳) قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحة:۴) قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِيْ فَإِذَا قَالَ' إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحة: ۵) قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ' اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحة:۶،۷) قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔" [1]

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ)

---

[1] ترجمہ۔ اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان بن عیینہ نے ہمیں بتایا۔انہوں نے علاء بن عبد الرحمٰن سے، علاء نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جس نے (ایسے) نماز ادا کی کہ اُس میں اُمُّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو وہ (نماز) ناقص ہے۔(آپؐ نے) تین بار فرمایا: وہ نامکمل ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اسے اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے مانگا۔پس جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین کہتا ہے یعنی ''تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ اور جب وہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے (یعنی وہ بے انتہا رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے) اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے اور جب وہ کہتا ہے: مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (یعنی وہ جزا سزا کے دن کا مالک ہے) تو فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بڑائی وعظمت بیان کی ہے۔اور ایک دفعہ فرمایا: میرے بندے نے (اپنا آپ) میرے سپرد کر دیا ہے۔اور جب وہ کہتا ہے: إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ إِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (یعنی تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں) تو فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے مانگا۔ پھر جب وہ کہتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّین یعنی ''ہمیں سیدھے راستہ پر چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تُو نے انعام کیا، جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہوئے۔'' تو فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے۔اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے مانگا۔

اس حدیث میں جو خِدَاج کا لفظ آیا ہے اس کے معنی سنئے۔ قَالَ الْبُخَارِیُّ قَالَ أَبُوعُبَيْدٍ .... أَخْدَجَتِ النَّاقَةُ إِذَا أَسْقَطَتْ وَالسَّقْطُ مَيِّتٌ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ۔ قَالَ صَاحِبُ الْاِسْتِذْكَارِ: اَلْخِدَاجُ، اَلنُّقْصَانُ وَالْفَسَادُ وَ يُقَالُ أَخْدَجَتِ النَّاقَةُ۔ إِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ تَمَامِ وَقْتِهَا وَقَبْلَ تَمَامِ الْخَلْقِ وَذَالِكَ نِتَاجٌ فَاسِدٌ۔[1]

اور حدیث کا مفسر خود راوی ہے۔ اور راوی کی تفسیر آپ کے یہاں حجت ہے دیکھو اسی فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں إِذَا قُرِءَ فَانْصُتُوْا[2] کی حدیث میں آپ لوگوں نے جابر کی تفسیر سے استدلال پکڑا ہے فَانْصُتُوْا[3] کے ساتھ عَمَّا سِوَى الْفَاتِحَةِ[4] مراد نہیں کیونکہ جابر راوی حدیث بھی فاتحہ خلف الامام کا منکر ہے (یہ بات الزاماً مرقوم ہوئی) بلکہ راوی کا مطلق قول بھی حجت ہے۔ ہاں ابو ہریرہ ہے۔ وہی ابو ہریرہ جس کا حافظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ جس سے عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس جیسے فقیہ مسائل معضّلہ میں سوال کرتے تھے (دیکھو مؤطا مالک) اور وہی ابو ہریرہ جس کے حق میں فَوَاتِحِ الرَّحْمُوْت میں مصراۃ کا قصہ لکھ کر اور شُرّاح ومتونِ اصول سے یہ عذر کہ اس کا راوی ابو ہریرہ ہے اور وہ فقیہ نہیں بیان کر کے کہا ہے۔ فیه تأمل ظاهر فان أبا هريرة فقيه مجتهد لا شك فی فقاهته فانه كان يفتی زمن النبی صلی الله عليه وآله وأصحابه وسلم وبعده وكان هو يعارض قول ابن عباس وفتواه كما روى فی الخبر الصحيح أنه خالف ابن عباس فی عدة الحامل المتوفى عنها زوجها حيث حكم ابن عباس بأبعد الأجلين وحكم هو بوضع الحمل وكان

---

[1] امام بخاریؒ نے (جزء القراءۃ خلف الإمام میں) کہا: اور ابوعبید نے کہا ہے: جب اونٹنی بچہ گرا دے تو أَخْدَجَتِ النَّاقَةُ کہا جاتا ہے۔ اور اَلسَّقْطُ وہ مردہ (بچہ) ہے جس سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔۔۔۔(ابن عبدالبر) صاحب الاستذکار نے لکھا ہے: اور اَلْخِدَاجُ کمی اور خرابی ہے۔ اور جب کوئی اونٹنی قبل از وقت اور ایام تخلیق پورے ہونے سے پہلے بچہ جنے تو وہ بچہ ناقص الخلقت اور خراب ہوتا ہے۔

[2] جب (قرآن کریم) پڑھا جائے تو خاموش رہو۔ [3] خاموش رہو۔ [4] سورۂ فاتحہ کے علاوہ۔

سلمان يستفتی عنه فهذا ليس من الباب فی شیء۔ [1]

وَفِيْ بَعْضِ شُرُوْحِ الْأُصُوْلِ لِلْإِمَامِ فَخْرِ الْإِسْلَامِ قَالَ الْبُخَارِيُّ رَوَى عَنْهُ سَبْعُ مِائَةِ نَفَرٍ مِنْ أَوْلَادِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَلَا وَجْهَ لِرَدِّ حَدِيْثِهٖ فَتَأَمَّلْ فَإِنَّ فِيْهِ تَأَمُّلًا فَإِنَّ الْحَقَّ فِيْ دَفْعِ اِسْتِدْلَالِ الشَّافِعِيِّ. (انتہیٰ) [2]

قراءت سے تدبر مراد لینا جائز نہیں علاوہ بریں فقاہت راوی کا شرط ہونا امام (ابوحنیفہ) کا مذہب نہیں۔ ابن ہمام نے تحقیق میں کہا ہے۔ولم ینقل من السلف اشتراط الفقه من الراوی (انتہیٰ) [3] اور وہ جو رفع یدین کے مسئلہ میں اوزاعی اور امام کا مناظرہ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے جس میں فقاہت راوی کا تذکرہ ہے۔اس مناظرہ کا کوئی اصل نہیں۔ابن عیینہ سے معلّق مروی ہے اگر کسی کے پاس سند ہو وہ بیان کرے پس ہم کو زیادہ گفتگو کرنے کی حاجت نہیں۔بعد سند دیکھ لیں گے۔کون شیر مرد اسے ثابت کر دکھاتا ہے اور کون مہمل اور غیر واقع بتاتا ہے۔پھر کون سچا ہے

---

[1] یہ واضح طور پر توقف کا مقام ہے۔کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ ایک فقیہ اور مجتہد تھے، ان کی فقاہت میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپؐ کے بعد بھی فتوے دیا کرتے تھے۔اور وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول اور فتویٰ کی مخالفت بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک حدیث صحیح روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے حاملہ جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو، کی عدت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے اختلاف کیا جس میں حضرت ابن عباسؓ نے دو میں سے زیادہ دُور کی عدت کے متعلق فیصلہ دیا اور انہوں نے وضع حمل کے متعلق فیصلہ دیا۔اور سلمان ان سے فتویٰ پوچھا کرتے تھے۔پس اس بات کا اس باب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

(فواتح الرحموت، لابن نظام الدین الانصاری جزء ۳ صفحہ ۳۱۱)

[2] امام فخر الاسلام (بزدوی) کی کتاب اصول کی بعض شروح میں ہے کہ امام بخاری نے کہا کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد میں سے سات سو افراد نے ان (یعنی حضرت ابو ہریرہؓ) سے روایت کی ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے بھی ان سے روایت کی ہے۔پس ان کی حدیث کو ردّ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔غور کرو کیونکہ اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے اور (یہاں) امام شافعیؒ کے استدلال کو ردّ کرنا ہی درست ہے۔

(فواتح الرحموت، لابن نظام الدین الانصاری جزء ۳ صفحہ ۳۱۱)

[3] اور گذشتہ علماء سے راوی کی سمجھ کی شرط منقول نہیں ہے۔

اور یہاں قراءت سے تدبر مراد لینا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ تدبر کو لغت اور عرف میں قراءت نہیں کہتے۔ فقہا نے بھی فرق رکھا ہے۔ دیکھو جنبی کے حق میں تدبر منع نہیں اور قراءت کو منع کیا ہے۔

باایں ہمہ قراءت کے حقیقی معنے چھوڑنے اور مجازی لینے پر کیا مجبوری ہے۔ حقیقی معنے یہاں ممکن ہیں اور امکان حقیقت میں مجاز پر عمل کرنا ساقط ہے۔ (دیکھو اپنا اصول)

(۲) دوسری دلیل مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی۔ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَتَقْرَءُوْنَ فِيْ صَلَاتِكُمْ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ؟ فَسَكَتُوْا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُوْنَ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ۔[1]

(۳) و عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ قَالَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَقَالَ إِنِّيْ لَأَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟ قَالَ قُلْنَا أَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهٗ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا۔[2]

(۴) عَنْ نَافِعٍ ..... قَالَ ...... أَبْطَأَ عُبَادَةُ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَأَقَامَ أَبُوْنُعَيْمٍ

---

[1] امام بخاریؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نے نماز پڑھ لی تو ان کی طرف چہرہ کیا اور فرمایا: کیا تم اپنی نماز میں قراءت کرتے ہو، جبکہ امام (بھی) قراءت کر رہا ہوتا ہے۔ وہ خاموش رہے۔ آپؐ نے تین بار ایسا ہی فرمایا تو کسی کہنے والے نے یا بعض کہنے والوں نے کہا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے ہر ایک کو سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھنی چاہیئے۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري, باب لا يجهر خلف الإمام بالقراءة, صفحه۱۶)

[2] حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ انہوں نے کہا: آپؐ پر قراءت کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پیچھے پڑھتے ہو۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کہا: ہم نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، سوائے اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے۔ کیونکہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

(القراءة خلف الإمام، باب لا يجهر خلف الإمام بالقراءة, صفحه۱۶)

الْمُؤَذِّنُ الصَّلَاةَ وَكَانَ أَبُوْ نُعَيْمٍ أَوَّلُ مَنْ أَذَّنَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ أَبُوْ نُعَيْمٍ وَأَقْبَلَ عُبَادَةُ وَ أَنَا مَعَهُ حَتّٰى صَفَفْنَا خَلْفَ أَبِيْ نُعَيْمٍ وَ أَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فَجَعَلَ عُبَادَةُ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ لِعُبَادَةَ قَدْ صَنَعْتَ شَيْئًا فَلَا أَدْرِيْ أَسُنَّةٌ هِيَ أَمْ سَهْوٌ كَانَتْ مِنْكَ، قَالَ وَمَا ذَاكَ؟ , قَالَ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ أُمَّ الْقُرْآنِ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ قَالَ أَجَلْ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِيْ يُجْهَرُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَالْتَبَسَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ هَلْ تَقْرَءُوْنَ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ؟ فَقَالَ بَعْضُنَا إِنَّا لَنَصْنَعُ ذَالِكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَأَنَا أَقُوْلُ مَا لِيْ أُنَازَعُ الْقُرْآنَ فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔ رواه الدار قطني وقال رواته كلهم ثقات۔ [1]

(۵) عَنْ عُبَادَةَ ..... قَالَ: صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ

---

[1] نافع بن محمود بن ربیع انصاری سے روایت ہے۔ نافع نے کہا: حضرت عبادہؓ نے صبح کی نماز سے دیر کردی تو مؤذن ابونعیم نے نماز شروع کروادی۔ اور ابونعیم پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت المقدس میں اذان دی تھی۔ ابونعیم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت عبادہؓ آئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا تو ہم نے ابونعیم کے پیچھے صف بنالی۔ ابونعیم اونچی آواز سے قراءت کررہے تھے تو حضرت عبادہؓ نے اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھنی شروع کردی۔ جب وہ (نماز سے) فارغ ہوئے تو میں نے حضرت عبادہؓ سے کہا: آپؓ نے کچھ ایسا کیا ہے جس کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ وہ سنت ہے یا آپ کی طرف سے کوئی بھول ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ نافع نے کہا: میں نے آپ کو اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھتے سنا ہے جبکہ ابونعیم قراءت بالجہر کررہے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی نماز پڑھائی جس میں قراءت بالجہر کی جاتی ہے تو آپ پر قراءت خلط ملط ہوگئی۔ جب آپؐ (نماز سے) فارغ ہوئے تو آپ نے اپنا رُخ ہماری طرف کیا اور فرمایا: جب میں اونچی آواز سے قراءت کرتا ہوں تو کیا تم بھی پڑھتے ہو؟ ہم میں سے کسی نے کہا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا مت کیا کرو۔ میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ ایسی کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن چھینا جارہا ہے۔ پس جب میں قراءت بالجہر کروں تو تم اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے علاوہ قرآن سے کچھ نہ پڑھا کرو۔ اسے (امام) دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ أُمِّ الْكِتَابِ فِي الصَّلَاةِ وَخَلْفَ الْإِمَامِ)

فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّيْ أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ، قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِيْ وَ اللهِ، قَالَ - لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی) وَفِيْ لَفْظٍ : فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ بِهٖ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ . رواه ابوداؤد والنسائی والدارقطنی وقال كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔ (منتقٰی)[۱] دارقطنی کی حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا اور بخاری نے جزء القراءۃ میں اس کو روایت کیا اور ابوداؤد اور ترمذی اور دارقطنی اور ابن حبّان اور حاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کے واسطہ سے روایت کیا ہے جو کہا اس نے۔ حدیث کی مجھ کو مکحول نے اس نے محمود بن ربیعہ سے اس نے عبادہؓ سے اور ان سب نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ابن اسحاق یہاں منفرد بھی نہیں بلکہ تابع ہوئی اس کو زید بن واقد (جو اہل شام کے ثقات سے ہے) وغیرہ مکحول سے اور اس حدیث کے شواہد سے ہے وہ جو روایت کیا اس کو احمد نے خالد حذّاء کے واسطہ سے ابوقلابہ سے اس نے محمد ابن ابی عائشہ سے اس نے ایک صحابی سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید کہ تم پڑھتے

---

[۱] حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپؐ پر تلاوت مشکل ہوگئی۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پیچھے پڑھتے ہو۔ حضرت عبادہؓ نے کہا: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! جی ہاں، بخدا (ہم ایسا ہی کرتے ہیں) آپؐ نے فرمایا: اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے سوا ایسا نہ کیا کرو۔ کیونکہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی نماز نہیں ہے۔ (ترمذی، أبواب الصلاۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الإِمَامِ) (ابو داؤد، كتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِيْ صَلَاتِهٖ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) اور (یہ روایت) ان الفاظ سے بھی آتی ہے کہ جب میں (نماز میں) قراءت بالجہر کروں تو تم اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے علاوہ قرآن سے کچھ نہ پڑھا کرو۔ یہ روایت ابوداؤ د نسائی اور دارقطنی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (منتقیٰ)۔ (ابو داؤد، كتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِيْ صَلَاتِهٖ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) (سنن النسائی، كتاب الافتتاح، قِرَاءَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ) (سنن الدار قطنی، كتاب الصلاۃ، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ أُمِّ الْكِتَابِ فِي الصَّلَاةِ وَخَلْفَ الْإِمَامِ)

ہوجس وقت امام پڑھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا بے شک ہم ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا۔ ایسا مت کر مگر یہ کہ پڑھے ایک تم میں کا فاتحة الکتاب کو۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ اسناد حَسن ہے۔ یہ بات تلخیص حافظ میں ہے جس کو تخریج احادیث رافعی بھی کہتے ہیں۔ اور جس طریق کو بیہقی نے غیر محفوظ کہا ہم نے اس طریق کو بھی چھوڑ دیا۔ اور نَیل[1] میں کہا محمد بن اسحاق نے تحدیث پر تصریح کر دی ہے۔ پس مظنّہ تدلیس کا جاتا رہا۔ علاوہ بریں اس کے اور بھی تابع ہو چکے ہیں جیسے زیدؔ اور سعیدؔ اور عبداللہؔ اور ابن جابرؔ دیکھو ابوداؤد۔

عینیؔ نے جو اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اس کا مختصر جواب یہاں میرے کلام میں مذکور ہے۔ آگے مفصل آتا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) اور مولانا مولوی اسلام اللہ نے جو شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں سے ہیں مؤطا کی شرح محلّٰی میں لکھا ہے کہ عبادہ کی اس حدیث کو دارقطنی اور ابن حبّان اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حَسن کہا ہے۔ اور دارقطنی نے کہا ہے اس کا اسناد حَسن ہے اور اس کے رِجال ثِقات ہیں اور خطابی نے کہا کہ اس کا اسناد جیّد ہے۔ اس میں طعن کی جگہ نہیں۔ اور حاکم نے کہا کہ اس کا اسناد مستقیم ہے۔ اور بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایسا ہی ابن الملقن نے نقل کیا۔

جواب الجواب

مولوی صاحب نے اصل سوال کے جواب میں یہ فرمایا ہے۔ مطلق قراءت فرض است خصوصیت فاتحہ را دخلے نیست۔ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی ۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ[2] وتخصیص عام نسخ عام است۔

---

[1] یعنی نَیل الْاَوطار۔ (ناشر)

[2] اللہ تعالیٰ کا قول ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ'' یعنی پس قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھ لیا کرو۔

اس کے کئی جواب ہیں

پہلا۔ قَالَ الْوَاحِدِيُّ: قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ (فِيْ قَوْلِهٖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ): كَانَ هٰذَا فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ نُسِخَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔[1]

(۱) یہ آیت شریف منسوخ ہے۔ واحدی کہتا ہے۔ مفسروں نے کہا فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ کی آیت ابتدائے اسلام میں تھی پھر پانچ نمازوں کا حکم آ گیا تو یہ حکم مسلمانوں سے موقوف کیا گیا۔

پہلا منسوخ یہی دلیل ہوسکتی ہے۔ ہمیں اس جواب میں صرف یہ غرض ہے کہ مولوی صاحب کی دلیل غوایل جرح سے خالی نہیں۔ (غوایل کا لفظ یاد رہے) اور جو دلیل غوایل جرح سے محفوظ نہ ہو وہ مولوی صاحب کے نزدیک دلیل کے قابل نہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اخیر میں اپنے جواب کے لکھا ورنہ خاکسار کی تحقیق نسخ آیات میں وہ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے اخیر یا علیحدہ عنقریب مطبوع ہوگی۔

دوسرا جواب۔ حسبِ اصول مسلّمہ مقلدین حنفیہ۔ امر تکرار کا مقتضی نہیں۔ اس لئے تکرار کا حکم بڑھا لینا ایزاد ہوگا اور ایزاد عَلَی النَّص کو حنفیہ نسخ جانتے ہیں۔ اَلْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ[2] (اصول شاشی) (الصَّحِيْحُ مِنَ الْمَذْهَبِ) أَنَّهٗ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ۔[3] (فصول) ای وهو الزيادة نسخ عندنا خلاف الشافعي[4] (مولوی حسامی) کیونکہ تقلید اور تخصیص ابطال وصف اطلاق اور عموم ہے اور دلیل قطعی کا اصل باوصف ظنّی سے باطل نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو فصول اور مولوی حسامی اور فواتح الرحموت)

---

[1] (التفسير الوسيط للواحدی، تفسير سورة المزّمل آیت: ۲۰)

[2] کسی کام کا امر (اسے) بار بار دُہرانے کا تقاضا نہیں کرتا۔ (أصول الشاشی، فَصْلُ الْأَمْرِ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ)

[3] مذہب یہی ہے کہ یہ (یعنی کوئی امر) تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ (الفصول فی الأصول، فَصْلُ الْأَمْرِ إِذَا كَانَ مُطْلَقًا أَوْ مُعَلَّقًا بِوَقْتٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ صِفَةٍ أَنَّهٗ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ)

[4] یعنی وہ زیادتی ہے جو امام شافعیؒ کے برعکس ہمارے نزدیک منع ہے۔

بعد اس تمہید کے عرض ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ میں حسب اقتضائے امر آپ کے اصول سے ایک دفعہ تمام عمر میں قرآن کا پڑھنا فرض ثابت ہوتا ہے۔ خواہ مومنین نماز سے باہر پڑھ لیں خواہ نماز میں۔ جب کسی مسلمان نے عاقل بالغ مکلّف ہونے کے بعد یا کافر نے مسلمان ہونے پر نماز سے پہلے کچھ قرآن پڑھ لیا تو آپ کے نزدیک فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ پر عمل کر چکا۔ اب اس کو بلحاظ اس آیت اور آپ کے اصول کے کسی نماز میں بھی قرآن کا پڑھنا ضروری نہ رہا۔ اگر فرضیت کا حکم اسی آیت یا اور دلیل سے کرو گے تو حکم تکرار ایزاد ہوگا۔ اور وہ نسخ ہے۔ کیونکہ وہ فرض ادا کر چکا ہے اور امر کی تعمیل ہو چکی اب دوبارہ کس دلیل سے اس کے ذمہ پڑھنا لازم ہوتا ہے۔ یہ آیت شریف تو مامور نہیں بناتی پس ہر نماز میں ہمیشہ کے لئے مطلق قراءت کا پڑھنا بھی اس امر سے ثابت نہ ہوا۔ بہرحال جب ایزاد ثابت کرو گے تو آپ کو آیت کا منسوخ ماننا پڑے گا۔ بلکہ فرضیت مطلق قراءت کا ہی نماز میں انکار کرنا۔

تیسرا جواب۔ حسبِ تحریر آپ کے اور آپ کے اہل اصول کے یہ آیت عام ہے اور عام کی تخصیص کو آپ لوگ نسخ کہتے ہیں اور آپ نے اس حکم کو نماز میں خاص کر لیا پس یہ آیت آپ کے نزدیک منسوخ ہوئی۔ کیونکہ عموم فرضیت قراءت کا مقتضی یہ تھا کہ مکلف کو قرآن پڑھنے میں اختیار ہے نماز کے باہر پڑھ لے یا نماز کے اندر اور آپ نے تخییر کو توڑ دیا۔ اور یہی تخصیص تھی۔ اگر کہو شانِ نزول نے تخصیص کی ہے تو اس پر اوّل یہ اعتراض ہے کہ عام عام نہ رہا بلکہ مخصوص ہو گیا دوسرا یہ کہ اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ[1] بھی آپ کے مسلّم اصول میں سے ہے۔ اس کو کیوں توڑا۔

تنبیہ۔ یاد رہے تخصیص کو اہل حدیث نسخ نہیں کہتے تخصیص اور نسخ میں بڑا فرق سمجھتے ہیں۔

---

[1] نصیحت لفظ کے عموم سے ہوتی ہے نہ کہ کسی خاص سبب سے۔

(كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، باب معرفة أحكام العموم)

چوتھا جواب۔ آیت شریف کا ماقبل پڑھو اور تمام سورۃ کریمہ کو دیکھو۔ قیام اللیل میں ہے۔ اگر قاعدہ اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَالِخُصُوْصِ السَّبَبِ منظور نہیں اور تخصیص ہی کو لینا ہے تو تہجد میں خاص رکھیے۔ قرینہ بھی موجود ہے یا مِنَ الْقُرْآنِ کے لفظ سے مجازاً مِنَ الصَّلٰوۃِ مراد لیجیے۔ اگر کہو حقیقت کا چھوڑنا بے وجہ تو یہ جائز نہیں۔ مجاز کیوں لیں تو عرض ہے کہ فَاقْرَءُوْا کے امر سے مقتدی، منفرد، امام، سب نمازیوں پر قراءت حقیقتاً فرض تھی۔ آپ کے بعض فقہاء نے فَاقْرَءُوْا میں مقتدی کے حق میں قراءت حکمی اور مجازی لے لی۔ یا فَاقْرَءُوْا کے مخاطب کو اِذَا قُرِأَ فَاَنْصُتُوْا کے ذریعہ اس حکم سے ہی علیحدہ کر لیا ہے اور آیت میں تخصیص مان لی۔ جیسے مقتدی کی نسبت فَاقْرَءُوْا میں مجاز اختیار کر لیا یا تخصیص مان لی ویسا ہی مِنَ الْقُرْآنِ سے بقرائن مَاسَبَقَ مَجَازًا صلٰوۃِ تہجد لے کر یا تخصیص کے باعث آیت کو منسوخ کہہ دیجیے۔ فقیر نے جو کہا ہے کہ فَاقْرَءُوْا میں قراءت حقیقی مراد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت اصل ہے اور مانع موجود نہیں اور خیالی مانع مقلدین کا مانع نہیں۔ اور اصول میں ہے۔ اِنَّ الْعَمَلَ بِالْحَقِيْقَةِ اِنْ اَمْكَنَ سَقَطَ الْمَجَازَات۔[1] اور کہا ہے وَمِنْ حُكْمِ الْحَقِيْقَةِ وَالْمَجَازِ اِسْتِحَالَةُ اِجْتِمَاعِهِمَا۔[2]

پانچواں جواب۔ ذیل میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ ثابت کر دیں گے کہ یہ آیت حنفیوں کے نزدیک ضرور عام مخصوص البعض ہے۔ اور عام کی تخصیص کو آپ اور کل حنفی نسخ جانتے ہیں۔ پس یہ آیت فَاقْرَءُوْا حسب قواعد و تسلیم آپ کے ضرور منسوخ ہوئی۔

چھٹا جواب۔ مانا کہ یہ آیت منسوخ نہیں اِلَّا کہتے ہیں کہ یہ ایک خاص حادثہ کا ذکر ہے اور حوادث میں مورد پر تخصیص کر لینا آپ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ دیکھو جمعہ کے خطبہ میں سُلَيْكٌ غَطْفَانِی کی حدیث میں یہ آیا ہے۔ يَا سُلَيْكُ قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔[3]

---

[1] جب (حقیقی معنی لینا) ممکن ہو تو عمل حقیقی معنی کے مطابق ہوگا اور مجازی معنی ساقط ہو جائیں گے۔
[2] اور حقیقت اور مجاز کے قاعدہ میں سے ہے کہ ان دونوں کا (ایک لفظ میں) اکٹھے ہو جانا ناممکن ہے۔
[3] اے سُلَیک! اُٹھو اور دو رکعتیں پڑھو اور انہیں مختصر ادا کرو۔

آپ لوگوں نے اس حکم کو مورد پر خاص کر رکھا ہے اور کہہ دیا ہے۔ وَاقِعَةُ عَيْنٍ لَا عُمُوْمَ لَهَا فَيُخْتَصُّ بِهٖ [۱] اور صحیح حدیث کے جملہ (إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ [۲] کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اور لفظ إِذَا اور كُمْ کا کچھ لحاظ نہ کیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ إِذَا جَآءَ اَحَدُ كُمْ کا مخاطب صرف سُلَيك بن نہیں سکتا۔ اور حدیث إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ۔ [۳] کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ زُہری کا کلام ہے۔ مرفوع کے سامنے معارضہ کے قابل نہیں اور علیؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ کے آثار كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ الصَّلٰوةَ عِنْدَ الْخُطْبَةِ۔ [۴] مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں اور ممکن ہے کہ اُن آثار میں اَلصَّلٰوةُ معرّف بِاللَّام سے مراد وہ نماز ہو جو وَلْيَتَجَوَّزْ کے خلاف ہے اور غیر معرّف معرّف پر محمول ہے اور لطف یہ کہ سُلَيك غطفانی کی حدیث میں ثُمَّ انْتَظَرَهٗ۔ [۵] مسند احمد سے روایت کر کے یہ حکم لگا دیا ہے کہ اگر کوئی خطبہ کے وقت آوے تو اس کے واسطے اگر امام خطبہ میں سکوت کر لے تو اسے دو رکعت پڑھ لینی جائز ہیں۔ منع نہیں۔ حالانکہ ثُمَّ انْتَظَرَهٗ کا لفظ کسی مرفوع حدیث میں نہیں۔ اور مرسل کی حجیت میں کلام ہے۔ اگر مان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُلَيك کے وقت انتظار فرمایا تھا تو پھر بطور آپ کے کہہ سکتے ہیں کہ واقعہ خاص ہے اور اِنْتَظَرَهٗ کی ضمیر اس خصوصیت کی دلیل ہے اور اِذَا جَآءَ اَحَدُ كُمْ اپنے عموم پر ہے۔ امام نووی نے سچ کہا ہے۔ وَلَا أَظُنُّ عَالِمًا يَبْلُغُهٗ هٰذَا اللَّفْظُ (إِذا جَآءَ أَحَدُكُمْ ... وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا) صَحِيْحًا

---

۱ ایک خاص واقعہ ہے جو عمومیت نہیں رکھتا اس لیے یہ اس (صحابی) سے ہی مخصوص ہے۔

۲ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو چاہیے کہ وہ دو رکعتیں پڑھے اور چاہیے کہ انہیں مختصر پڑھے۔

۳ جب امام (خطبہ کے لئے) باہر نکل آئے تو کوئی نماز نہیں اور نہ ہی کوئی کلام۔

۴ وہ خطبہ کے دوران نماز (پڑھنا) ناپسند کرتے تھے۔

۵ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا (دو رکعتیں مکمل کر لینے تک) انتظار فرمایا۔

فَيُخَالِفَهُ.(انتہی)[1] اورحق یہ ہے کہ آپ کو بشرط انصاف ان رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ کے پڑھنے سے خطبہ میں ہرگز ہرگز ہرگز انکار نہ چاہئے۔

اوّل تو اس لئے کہ حدیث إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا[2] حدیث مرفوع صحیح غیر معارض ہے اور ایزاد حکم سکوت بہ نسبت امام شرع لَمْ يَأْذِنْ بِهِ الله ہے۔

دوئم۔ اس واسطے کہ آپ کے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے اور اس مسئلے میں صحابی کا قول بلا معارض موجود ہے بخاری نے عیاض بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَخَلَ وَمَرْوَانُ يَخْطُبُ فَجَاءَ الْأَحْرَاسُ لِيُجْلِسُوْهُ فَأَبَى حَتَّى صَلّٰى فَقُلْنَا لَهُ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَدَعَهُمَا بَعْدَ شَيْءٍ رَأَيْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يَخْطُبُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَأَمَرَهُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ ثُمَّ جَاءَ جُمُعَةً أُخْرَىٰ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّصَّدَّقُوا عَلَيْهِ وَأَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ[3] دیکھو یہاں راوی ہے بعد زمان نبوی عین قراءت خطبہ میں نماز پڑھی اور نسخ و تخصیص کو نہ مانا۔ اور آپ کے آثار منع کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حدیث امر میں

---

[1] میں کسی عالم کے متعلق یہ خیال نہیں کرتا کہ اسے (حدیث کے) یہ لفظ کہ ''جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہوتو اسے چاہیے کہ وہ دو رکعتیں پڑھے اور چاہیے کہ انہیں مختصر پڑھے'' صحیح سند سے پہنچیں پھر وہ اس کی مخالفت کرے۔

[2] جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہوتو چاہیے کہ وہ دو رکعتیں مختصر کر کے پڑھے۔

[3] حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ (مسجد میں) آئے اور مروان (بن حکم) خطبہ دے رہا تھا تو کچھ محافظ انہیں (یعنی حضرت ابوسعید خدری ؓ کو) بٹھانے کے لیے آئے انہوں نے (بیٹھنے سے) انکار کر دیا حتی کہ انہوں نے نماز پڑھی۔ پھر ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ایک بات کے بعد میں ان دو (رکعتوں) کو نہیں چھوڑ سکتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ ؐ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا۔ آپ ؐ نے اسے (دو رکعتیں پڑھنے کا) فرمایا تو اس نے دو رکعتیں پڑھیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ پھر وہ اگلے جمعہ آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے صدقہ دیا جائے اور وہ دو رکعتیں پڑھ لے۔

رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ہیں کیا معنٰی مفید ہے اور ان آثار میں جن سے آپ لوگ استدلال پکڑتے ہو رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ پر انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ہوں ایسا ہی مُحرِم اگر حالتِ احرام میں مرجاوے تو اس کے سر کو آپ لوگ ڈھانپنا اور حنوط لگانا ناجائز جانتے ہیں اور وَلَا تُحَنِّطُوْهُ وَ لَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهٗ فَاِنَّ اللهَ تَعَالىٰ يَبْعَثُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُحْرِمًا ۔[1] اسی ایک شخص کے حق میں خاص رکھتے ہیں جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور اصل مَا ثَبَتَ لِوَاحِدٍ فِيْ زَمَانِ النَّبِيِّ صَلْعَمْ ثَبَتَ لِغَيْرِهٖ[2] کا خیال بھی نہ کیا۔

اور بعینہٖ ایسے ہی کلمات شہداء اُحد کے حق میں آئے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زَمِّلُوْهُمْ فِيْ ثِيَابِهِمْ بِكُلُوْمِهِمْ فَاِنَّهُمْ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَ الرِّيْحُ رِيْحُ مِسْكٍ[3] اِلاَّ پھر بھی آپ لوگوں نے شہید کے عدمِ غسل اور تکفین کو اسی حدیث سے ثابت کیا اور اِذَا مَاتَ اَحَدُ كُمْ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ[4] سے شہداء اُحد پر تخصیص نہیں کی۔ بتاؤ بجز تعصب کوئی مابہ الامتیاز دونوں واقعات میں ہے۔ ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ اگر آفتِ تقلید میں مبتلا نہ ہوتے۔ اَلْعَبْدُ يُبْعَثُ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ[5] پر انصاف سے نظر کرتے اور اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ[6] کا اجماع آپ کو نہ بھولتا اور مَا ثَبَتَ لِوَاحِدٍ ثَبَتَ لِغَيْرِهٖ[7] کا (انشاءاللہ) خیال رہتا اور بہت سی اسی قسم کی نظیریں ہیں۔

---

[1] نہ اسے حنوط لگاؤ اور نہ اس کے سر کو ڈھانکو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن محرم کی حالت میں ہی اٹھائے گا۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بات/امر کسی ایک کے لئے ثابت ہوتو وہ اس کے علاوہ دوسرے کے لئے بھی بطور ثبوت ہوگا۔

[3] ان (شہداء) کو ان کے کپڑوں میں زخموں سمیت لپیٹ دو۔ یقیناً یہ قیامت کے دن اس طرح اُٹھائے جائیں گے کہ (ان کے زخموں کے خون کا) رنگ خون جیسا ہوگا اور خوشبو کستوری جیسی۔

[4] جب تم میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے۔

[5] بندہ اُسی حالت پر اُٹھایا جائے گا جس پر اُس کی موت ہوئی۔

[6] نصیحت لفظ کے عموم سے ہوتی ہے۔

[7] جو (بات) کسی ایک کے لئے دلیل ہوتو وہ اس کے علاوہ (دوسروں) کے لئے بھی دلیل ہوگی۔

ساتواں جواب۔ مانا کہ آیت عام ہے اِلّا آپ کے نزدیک آیت قطعی الدلالت نہیں کیونکہ کہیں قراءت سے حقیقی قراءت مراد لیتے ہو جیسے امام اور منفرد میں اور کہیں قراءت سے قراءت مجازی۔ بھلا جہاں یہ حقیقت اور مجاز ایک لفظ میں جمع ہوں (باوجودیکہ آپ کے یہاں منع ہے۔) پھر اس کی آپ تفریق کریں تو آیت کا قطعی الدلالت ہونا کیونکہ ثابت ہو سکے اور جو قطعی نہ ہو وہ آپ کے نزدیک مثبت فرضیت نہیں۔

آٹھواں جواب۔ ہم نے مانا کہ عام ہے قطعی الدلالۃ ہو یا نہ ہو اِلّا عام قرآنی کی تخصیص سنت ثابتہ سے صحابہ کرام نے جائز رکھی ہے اور ان میں معمول تھی۔ کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں کہ اُس نے عمومات قرآنی کی تخصیص کو جائز نہ کہا ہو۔ اگر کسی صحابی سے ثابت ہے تو آپ صحیح یا حسن اثر سے ثابت کر دیجیے اور فرضیت فاتحہ پر ایسی سنت ثابتہ موجود ہے اور سابق اس کا ذکر ہو چکا۔

نواں جواب۔ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ اخبار احاد پر عمل کرنے اور عمومات قرائنہ کی تخصیص خبر احاد سے فرمایا کرتے تھے۔ خبرِ احاد پر عمل کرنے کی دلیل میں تو مُسلَّم الثَّبوت ہے کھول کر دیکھو انشاءاللہ تعالیٰ منصف حنفی کے واسطے کافی ہوگا۔

التعبّد بخبر الواحد جائز خلافًا للجبائی۔ ثم قال التعبّد بخبر الواحد واقعٌ خلافًا للروافض وطائفة إلی ان استدلّ عَلی ذالك باجماع الصّحابة فَقَالَ و ثانيًا اجماع الصحابة۔ و فيهم عَلِیٌّ بدليل ماتواتر عنهم من الاحتجاج و العمل به فی الوقائع التی لاتحصی من غير نكير و ذالك يوجب العلم عادة باتّفاقهم كالقول الصّريح۔ فمن ذالك انه عمل الكلّ بخبر ابی بكر الائمّة من قريش و نحن معشر الانبياء وَ الانبياء يدفنون حيث يموتون و ابوبكر بخبر المغيرة فی توريث الجدّة و بخبر عبد الرحمٰن بن عوف فی جزية المجوس و بخبر حمال بن مالك فی ايجاب الغرّة بالجنين و بخبر الضحّاك فی ايراث الزّوجة من ديّة الزوج و بخبر عمرو بن حزم فی دية

الاصابع و عثمان و علی بخبر فریعة فی ان عدة الوفات فی منزل الزوج و ابن عباس بخبر ابی سعید الرّبو فِی النَّقد راجعاً الی غیر ذالك ممّا لایعدّ الا بالتَّطویل۔

ترجمہ۔ خبرِواحد پر عمل درآمد عقلاً جائز ہے۔اس میں جبائی کا (ایک رئیس معتزلہ کا نام ہے) اختلاف ہے۔ پھر کہا خبرِواحد عادل پر چلنا اسلام میں واقع ہو چکا ہے۔اس میں شیعہ اور ایک فرقہ کا (یعنی ابن داؤد قاسانی کا چنانچہ مختصر ابن حاجب واحکام آمدی میں ان کے نام پر تصریح ہے) اختلاف ہے یہاں تک کہ صاحبِ کتاب نے اس پر اجماع صحابہ سے استدلال کیا ہے اور کہا دوسری دلیل اس پر اجماع صحابہ ہے جس میں حضرت علی مرتضیٰ بھی ہیں (یہ شیعہ کے الزام کے لئے کہا ہے)۔ دلیل اس اجماع پر یہ ہے کہ ان کا خبرِواحد سے سند پکڑنا اور کئی واقعات میں جو گنے نہیں جاتے اس پر بلا انکار عمل کرنا بتواتر ثابت ہے۔ یہ انکا عمل درآمد یقیناً ان کے اتفاق کو ثابت کرتا ہے جیسے کہ صریح کہنا۔ پس ازاں جملہ ان سب کا ابوبکر کی اس حدیث پر عمل کرنا کہ امام قریش سے ہوتے ہیں اور اس پر جو آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کسی کے وارث یا مورث نہیں ہوتے اور اس پر کہ انبیاء جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں۔اور حضرت ابوبکر کا حدیث مغیرہ پر جو دادی کی میراث میں ہے عمل کرنا اور حضرت عمر کا حدیث عبدالرحمٰن پر جو جزیہ مجوس میں ہے اور حدیث حمل بن مالک پر جو جنین (حمل گرایا ہوا) کے بدلے لونڈی دلانے میں ہے اور حدیث ضحّاک پر جو عورت کو خاوند کے خون بہا سے وراثت دلانے میں ہے اور حدیث عمرو بن حزم پر جو انگلیوں کے خون بہانے میں ہے عمل کرنا اور حضرت عثمان وحضرت علی کا فریعہ کی حدیث پر جو خاوند کے گھر میں عدت وفات کاٹنے میں ہے عمل کرنا اور حضرت ابن عباس کا ابوسعید کی حدیث پر جو ہاتھوں ہاتھ بیع میں بصورت کمی بیشی کے ہم جنس اشیاء میں ربو ہو جانے کے بیان میں ہے۔اپنے پہلے قول کو چھوڑ کر عمل کرنا۔ان کے سوا اور بہت نظائر میں جو بدوں تطویل شمار میں نہیں آتے۔تمام ہوا جو مسلم سے نقل کیا گیا۔فواتح اشاعة

دلیل تخصیص عموم قرآنی

یہاں تک تو خبر واحد پر عمل کرنے کی دلیل تمام ہوئی۔اب **تخصیص عموم قرآنی کی دلیل**

عرض ہے۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ[1] میں کُمْ کا لفظ عام ہے اور اولاد کا لفظ بھی عام۔ پھر آپ نے کیا جمہور اسلام نے یا اہل سنت و جماعت نے نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا فَھُوَ صَدَقَۃٌ[2] جیسے خبر واحد سے جس کے راوی صرف جناب صدیق الاکبر ہی ہیں اور حدیث لَا یَرِثُ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ[3] سے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ کی **تخصیص میں کئی قرآنی عموموں کا خیال نہ** فرمایا۔ اور کافر کی مومن اولاد کو اور مومن کی کافر اولاد کو اس حدیث کے باعث ورثہ سے محروم کیا۔ اور کل صحابہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مالی ورثہ سے جناب بتول کو مَحْرُوْمَۃُ الْاِرْثِ کیا اور عموم قرآن کو چھوڑ کر خبر واحد پر عمل فرمایا۔ اور جناب عمرو جناب عثمان و جناب مرتضیٰ نے اپنی اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی خبر واحد پر عمل کیا۔ پھر کسی آپ جیسے سُنّی نے ان کو نہ کہا کہ نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِیَآءِ کی حدیث احاد سے ہے۔ اس سے تخصیص عموم قرآنی جائز نہ تھی۔ آپ لوگوں نے کیسے جائز کر لی۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ کی حدیث کو مسلّم الثبوت میں اخبار احاد سے مانا ہے جیسا گزرا۔

معترضہ جملہ

دلائل مانعین تخصیص بخبر واحد

ایک ہمارے مہربان نے اس وقت جب میں اس مقام پر پہنچا فرمایا کہ جناب عمر نے عموم قرآن پر عمل کرنے میں ایک خبر واحد کو ترک فرمایا ہے اور تم نے علی العموم صحابہ کی طرف سے کہہ دیا کہ ان کے یہاں خبر واحد سے تخصیص جائز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مومن اور کافر کے باہمی توریث کا کل امت نے اور انبیاء علیہم السلام کی مالی توریث کا اہل سنت نے خبر واحد کے باعث انکار کیا اور کسی صحابی سے کوئی اثر اس کے خلاف پر ثابت نہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کا خود بھی اسی بات پر عمل رہا ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی امر ثابت ہو تو بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا۔ دو دلیلیں

---

[1] اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے۔

[2] ہم انبیاء کا گروہ ہیں۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

[3] کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔

ہیں۔ اوّل یہ کہ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر کے پاس یہ حدیث پیش کی جبکہ وہ مطلقہ ہوئی تو آنحضرت صلعم نے اس کو نفقہ اور سُکنیٰ نہ دلوایا پس حضرت عمر نے اس کی حدیث کو نہ مانا اور کہا لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَلَا سُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ' لَا نَدْرِيْ أَصَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ أَحَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكنىٰ۔[1] اصول کی بعض کتابوں میں پورا قصہ اور ترمذی اور ابوداؤد میں اس کا کچھ حصہ مذکور ہے۔ وقت پر جو جواب حاصل ہوا وہ بھی گذارش ہے تاکہ مولوی صاحب کو اس کا بھی خیال رہے۔

اوّل۔ اس کے کئی ان جملوں پر جرح ہوئی ہے جو آپ لوگوں کے مفید مطلب ہیں۔ اوّل دارقطنی نے کہا۔ یہ جملہ کہ ہم سنت رسول خدا کو کس طرح چھوڑیں۔ محفوظ نہیں۔ ثقات نے ذکر نہیں کیا۔ امام احمد حنبل نے فرمایا۔ یہ جملہ لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا (ہم کتاب اللہ کو نہیں چھوڑتے) اور مطلقہ کو نفقہ دلاتے ہیں۔ حضرت عمر سے صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں مطلقہ ثلاثہ کے واسطے نفقہ و سُکنیٰ کا کہاں ذکر ہے۔

اِبْنِ قَيِّمْ نے کہا ہے کہ یہ قصّہ جناب عمر پر افترا ہے۔ قَالَ نَشْهَدُ بِاللهِ شَهَادَةً نُسْأَلُ عَنْهَا إِذَا لَقِيْنَاهَا اِنَّ هٰذَا كَذِبٌ عَلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَذِبٌ عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَنْبَغِيْ أَنْ لَّا يَحْمِلَ الْإِنْسَانَ فَرْطُ الْاِنْتِصَارِ لِلْمَذَاهِبِ وَالتَّعَصُّبِ لَهَا عَلٰى مُعَارَضَةِ سُنَنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّحِيْحَةِ الصَّرِيْحَةِ بِالْكَذِبِ الْبَحْتِ۔[2]

---

[1] ہم اپنے ربّ کی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سنت ایک عورت کی بات پر نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس نے سچ کہا یا غلط۔ یا اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خرچ اور رہائش اس کا (حق) ہے۔

[2] (ابن قیمّ نے) کہا: ہم اللہ کو گواہ ٹھہرا کر شہادت دیتے ہیں کہ جب ہم اس سے ملیں گے تو ہم سے اس (عورت) کے متعلق پوچھا جائے گا۔ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر افترا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط بیانی ہے۔ اور چاہیے کہ انسان پر مسالک کی جیت اور ان کے تعصب کا اعتدال سے ہٹا دینا، کھلم کھلا جھوٹ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی واضح سنتِ صحیحہ کی مخالفت کا بوجھ نہ ڈال دے۔ (زاد المعاد، ذكر أحكام الرسول ﷺ فی الطلاق، فصل فِي حُكْمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُوَافِقِ لِكِتَابِ اللهِ أَنَّهُ لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْتُوتَةِ وَلَا سُكْنٰى، فَصل رَدُّ مَطْعَنٍ مُعَارَضَةِ رِوَايَتِهَا بِرِوَايَةِ عُمَرَ، جزء۵ صفحه۴۸۰)

دوم۔ اس قصہ کا راوی جناب عمرؓ سے ابراہیم نخعی ہے اور اس کی ملاقات جناب عمرؓ سے ثابت نہیں۔

سوم۔ جناب ابن عباسؓ نے جناب عمرؓ سے اس امر میں خلاف کیا اور جب صحابی صحابی کے خلاف ہو تو فریقین کا قول حجت نہیں ہوتا (دیکھو اپنا اصول) ہاں کوئی مرجح ہو تو باعث ترجیح ہوسکتا ہے جیسے ہماری طرف ہے۔

چہارم۔ جناب عمرؓ نے فاطمہؓ کی بات کو اس لئے ردّ فرمایا کہ راویہ کی راستی اور حفظ پر جناب کو اعتراض تھا۔

دوسری دلیل حنفیوں کی اس بات پر کہ حدیث قرآن کے مقابلے حجت نہیں۔ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے۔قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكْثُرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ مِنْ بَعْدِيْ فَإِذَا رُوِيَ لَكُمْ (عَنِّيْ) حَدِيثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى فَمَا وَافَقَ (كِتَابَ اللهِ تَعَالٰى) فَاقْبَلُوْهُ وَمَا خَالَفَهُ فَرُدُّوْهُ۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر جو قرآن کے موافق نہ ہو عمل جائز نہیں ہے۔ جواب اس حدیث کی نسبت شیخ ابن طاہر حنفی نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو زندیقوں نے وضع کیا ہے اور ردّ کرتی ہے اس کو حدیث إِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمَا يَعْدِلُهٗ. وَيُرْوٰى وَمِثْلُهٗ كَذَا قَالَ الصَّغَانِيْ وَهُوَ كَمَا قَالَ۔ اِنْتَهٰى۔[2] اور مولوی عبد العلی مسلّم الثبوت کی شرح میں کہتے ہیں قال صاحب سفر السعادة اَنَّهٗ مِنْ اَشَدِّ الْمَوْضُوْعَاتِ. قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ حَجَرٍ عَسْقَلَانِيٌّ قَدْ جَآءَ بِطُرُقٍ لَاتَخْلُوْ عَنِ الْمَقَالِ وَ قَالَ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد کثرت سے احادیث تم سے بیان کی جائیں گی۔ پس جب تم سے میرے متعلق کوئی حدیث بیان کی جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھ لو۔ پھر جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہو اُسے قبول کرلو اور جو اس کے مخالف ہو، اُسے ردّ کردو۔ (أصول البزدوي, باب بيان قسم الإنقطاع، الإنقطاع الظاهر، الانقطاع الباطل)

[2] مجھے کتاب دی گئی ہے اور وہ (بھی) جو اس کے برابر ہے اور ایک روایت میں ہے (اور وہ بھی) جو اس کے مثل ہے۔ جیسا کہ صغانی نے کہا ہے: اور وہ اسی طرح ہے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا۔

بعضهم وضعته الزنادقة و ایضًا هو مخالف لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ فصحة هذا الحدیث یستلزم وضعه ورده فهو ضعیف مردود انتهٰی۔ و فی الارشاد قال یحی بن معین انه موضوع وضعته الزنادقة وقال عبد الرحمن بن مهدی الخوارج وضعوا حدیث ما اتاکم عنی فاعرضوه علی کتاب الله۔ تلویح میں لکھا ہے۔ بِأَنَّهٗ خَبَرُ الْوَاحِدِ وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ أَعْنِي الْمُتَوَاتِرَ وَالْمَشْهُوْرَ فَلَا یَکُونُ قَطْعِیًّا فَکَیْفَ یُثْبِتُ بِهٖ مَسْأَلَةَ الْأُصُولِ عَلٰی أَنَّهٗ یُخَالِفُ عُمُوْمَ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْہُ (الحشر :۸) وَقَدْ طَعَنَ فِیهِ الْمُحَدِّثُوْنَ بِأَنَّ فِيْ رُوَاتِهٖ یَزِیدَ بْنَ رَبِیْعَةَ، وَهُوَ مَجْهُوْلٌ، وَتَرَکَ فِيْ إِسْنَادِهٖ وَاسِطَةً بَیْنَ الْأَشْعَثِ وَالثَوْبَانَ فَیَکُوْنُ مُنْقَطِعًا وَذَکَرَ یَحْیَی بْنُ مُعِیْنٍ أَنَّهٗ حَدِیْثٌ وَضَعَتْهُ الزَّنَادِقَةُ وَ إِیْرَادُ الْبُخَارِيِّ إِیَّاہُ فِيْ صَحِیْحِهٖ لَا یُنَافِيْ الِانْقِطَاعَ أَوْ کَوْنَ أَحَدِ رُوَاتِهٖ غَیْرَ مَعْرُوفٍ بِالرِّوَایَةِ۔ انتهٰی (اشاعة)[1] اِن

---

[1] سفر السعادة کے مصنف نے کہا ہے کہ یہ (حدیث) موضوع ترین روایات میں سے ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے کہا: یہ ایسے واسطوں سے آئی ہے جو جرح سے خالی نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اسے زندیقوں نے بنایا ہے اور اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْہُ کے بھی خلاف ہے۔ پس اس حدیث کی صحت سے اس کی کمزوری اور اس کا ردّ کیا جانا لازم آتا ہے۔ یعنی یہ (روایت) ضعیف اور مردود ہے۔ اور ارشاد (یعنی ارشاد الفحول) میں ہے کہ یحیٰ بن معین نے کہا: یہ (روایت) موضوع ہے جسے زندیقوں نے بنایا ہے۔ اور عبد الرحمٰن بن مہدی نے کہا ہے کہ خوارج ہیں جنہوں نے یہ حدیث کہ میرے متعلق جو تم سے بیان کیا جائے اسے کتاب اللہ پر پرکھو، بنائی ہے۔ یہ (روایت) تو خبر واحد ہے اور بعض اقسام جیسے متواتر اور مشہور کو بھی اس سے مخصوص سمجھا گیا ہے حالانکہ یہ (روایت) قطعیت نہیں رکھتی، اس لیے اس سے اصولی مسئلہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ کی عمومیت کے خلاف ہے اور محدثین نے بھی اس پر جرح کی ہے کہ اس کے راویوں میں سے یزید بن ربیعہ مجہول ہے۔ نیز اس کی سند میں اشعث اور ثوبان کے درمیان واسطہ چھوٹا ہوا ہے، اس لیے یہ (روایت) منقطع ہے۔ اور یحیٰ بن معین نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور امام بخاریؒ کا اس روایت کو اپنی صحیح میں لانا اس (کی سند) کے انقطاع یا اس کے راویوں میں سے ایک کے غیر معروف ہونے کی نفی نہیں کرتا۔

شہادتوں سے حدیث کا حال بھی کھل گیا اور ایک عمدہ بات بھی نکل آئی۔ وہ یہ ہے کہ صاحبِ تلویح اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں کہ بخاری میں موجود ہے حالانکہ یہ حدیث بخاری میں بالکل موجود نہیں ہے۔ یہ ہمارے حضرات احناف کے اصولی محققوں کا حال ہے۔ فروعی محققوں کی حالت کو بھی اس پر قیاس فرما لیجیے۔ کیونکہ قیاس آپ کے نزدیک حجتِ شرعیہ ہے۔ سچ کہا ہے امام ملحاوی حنفی نے جو مقلّد ہوا وہ جاہل ہے یا متعصب (ایں قول حنفی ست) مولوی صاحب کے اصل استدلال کا۔

دسواں جواب۔ جمہور ائمہ اسلام نے بھی عام کی تخصیص کو جائز رکھا ہے۔ محصول میں ہے۔ يجوز تخصيص الكتاب بخبر الواحد عندنا وهو قول الشافعي وأبي حنيفة ومالك رحمهم الله وقال قوم لا يجوز أصلا وقال عيسى بن أبان إن كان قد خص قبل ذالك بدليل (مقطوع به جاز و إلا فلا وقال الكرخي إن كان قد خص بدليل) منفصل صار مجازا فيجوز ذلك وإن خص بدليل متصل أو لم يخص أصلا لم يجز وأما القاضي (أبو بكر رحمه الله إنه) اختار التوقّف۔[1] اور ابن حاجب نے مسئلہ تخصیص عام کو بیان کر کے فرمایا ہے۔ و به قالت الائمة الاربعة[2] اور ارشاد میں ہے۔ اِتَّفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلٰى أَنَّ التَّخْصِيصَ لِلْعُمُوْمَاتِ جَائِزٌ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِيْ ذَالِكَ أَحَدٌ مِمَّنْ يُعْتَدُّ بِهٖ وَهُوَ مَعْلُومٌ مِنْ هَذِهِ الشَّرِيعَةِ الْمُطَهَّرَةِ (لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَهٗ أَدْنٰى تَمَسُّكٍ بِهَا) حَتّٰى قِيْلَ: (إِنَّهٗ) لَا عَامَّ إِلَّا وَهُوَ مَخْصُوصٌ، إِلَّا قَوْلُهٗ

---

[1] ہمارے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ (کے کسی مضمون) کی تخصیص کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمھم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ اور ایک قوم نے کہا ہے کہ اصل (حکم) کے متعلق یہ جائز نہیں ہے۔ عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ (خبر واحد سے) پہلے اگر قطعیت کو پہنچی ہوئی کسی دلیل سے تخصیص کی گئی ہو تو (خبر واحد سے مزید تخصیص) جائز ہے وگرنہ نہیں۔ اور کرخی نے کہا ہے اگر کسی دلیل منفصل کے ساتھ مجازی معنی سے مختص کیا گیا ہو تو یہ جائز ہے اور اگر دلیل متصل سے تخصیص کی جائے یا تخصیص حقیقی معنی کے متعلق نہ ہو تو جائز نہیں۔ اور قاضی ابو بکر نے (اس معاملہ میں) خاموشی اختیار کی ہے۔ (المحصول للرازي، الكلام في العموم والخصوص، القسم الثالث القول فيما يقتضي تخصيص العموم، الباب الثالث في التخصيص بالغاية، الفصل الرابع في تخصيص المقطوع بالمظنون)

[2] اور اس کے متعلق چاروں ائمہ نے بیان کیا ہے۔

تَعَالٰی: {وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ} (قَالَ الشَّيْخُ عَلَمُ الدِّيْنِ الْعِرَاقِيّ: لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ عَامٌّ غَيْرَ مَخْصُوْصٍ إِلَّا أَرْبَعَةَ مَوَاضِعَ: أَحَدُهَا: قَوْلُهٗ) {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ} الخ ۔[1]

تلویح میں ہے۔ حُكْمُ الْعَامِّ عِنْدَ عَامَّةِ الْأَشَاعِرَةِ التَّوَقُّفُ حَتّٰى يَقُومَ دَلِيلُ عُمُوْمٍ، أَوْ خُصُوْصٍ، وَعِنْدَ الْبَلْخِيِّ وَالْجَبَائِيِّ اَلْجَزْمُ بِالْخُصُوْصِ كَالْوَاحِدِ فِي الْجِنْسِ وَالثَّلَاثَةِ فِي الْجَمْعِ، وَالتَّوَقُّفُ فِيْمَا فَوْقَ ذَالِكَ وَعِنْدَ جَمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ إِثْبَاتُ الْحُكْمِ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَنَاوَلُهٗ مِنَ الْأَفْرَادِ قَطْعًا وَيَقِيْنًا عِنْدَ مَشَايِخِ الْعِرَاقِ وَعَامَّةِ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَظَنًّا عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ ، وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ حَتّٰى يُفِيْدَ وُجُوْبَ الْعَمَلِ دُوْنَ الِاعْتِقَادِ، وَيَصِحُّ تَخْصِيْصُ الْعَامِّ مِنَ الْكِتَابِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ وَالْقِيَاسِ ۔[2]

---

[1] اہل علم متقدمین ومتاخرین اس پر متفق ہیں کہ عمومات کی تخصیص جائز ہے اور ان میں سے کسی قابل ذکر شخص نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ اور یہ اس شریعت مطہرہ سے ایسا معلوم ہے کہ اس سے ادنیٰ سا مس رکھنے والے سے بھی مخفی نہیں۔ حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی (حکم بھی) عام نہیں مگر وہ مخصوص ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے قول وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيم کے، یعنی اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔ شیخ علم الدین عراقی نے کہا: قرآن کریم میں صرف چار مواقع ایسے ہیں جہاں (قول) عام ہے مخصوص نہیں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا قول حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُم ہے یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئی ہیں۔ (ارشاد الفحول، المقصد الرابع فی الأوامر والنواهي والعموم، الفصل الرابع فی الخاص والتخصيص والخصوص، المسألة الثالثة: تخصيص العمومات وجوازه)

[2] اکثر اشاعرہ کے نزدیک عام کے حکم میں توقف ہے، یہاں تک کہ (اس کے) عمومی ہونے یا مخصوص ہونے کے متعلق دلیل قائم ہو۔ اور بلخی اور جبائی کے نزدیک (عام کو) تخصیص سے حتمی کرنا ایسا ہی ہے، جیسے کسی جنس میں ایک اور جمع میں تین (یقیناً ہوتے) ہیں اور اس سے زیادہ پر توقف ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک افراد میں سے جن کے لیے یہ (یعنی عام) مستعمل ہوتا ہے ان سب پر اس کا حکم ثابت ہے۔ مشائخ عراق اور عام متاخرین کے نزدیک (اس کا ثابت ہونا) قطعی اور یقینی طور پر ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک (اس کا ثابت ہونا) ظنی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور مشائخ سمرقند کے نزدیک (اس میں اس وقت تک) اختیار ہے جب تک کہ یہ اعتقاد کے علاوہ عمل کے واجب ہونے کا فائدہ دے۔ اور (ان کے نزدیک) کتاب اللہ میں سے عام (قول) کی خبر واحد اور قیاس سے تخصیص کرنا درست ہے۔ (التلويح على التوضيح، الْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِنْ الْكِتَابِ فِي الْأَدِلَّةِ الشَّرْعِيَّةِ، اَلرُّكْنُ الْأَوَّلُ فِي الْكِتَابِ، اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي إِفَادَتِهِ الْمَعْنَى، التَّقْسِيمُ الْأَوَّلُ بِاعْتِبَارِ وَضْعِ اللَّفْظِ لِلْمَعْنٰى، فَصْلُ حُكْمِ الْعَامِّ)

جواب گیارہواں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عام کی تخصیص جائز ہے۔جیسا کہ جواب سیوم میں گذرا ہے۔اگر دعویٰ عدم جواز تخصیص ہے تو کسی معتبر کتاب سے امام کا انکار ثابت کر دیجیے اور دکھلا دیجیے کہ امام کے نزدیک تخصیص عام خبرِ واحد سے جائز نہیں۔ہم کو صرف مقلّدین کے اپنے اقوال سے غرض نہیں۔اس معاملہ میں امام کا قول دکھلانا ہوگا ہم پر تو ہمیشہ یہ طعن کہ امام کے قول کو سند نہیں پکڑتے اور خود بزدوی اور متأخرین اہلِ اُصول اور عیسیٰ بن اِبّان وغیرہ کے اقوال پر کاربند

ع یہ کیا غضب ہے کہ تم کو تو ربط غیر سے
اور مجھے یہ حکم کہ زنہار تو کسی سے نہ مل

بارہواں جواب۔ یہ عام کل حنفیوں کے نزدیک مخصوص البعض ہے اور جو عام مخصوص البعض ہو اس عام کی تخصیص بالاتفاق جائز ہے۔مخصوص البعض تو اس لئے ہے کہ **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ**[1] سے کل نمازیوں کے واسطے **مَا تَيَسَّرَ** کا پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔مقتدی ہوں یا منفرد یا امام۔اور عام حنفیہ مقتدی کے لئے قراءت قرآن بالکل ضروری بلکہ جائز بھی نہیں سمجھتے۔اگر اس آیت شریف کے لحاظ سے مطلق قراءت سب نمازیوں پر ضرور ہوتی جیسا کہ لفظ **فَاقْرَءُوْا** سے ظاہر ہے تو مقتدی کے واسطے بھی حنفی لوگ کسی قدر قرآن کریم کا پڑھنا ضروری کہتے لَا كِنْ انہوں نے ایک ضعیف حدیث یا ایسی حدیث سے جس میں کلام ہے (وہ **قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ**[2] ہے) اس **اِقْرَءُوْا** کے حکم کو خاص کر دیا عام نہ رکھا۔دیکھو امام الکلام میں لکھا ہے۔**فان قلت قوله تعالىٰ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ من القرآن يدل على افتراض (الفاتحة) على كل انسان. قلت هو عندنا (الحنفية) مخصص بحديث قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ فلا يثبت فرضية له (انتهٰى)**۔[3] ایسا ہی عینی حنفی نے **ھدایه** کی شرح میں کہا ہے۔تو اب اس مخصص **مَا تَيَسَّرَ** کی تخصیص سے باوجودیکہ اس تخصیص کے لئے ہم

---

[1] پس (قرآن میں سے) جتنا میسر ہو پڑھ لیا کرو۔(المزمل:21)

[2] امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔(ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا)

[3] اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کا قول **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ** (یعنی قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھ لیا کرو) ہر انسان پر (سورۂ فاتحہ کی قراءت کے) فرض ہونے کی دلیل ہے،تو میں کہتا ہوں کہ یہ ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک ایک حدیث کہ ''امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے'' کی وجہ سے مخصوص ہے۔پس یہ اس کے لیے فرض ثابت نہیں ہوتی۔

ایسی صحیح حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں کلام ہی نہ ہو اور جس کے راوی بھی بہت ہوں اور جس کے حق میں امام بخاری تواتر کا دعویٰ کر چکے ہوں اور ان کے دعویٰ کو کسی نے باطل نہ کیا ہو کیوں پہلوتہی کرتے ہیں۔ ضعیف یا منظور فیہ حدیث کو آنکھ بند کر کے مخصص مان لیں اور جس کو اِمَامُ الْاَئِمَّة متواتر بھی کہہ چکا ہو اور جو حدث کلام سے محفوظ رہی ہو اس کو مخصص مان لینے سے چکراویں۔ اس ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہے۔ افسوس

ے ہمیں تو صبر کو کہتے ہیں شیخ و واعظ سب
انہیں تو کوئی بھی کہتا نہیں وفا کے لئے

اگر یہ عذر ہے کہ اس آیت کو اجماع نے مخصص کیا ہے تو اس پر عرض ہے وہ اجماع کہاں ہے۔ کب ہوا۔ پھر اگر اجماع ہی مخصص ہے تو بھی آیت مخصوص البعض ہوگئی اور ایسا عام آپ صاحبوں کے نزدیک قطعی نہیں اور غیر قطعی مثبت فرضیت نہیں۔ پس مطلق قراءت کی فرضیت بھی ٹوٹ گئی۔ علاوہ بریں اس عام مخصوص البعض کی تخصیص سے کون مانع ہے۔ مولوی صاحب ہم پر تخصیص کے ماننے سے جس قدر آپ کے اعتراض وارد ہوئے تھے وہی سارے اعتراض آپ پر اُلٹ پڑے۔ اب جو جو جواب آپ اپنے لئے تجویز کریں یا کر چکے ہوں وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھیے اور انصاف سے کہہ دیجیے۔

بیت جواب اس بات کا گھر ہی میں یہ کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

تیرہواں جواب۔ آیت شریف فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ غیر قادر علی القراءت کے لحاظ سے آپ کے نزدیک کیا تمام اہل اسلام کے نزدیک مخصوص ہے۔ جب مخصوص ہوئی تو ظنّی ہوگئی اور عام مخصوص البعض کی تخصیص بلا خلاف خبرِ واحد سے جائز ہے۔ قال صاحب امام الکلام خص منه مدرك الركوع و العاجز عنه بلا نزاع۔[1]

---

[1] کتاب ''امام الکلام'' کے مصنّف نے کہا ہے: رکوع پانے والا اور قراءت نہ کر سکنے والا بلا اختلاف اس (آیت) سے جُدا کیے گئے ہیں۔

چودھواں جواب۔ یہ آیت کریمہ آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کے سبب جہریہ نمازوں میں مقتدی کے حق میں آپ کے نزدیک بالاتفاق اپنے عموم پرنہیں۔مخصوص البعض ہے۔ اور عام مخصوص البعض کی تخصیص خبرِواحد سے بالاتفاق جائز ہے۔في الامام (الآية) خص منه مدرك الركوع و العاجز عنه بلانزاع فليخص منه المؤتمّ۔ و كذا قال ابن الهمام۔[1]

پندرھواں جواب۔ یہ آیت کریمہ مدرک فی الرکوع کے حق میں آپ لوگوں کے نزدیک اپنے عموم پرنہیں بلکہ عام مخصوص البعض۔کیونکہ مدرک فی الرکوع پرآپ کے نزدیک قراءت فرض نہیں اور عام مخصوص البعض کی تخصیص خبرِواحد سے جائز ہے۔ قال العینی: خصّ منه المقتدی الذی أدرك الإمام فی الركوع فإنه لا يجب عليه القراءة بالإجماع، فيجوز الزيادة عليه حينئذ بخبر الواحد۔[2] اور یہ بات عینی نے جواب میں اس سوال کے فرمائی جوخود عینی نے جواب سے پہلے یوں بیان کیا۔ إن قلت قوله عَلَيْهِ السَّلَامُ قراءة الإمام له قراءة معارض بقوله تعالى: {فَاقْرَءُوْا} [المزّمل: ۲۱] فلا يجوز تركه بخبر الواحد۔[3] اور صاحبِ امام الکلام نے فرمایا۔ لٰكِنَّهٗ (مرجع اس کا آیت فَاقْرَءُوْا ہے)نصّ مخصوص البعض بالاجماع حيث خصّ منه مدرك الركوع و العاجز عنه بلانزاع فليخص منه المؤتم بشهادة كثير

---

[1] کتاب ''امام الکلام'' میں ہے کہ اس (آیت) سے رکوع پانے والا اور قراءت نہ کرسکنے والا الگ کیے گئے ہیں، (اس میں) کوئی اختلاف نہیں۔اس لیے چاہیے کہ مقتدی بھی اس سے الگ سمجھا جائے۔اور ابن ہمام نے (بھی) ایسا ہی کہا ہے۔

[2] عینی نے کہا کہ اس (آیت) سے اُس مقتدی کوجس نے امام کو رکوع میں پالیا الگ کیا گیا کہ اس پر بالاجماع قراءت واجب نہیں۔ پس اس طرح خبر واحد سے اس (یعنی قرآن) پر زیادت جائز ہے۔(البناية شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

[3] اگرتم کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔''امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے'' اللہ تعالیٰ کے قول فَاقْرَءُوْا (یعنی پڑھا کرو) کے مخالف ہے اور خبرواحد سے اس (آیت) کا ترک کرنا جائز نہیں۔

من الاحاديث الواردة (انتھیٰ)۔[1]

سولھواں جواب۔ عام اکثر علما کے نزدیک ظنّی ہے۔ الاکثر علی انه ظن محتمل للخصوص ۔ انتہٰی[2] مسلم ۔اورآپ کے علما سے بھی الشیخ الامام علم الہدیٰ ابومنصور ماتُریدی وغیرہ اسی طرف گئے ہیں اورآپ لوگ اثباتِ تقلید میں حدیث اِبْتَغُوا السَّوَا دَ الْاَعْظَمَ ۔[3] سے استدلال پکڑا کرتے ہیں۔سوادِاعظم سے جب عام کاظنی ہونا ثابت ہوا توآپ کو عام کے ظنی ہونے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔جب ظنی ہواتواس کی تخصیص ممنوع نہیں۔

سترہواں جواب۔ مانا کہ قطعی ہےاوراس کی تخصیص خبرِاحاد سے درست نہیں۔مگر یہ حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ۔[4] مشہور ہےاور یہ حدیث قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَۃٌ[5] کی حدیث اوراِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا[6] کی حدیث سے کسی طرح کم نہیں۔ جب ان احادیث کو احادیث مشہورہ کہہ کر جیسا عینی نے کہا ہے قرآنی عموم فَاقْرَءُوْا کو کل حنفیوں نے مخصص مان لیا تو لَاصَلٰوۃَ والی حدیثوں کومشہور ماننے سے کون امر مانع ہے۔ میرے مذکورہ بالا کلمات میں دو اوراعتراض عین تحریر میں واقع ہوئے۔

---

[1] لیکن یہ(آیت فَاقْرَءُوْا) بالا جماع نصّ مخصوص البعض ہے۔ چونکہ رکوع پانے والے اورقراءت نہ کر سکنے والے کو بلا اختلاف اس (آیت) سے الگ کیا گیا ہے پس چاہیے کہ (اس معاملہ میں) مروی بہت سی احادیث کی گواہی سے مقتدی کوبھی اس (آیت) سے الگ سمجھا جائے۔

[2] اکثر علماء کےنزدیک یہ (یعنی خبر واحد)ظنی ہے،(اس سے)تخصیص کرنا جائز ہے۔

[3] بڑی اکثریت کی پیروی کرو۔ (المستدرك على الصحيحين، كتاب العلم، ذكر من شذ شذ في النار)

[4] جس نے (سورہ فاتحہ) نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ (بخاري,كتاب الآذان, بَابُ وُجُوبِ القِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا)

[5] امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔

(سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب ذكر قوله ﷺ من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة)

[6] جب(امام) قراءت کرےتوتم خاموش رہو۔ (مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد فى الصلاة)

اوّل۔ یہ حدیث مشہور نہیں کیونکہ مشہور کی تعریف میں آیا ہے۔ **اَلْمَشْهُوْرُ مَا تَلَقَّاهُ التَّابِعُوْنَ۔**[۱] اور اس مسئلہ میں تابعین نے اختلاف کیا ہے۔

دویم۔ یہ حدیث محکم نہیں بلکہ محتمل ہے اور مشہور اگر محتمل ہو تو قابلِ حجت نہیں محتمل تو اس لئے ہے کہ اس حدیث میں لاصلوٰۃ کی نسبت کہہ سکتے ہیں **لَا فَضِيْلَةَ صَلٰوةٍ**[۲] جیسے **لَاصَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ**[۳] (یاد رہے یہ حدیث موضوع ہے) اور **لَاصَلٰوةَ لِآبِقٍ**[۴] میں۔ اور حدیث **لَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ**[۵] اس نفی فضیلت پر مجبور کرتی ہے۔

اوّل جواب۔ تو یہ ہے کہ ہم نے صرف مشہور ہونے پر دلیل کا مدار نہیں رکھا۔

دویم۔ شامی نے مشہور حدیث کی تعریف میں لکھا ہے کہ **اَلْمَشْهُوْرُ فِيْ أُصُوْلِ الْحَدِيْثِ مَا يُرْوِيْهِ أَكْثَرُ مِنَ اثْنَيْنِ فِيْ كُلِّ طَبَقَةٍ مِنْ طَبَقَاتِ الرُّوَاةِ وَلَمْ يَصِلْ إِلٰى حَدِّ التَّوَاتُرِ وَفِيْ أُصُوْلِ الْفِقْهِ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْآحَادِ فِي الْعَصْرِ الْأَوَّلِ أَيْ عَصْرِ الصَّحَابَةِ ثُمَّ يَنْقُلُهُ فِي الْعَصْرِ الثَّانِيْ وَمَا بَعْدَهُ قَوْمٌ لَا يُتَوَهَّمُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ۔**[۶] یہ شامی کا قول صرف آپ لوگوں کی خاطر مرقوم ہوا۔

---

[۱] مشہور (روایت) وہ ہے جسے تابعین نے اختیار کیا ہو۔ (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، سنن الصلاة، الواجب من القراءة في الصلاة)

[۲] اس نماز کی فضیلت نہیں۔

[۳] مسجد کے ہمسائے میں رہنے والے کی (گھر میں پڑھی جانے والی) نماز نہیں۔
(الفوائد المجموعة للشوكانى، كتاب الصلاة)

[۴] مفرور (غلام) کی نماز نہیں۔
(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث فى الصلاة)

[۵] خواہ سورۂ فاتحہ ہی (پڑھے) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، باب من ترك القراءة فى صلاته بفاتحة الكتاب)

[۶] اصولِ حدیث میں مشہور وہ (روایت) ہے جسے راویوں کے طبقات کے ہر طبقہ میں سے دو سے زیادہ (راوی) روایت کریں اور وہ متواتر کے مقام تک نہ پہنچے۔ اور اصولِ فقہ کے مطابق (مشہور روایت) وہ ہے جو پہلے زمانہ یعنی صحابہ کے دَور میں خبر واحد میں سے ہو۔ پھر دوسرے زمانے اور اس کے بعد (کے دَور) میں ایک جماعت اسے نقل کرتی ہو، جن کا جھوٹ پر متفق ہوجانے کا گمان نہ ہو سکے۔ (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، شروط المسح على الخفين)

سیوم۔ اگر شہرت میں عدم اختلاف تابعین شرط ہوتا جیسے عینی نے فرمایا ہے تو قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ[1] اور حدیث إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا[2] بھی بلحاظ اس شرط کے احادیث مشہورہ سے نہ ہوتیں۔ کیونکہ قراءت خلف الامام میں بھی تابعین کا اختلاف تھا جسے ہم ثابت کر دکھلائیں گے۔ پس جو جواب آپ لوگ ان احادیث کے اثباتِ شہرت میں دیں گے وہی بعینہٖ ہمارے جواب بھی سمجھیے۔

اور محتمل کے جواب یہ ہیں۔ اوّل لَا تُجْزِءُ کی روایت میں آپ کا احتمال ہے کہاں۔

دویم۔ نفی میں نفی ذات اصل ہے۔

سیوم۔ نفی صحت اقرب مجازین ہے۔ چہارم لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ[3] اور لَا صَلٰوةَ لِآبِقٍ[4] میں جَار اور آبِق دونوں کی صحت صَلٰوةَ پر ایک اور دلیل جواز کے قیام نے نفی فضیلت یا نفی کمال کے لینے پر مجبور کیا ہے۔ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو یہ معنے ہرگز نہ لئے جاتے اور حدیث وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ[5] اور اس کی مجبوری کا جواب عنقریب آتا ہے۔ اصل استدلال کا۔

اٹھارواں جواب۔ حدیث لَا صَلٰوةَ کی متواتر ہے اور متواتر سے تخصیص بالاتفاق جائز ہے۔ متواتر اس لئے ہے کہ امام بخاری نے رسالہ قراءۃ میں فرمایا ہے وَتَوَاتَرَ الْخَبَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

---

[1] امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔ (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب ذكر قوله ﷺ من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة)

[2] جب (امام) قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ (مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة)

[3] مسجد کے ہمسائے میں رہنے والے کی (گھر میں پڑھی جانے والی) نماز نہیں۔ (الفوائد المجموعة للشوكاني، كتاب الصلاة)

[4] مفرور (غلام) کی نماز نہیں۔ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة)

[5] خواہ سورۂ فاتحہ ہی (پڑھے) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب)

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ[۱]۔ آپ نے دیکھا کہ اس حدیث کا متواتر ہونا کیسے امام کے قول سے ثابت کر دکھلایا ہے جس کے حق میں آپ کے اصول کی پہلی کتاب کی شرح فصول الحواشی میں اصول شاشی کے جو اس قول کے نیچے۔قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَكْثُرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ مِنْ بَعْدِيْ فَإِذَا رُوِيَ لَكُمْ عَنِّيْ حَدِيْثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللهِ فَمَا وَافَقَ فَاقْبَلُوْهُ وَمَا خَالَفَ فَرَدُّوْهُ[۲] ماتن مذکور کے حدیث پر فَإِنْ قُلْتَ سے طعن کر کے جواب میں یوں فرمایا ہے۔ و الجواب عنه ان امام محمد بن اسماعيل البخاری اور و هٰذا الحديث فی كتابه وهو امام هذه الصنعة فكفٰى به دليلًا علی صحّة فلم يلتفت الی طعن غيرٍ بعده۔[۳] آپ کے اصول والوں نے تو امام بخاری کا فرمانا کافی دلیل مانا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔ اگرچہ ہم کو اس جواب میں کوئی کلام ہو جس کا عمدہ ایک نتیجہ اخیر میں لکھیں گے۔ (یہ مقام یاد رہے)

مولوی صاحب آپ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کی آیت سے یہ بات نکالتے ہیں کہ ہر نمازی کے لئے مطلق قراءت فرض ہے خصوصیت فاتحہ کو دخل نہیں۔ نمازی کو اختیار ہے قرآن کریم کا جو حصہ چاہے پڑھے۔ فاتحہ ہو یا کوئی اور آیت اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ اختیار ہمیشہ کے لئے آپ آیت شریفہ سے نکالتے ہیں یا ایک دفعہ کے لئے اگر استمراری اختیار لیجیے تو ہر عاقل

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر تواتر کے ساتھ آئی ہے کہ ام القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کی قراءت کے بغیر نماز نہیں۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ، صفحه۷)

[۲] (نبی) علیہ السلام نے فرمایا: میرے بعد کثرت سے احادیث تم سے بیان کی جائیں گی۔ پس جب تم سے میرے متعلق کوئی حدیث بیان کی جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھ لو۔ پھر جو (اللہ تعالیٰ کی کتاب کے) مطابق ہو اُسے قبول کرلو اور جو (اس کے) مخالف ہو، اُسے ردّ کردو۔

[۳] اگر تم (تَكْثُرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ والی روایت کی) بات کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ یہ حدیث اپنی کتاب میں لائے ہیں اور وہ اس فن کے امام ہیں۔ پس (اس کی) صحت پر یہ دلیل کافی ہے پھر اس کے بعد کسی دوسرے کی جرح پر کیونکر توجہ کی جائے گی۔

اصول کے واقف کو یقین ہے کہ استمرار اور دوام اس اختیار کا آیت شریفہ سے نکالنا یقینی نہیں ظنی ہے اور ہم حدیث سے استمراری اختیار کو دور کرتے ہیں اور اگر ایک دفعہ کا اختیار آپ لیں تو گذارش ہے کہ وہ مابہ النزاع سے خارج ہے۔ مولوی صاحب اس جواب پر ذرا غور کیجیے۔ اور گہری نگاہ سے اسے پڑھیے اور دیکھیے کہ ہم نے فرضیت فاتحہ کے قول میں ظنیّ سے قطعی کو منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ اپنی تحقیق کے موافق عام کی تخصیص کی ہے اور آپ کے نزدیک ظنیّ سے ظنیّ کو منسوخ کیا ہے۔

بیت اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم
که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

یہاں تک تو مولوی صاحب کے اس استدلال کا جواب ہوا جو مولانا صاحب نے عدم خصوصیت فاتحہ الکتاب پر کتاب کے عموم سے استدلال فرمایا تھا۔ اب اس حدیث کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ابطال اختصاص فاتحۃ الکتاب میں بخاری سے بیان فرمائی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ومارواہ البخاری فی قصّة تعلیم النبیّ صلعم احکام الصلوٰة للاعرابیّ حیث قال ثُمَّ اِقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔[1]

پہلا جواب۔ اسی حدیث کو بخاری ہی نے جزء القراءت میں یوں روایت کیا ہے۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْبُخَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سُوَيْدٍ عَنْ عَيَّاشٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِي السَّائِبِ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَصَلِّ ثَلَاثًا فَقَالَ فَحَلَفَ لَهٗ كَيْفَ اجْتَهَدْتَ فَقَالَ لَهٗ اِبْدَأْ فَكَبِّرْ وَتَحْمَدُ اللهَ

[1] اور امام بخاریؒ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعرابی کو نماز کے احکام سکھانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جہاں آپؐ نے فرمایا: پھر قرآن میں سے جو تمہیں میسر ہو پڑھو۔

وَتَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ تَرْكَعُ حَتّٰى يَطْمَئِنَّ صُلْبُكَ ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ صُلْبُكَ فَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ هٰذَا فَقَدْ نَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ ۔[۱] (یادرکھو زیادتی ثقہ کی مقبول ہے اور آپ کو اس میں انکار نہیں۔ مولوی صاحب آپ نے بخاری کے مجمل جملہ سے عجب استدلال کیا ہے جس کو بخاری ہی کی کتاب جزء القراءۃ نے اچھی طرح باطل کر دیا۔ سچ ہے اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَ الْحَدِيْثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا ۔[۲]

دوسرا جواب ۔ اس حدیث کو امام احمد حنبلؒ اور ابوداؤد اور نسائی نے رفاعہ سے یوں روایت کیا ہے ۔ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ بِهٖ وَ إِلَّا فَاحْمَدِ اللهَ وَ كَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوٗدَ مِنْ حَدِيْثِ رِفَاعَةَ: ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَآءَ اللهُ ۔[۳] اور امام احمد اور ابن حبّان نے اسی

---

[۱] محمود (بن اسحاق) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: امام بخاریؒ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: یحیٰی بن بُکیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عبداللہ بن سُوَید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عیاش سے، عیاش نے بکر بن عبداللہ سے، بکر نے علی بن یحیٰی سے، علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص حضرت ابوسائبؓ سے روایت کی (انہوں نے کہا) کہ ایک آدمی نے نماز پڑھی اور نبی ﷺ اسے دیکھ رہے تھے۔ جب اس نے اپنی نماز ختم کی تو آپؐ نے فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ آپؐ نے (ایسا) تین بار فرمایا۔ اس پر وہ شخص (دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے) اُٹھا۔ پھر جب اُس نے اپنی نماز مکمل کر لی تو نبی ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو۔ ایسا تین دفعہ ہوا۔ پھر اس نے آپؐ سے قسم کھا کر پوچھا کہ آپؐ کیسی کوشش چاہتے ہیں؟ آپؐ نے اُس سے فرمایا: (نماز) شروع کرو تو اللہ اکبر کہو، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو۔ پھر رکوع کرو یہاں تک کہ تمہاری کمر پر اطمینان ہو۔ پھر اپنا سر اُٹھاؤ حتی کہ تمہاری کمر سیدھی ہوجائے۔ پس اس میں سے جو (بھی) تُو نے کم کیا تو تُو نے اپنی نماز میں نقص ڈالا۔ (القراءۃ خلف الامام للبخاری، باب هل يُقْرَأُ بِأَكْثَرِ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الامام)

[۲] قرآن کا ایک حصہ دوسرے (حصہ) کی وضاحت کرتا ہے اور حدیث کا ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کر دیتا ہے۔

[۳] پھر اگر تمہیں قرآن (میں سے کچھ) یاد ہو تو اسے پڑھو، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور کبریائی بیان کرو اور لا الہ الا اللہ کہو۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت جو حضرت رفاعہؓ کی حدیث ہے، میں یہ ہے: پھر تم امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو اور (وہ بھی پڑھو) جس کی اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الصّلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، بَابُ صَلَاةِ مَنْ لَّا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)

قصہ میں کہا ہے۔ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ۔[1] اس حدیث کے ان مصرح الفاظ کو دیکھ کر انصاف اور قیام عنداللہ کو یاد کر کے فرمایئے کہ اب بھی یہ حدیث آپ کے نزدیک فرضیت فاتحہ کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے اور بھی بہت سی جملے ہیں جو بخاری کی روایت میں مذکور نہیں۔ آپ کو ہم ایک فائدہ کی بات عرض کرتے ہیں۔ اس مقام پر بخاری نے خلیل بن احمد سے روایت کیا يُكْثِرُ الْكَلَامُ لِيُفْهَمَ[2]۔

تیسرا جواب۔ آیت شریف کے لفظ مَا تَيَسَّرَ کے اکثر جواب اس حدیث شریف میں بھی پڑھ لیجیے۔

چوتھا جواب۔ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور خبر واحد ظنّی ہوتی ہے (آپ کے یہاں) اور ظنی کے تخصیص ظنّی سے ممنوع نہیں۔ یاد رہے اہل حدیث خبرِ احاد میں تفصیل کرتے ہیں بعض قسم کو قطعی اور بعض کو ظنّی جانتے ہیں۔

پانچواں جواب۔ اس حدیث میں مَا تَيَسَّرَ سے وہ قرآن مراد ہے جو فاتحہ کے سوا ہو۔ کیونکہ فاتحۃ الکتاب کی حدیث زیادۃ غیر معارض ہے اور زیادۃ ثقہ بالاتفاق آپ کے نزدیک مقبول ہے۔

چھٹا جواب۔ یہ حدیث جس قدر آپ نے بیان فرمائی محتمل ہے تعیین فاتحہ سے پہلے کی ہو یا اعرابی ابھی فاتحہ پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا فاتحہ کا مسئلہ خوب جانتا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ اور قرآن بھی پڑھ لے یا اس کو خاص کیا ہے اس تحییز میں۔ پس حدیث محتمل الوجوہ ہوگئی اور محتمل حجت قطعی مثبت فرضیت نہیں۔ اصل یہ ہے کہ قاعدہ اَلتَّخْصِيْصُ نَسْخٌ متأخرین کی گھڑت ہے سلف کا قول نہیں۔ دلائل قویہ سے ثابت نہیں۔

ساتواں جواب۔ اس اعرابی کی حدیث حجت ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اثبات مطلب میں کیوں لائے۔ اگر ہے تو اسی حدیث میں رکوع اور قومہ اور سجود کے طمانینت کا بھی حکم ہے اس کو آپ نے کیوں چھوڑ رکھا ہے اور اسے فرض کیوں نہیں کہتے اور اس کی فرضیت سے کیوں انکار کیا۔

---

[1] پھر تم اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو۔ پھر (قرآن کریم سے) جو چاہو پڑھو۔ (مسند أحمد بن حنبل، مسند الكوفيين، حديث رفاعة بن رافع الزرقي رضي الله عنه)

[2] کلام اس لیے زیادہ ہوتا ہے تاکہ سمجھا جا سکے۔

صاحبِ ایقاظ نے آپ لوگوں کے عجائبات ذکر کر کے آپ کو فرمایا ہے۔ وأعجب من هٰذَا أَنَّكُمْ إِذا أَخَذْتُم الحَدِيث مُرْسلًا كَانَ أَو مُسْندًا الموافقة رَأْي صَاحبكُم ثمَّ وجدْتُم فِيهِ حكمًا يُخَالف رَأْيه لم تَأْخُذُوا بِهِ فِي ذَالِك الحكم وَهُوَ حَدِيث وَاحِد وَكَانَ الحَدِيث حجَّةً فِيمَا وَافق رَأْي من قلدتموه وَلَيْسَ بِحجَّة فِيمَا خَالفه رَأْيه۔ ولنذكر من هٰذَا طرفا لِأَنَّهُ من أعجب أمرهم .... وَاحْتَجُّوا على أَن الْفَاتِحَة لَا تتعَيَّن فِي الصَّلَاة بِحَدِيث الْمُسِيء فِي صلَاته حَيْثُ قَالَ لَهُ اِقْرَأْ مَا تيَسّر من الْقُرْآن وخالفوه فِيمَا دلّ عَلَيْهِ صَرِيحًا فِي قَوْله ثمَّ اركع حَتَّى تطمئِن رَاكِعا ثمَّ ارْفَعْ حَتَّى تعتدل قَائِمًا ثمَّ اسجد حَتَّى تطمئِن سَاجِدا ۔[1]

اصل حدیث بخاری میں بھی آئی ہے۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ: »ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ« فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ »ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ« ثَلَاثًا، فَقَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي فَقَالَ »إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى

---

[1] اور مجھے اس بات سے حیرت ہے کہ جب تم اپنے امام کی رائے سے موافق کوئی حدیث خواہ وہ مرسل ہو یا مسند لیتے ہو، پھر تم اس میں کوئی ایسا حکم پاتے ہو جو اُس (امام) کی رائے کے مخالف ہوتا ہے، تو تم اُس سے وہ حکم اخذ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ ایک حدیث ہی ہوتی ہے۔ اور (امام) جس کی تم پیروی کرتے ہو، اُس کی رائے سے جو حدیث موافق ہو وہ تو حجت ہوتی ہے اور جس کی مخالفت اُس کی رائے کرے، وہ بالکل بھی حجت نہیں ہوتی۔ اور ہم اس (انوکھے پن) میں سے کچھ ذکر کریں گے کیونکہ یہ ان کا نہایت عجیب معاملہ ہے۔ (پھر صاحب ایقاظ نے اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ) .... اور ان (مقلدین) نے نماز کو خرابی سے پڑھنے والے شخص کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو، سے یہ استدلال کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنا لازم نہیں۔ اور اس (حدیث) میں اس (امر) کی مخالفت کی ہے، جو آنحضور ﷺ کے قول سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ”پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہوجائے۔ پھر اُٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے کھڑے ہوجاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدہ میں تمہیں اطمینان ہوجائے۔

(إيقاظ همم أولى الأبصار، الخاتمة في إبطال شبه المقلدين، صفحه ۱۲۹، ۱۳۰ و ۱۳۵)

تَطْمَئِنَّ رَا كِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ ذَالِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔[1] بخاری۔ دیکھو طمانینت رکوع وسجود کا حکم یہاں موجود ہے اور آپ لوگ طمانینت کو فرض نہیں کہتے رکوع اور سجود کی طمانینت پر نصوصِ کثیرہ موجود ہیں بخوفِ طوالت یہاں نہیں لکھ سکتے۔

انھواں جواب۔ اس حدیث میں جس قدر احکام مذکور ہوئے وہی نماز کے فرض ہیں یا کوئی اور بھی فرض ہے اگر یہی فرض ہیں جو اس میں مذکور ہوئے تو نیّت اور قعدہ اخیرہ اس حدیث کی کسی روایت میں دکھلا دیجیے۔ یا فرمایئے کہ یہ فرض ہی نہیں کیونکہ اس حدیث میں مذکور نہیں۔

اگر فرمائیں گے کہ اور دلائل سے دوسرے امور کی فرضیت ثابت ہو چکی ہے تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں فرائض کے حصر نہیں۔ پس اسی طرح فرضیت فاتحہ بھی کسی اور دلیل سے ثابت ہے گو اس حدیث میں مذکور نہ ہو۔ اور اگر بخاری کی روایت پر آپ حصر رکھیں تو کئی اور فرائض بھی اس روایت میں مذکور نہیں مثلاً وضو وغیرہ۔ اس اعرابی کی حدیث میں جس سے مولوی صاحب اور ان کے ہم مذہبوں نے فرضیت مطلق مَا تَيَسَّرَ پر استدلال پکڑا ہے۔ ایک ضروری بات قابل گزارش ہے۔ عَینی نے اسی حدیث سے استدلال پکڑ کر امام نووی پر تین اعتراض جمائے ہیں۔

---

[1] محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: یحییٰ نے ہمیں بتایا کہ عبید اللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: سعید بن ابی سعید نے مجھے بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی۔ پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو۔ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر وہ لَوٹ کر (اسی طرح) نماز پڑھنے لگا، جس طرح اس نے (پہلے) پڑھی تھی۔ پھر وہ آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو۔ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے تین بار ایسا ہی فرمایا۔ اس نے عرض کیا: اس ذات کی قسم ہے جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے آپؐ مجھے سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہو۔ پھر قرآن میں سے جو تمہیں میسر ہو، پڑھو۔ پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہو جائے۔ پھر اُٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدہ میں تمہیں اطمینان ہو جائے۔ پھر اُٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اور اپنی ساری نماز میں اسی طرح کرو۔

(بخاری' كتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام و المأموم)

الاعتراض الاوّل ۔ لَو كَانَتِ (الْفَاتِحَةُ) فَرْضًا لَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صلَّى الله عَلَيْهِ وَسلّم، لِأَنَّ الْمقَام مقَام التَّعْلِيم۔[ا]

الجواب۔ اما اوّلاً[ع ا] قد امر النبی صلعم کما رایت فی روایة البخاری و احمد وابن حبان و ابی داؤد۔ **و اما ثانیًا**[ع ۲] فقد ترك فی هذا الحدیث فی جمیع طرقه ذکر القعدة الاخیرة فنقول لو کان فرضا (کما تقولون) لامره النبی صلعم لان المقام مقام التعلیم۔ فانقلت لعل فرضیة قعدة الاخیرة مثبت بعد هذه القصة قلت فلعل فرضیة الفاتحة ثبت بعد هذه القصة۔ هذا بعد التسلیم ان الاعرابی ما کان یعلم و ما امره صلی الله علیه و آله و سلم فرضیت الفاتحة۔ **و اما ثالثًا**[ع ۳] فما وقع فی روایت البخاری ذکر النیة لوکان فرضا لامره النبی صلعم لان المقام مقام التعلیم و البیان۔ **و اما رابعًا**[ع ۴] ففی روایة البخاری و الترمذی و ابی داؤد فتوضأ کما امرك الله ثم تشهد و اقم و فی روایة للنسائی و ابی داود ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ اللهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ، وفی النسائی يُمَجِّدُهُ مقام يُثْنِي، ثم ساق ابوداؤد الامر بتکبیرات الانتقال و التسمیع۔ و احمد و ابوداؤد ذکرا قراءت الفاتحة و وَضْعَ الْيَدَيْنِ علی الرکبتین حال الرکوع و مدّ الظهر واسحاق بن راهویه ذکر تمکین السجود و جلسة الاستراحة و ابوداؤد فرش الفخذ و التشهد الاوسط والتمجید و التکبیر و التهلیل عند عدم استطاعة القراءة فلابد عندك ان تکون هذه الاشیاء فرائض لان النبی صلعم امره و لم یبیّن عدم فریضة هذه الاشیاء و المقام مقام التعلیم و البیان و ما ذکر النیة و التشهد الاخیر و الصلوٰة و السلام فما یکون بعضها فرضًا و بعضها مشروعًا لان النبی صلعم لم یبیّنها و المقام مقام التعلیم۔

[ا] پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ (پڑھنی) فرض ہوتی تو ضرور آنحضور ﷺ اُس (اعرابی) کو (فاتحہ پڑھنے کا) حکم دیتے۔ کیونکہ وہ موقع سکھانے کا موقع تھا۔ جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی ﷺ (اس کا) حکم دے چکے ہیں، جیسا کہ بخاری، احمد (بن حنبل)، ابن حبّان اور ابوداود کی روایت میں تم دیکھتے ہو۔ اور (اس اعتراض کے جواب میں) دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام سندوں میں آخری قعدہ کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا (تمہارے کہنے کی طرح ہی) ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ (قعدہ) فرض ہوتا تو ضرور نبی ﷺ اُسے (اس کا) حکم دیتے۔ کیونکہ یہ موقع تعلیم دینے کا موقع تھا۔ پھر اگر تم کہو کہ ممکن ہے کہ آخری قعدہ کی فرضیت اس واقعہ کے بعد متحقق ہوئی ہو، تو میں کہوں گا کہ ممکن ہے کہ سورۂ فاتحہ (پڑھنے) کی فرضیت (بھی) اس واقعہ کے

الاعتراض الثانی[۲] حمل النووی ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ... علی من عجز عَنِ الْفَاتِحَة. فَحَمْلُه عَلَيْهِ غير صَحِيح. لِأَنَّهُ مَا فِي الحَدِيث شَئ ء يدل عَلَيْهِ.

أقول جاء فی روایة لابی داؤد و النسائی فی هذه القصة فان كان معك قرآن فاقرأ وإلّا فاحمد الله تعالیٰ و كبّره و هلّله فقد وقع ما یدل علی ان الحمل صحیح۔

الاعتراض الثالث[۳] ۔ دعوی تیسر الفاتحة تحكم۔ أقول الواجب و الفرض فی العمل سواء و انكار التیسر بعد اختیار الوجوب او الفرضیة تحكم۔[۱] مولوی صاحب نے

بعد ظاہر ہوئی ہو۔ یہ بات قبولیت سے بعید ہے کہ اعرابی نہ تو جانتا ہو اور نہ ہی آنحضور ﷺ نے اسے فرضیت فاتحہ کا حکم دیا۔ اور (اس اعتراض کے جواب میں) تیسری بات یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں نیت کرنے کا بھی ذکر نہیں آیا۔ اگر یہ فرض ہوتی تو نبی ﷺ اسے (اس کا) حکم دیتے کیونکہ یہ موقع سکھانے اور کھول کر بیان کرنے کا موقع تھا۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ بخاری، ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ پھر وضو کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ پھر تشہد پڑھو اور کھڑے ہو جاؤ اور نسائی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ پھر اللہ اکبر کہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور اس کی ثناء و تعریف کرو۔ اور نسائی کی روایت میں يُثْنِي (وہ ثناء کرے) کی بجائے يُمَجِّدُهٗ کا لفظ ہے یعنی وہ اس کی بزرگی و برتری بیان کرے۔ پھر ابوداود نے (دیگر) حرکات و اذکار کی تکبیرات کی بات بیان کی ہے۔ اور احمد (بن حنبل) اور ابوداؤد نے سورۂ فاتحہ کی قراءت اور رکوع کے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے اور کمر کو سیدھا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور اسحاق بن راہویہ نے سجدے کے پُرسکون ہونے اور جلسۃ الاستراحۃ کا ذکر کیا ہے۔ اور ابوداؤد نے ران کو بچھانے، درمیانی قعدہ اور قراءت نہ کر سکنے کی حالت میں الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہنے کا ذکر کیا ہے۔ اور تمہارے نزدیک یہ امور یقیناً فرائض میں شامل ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے اس (اعرابی) کو (ان کا) حکم دیا۔ اور ان امور کے فرض نہ ہونے کی آپؐ نے وضاحت نہیں فرمائی۔ اور یہ موقع سکھانے اور کھول کر بیان کرنے کا موقع تھا۔ اور نیت، آخری قعدہ، درود شریف اور سلام کا ذکر نہیں فرمایا۔ پس ان میں سے بعض فرض اور بعض غیر واجب نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی ﷺ نے انہیں (اس حدیث میں) کھول کر بیان نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ موقع سکھانے کا موقع تھا۔

[۱] دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نوویؒ نے الفاظ ''پھر (قرآن میں سے) جو تمہیں میسر ہو پڑھو'' کو فاتحہ نہ پڑھ سکنے والے پر محمول کیا ہے۔ (علّامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ) اور اُن کا اس پر اطلاق کرنا درست نہیں، کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت کے مطابق اس واقعہ میں یہ (ذکر) آیا ہے کہ اگر تمہیں قرآن یاد ہو تو (اُسے) پڑھو۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تکبیر اور اس کی تہلیل کا ذکر کرو۔ پس یہ (ذکر) آچکا ہے جو اس (بات) پر دلالت کرتا ہے کہ (فاتحہ نہ پڑھ سکنے والے پر) اطلاق کرنا درست ہے۔ تیسرا اعتراض اس دعویٰ پر (کیا) ہے کہ سورۂ فاتحہ (کی قراءت) کا میسر آجانا ایک فیصلہ کن امر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عمل میں واجب اور فرض برابر ہے اور واجب یا فرض کے اختیار کے بعد اس کے میسر آنے کا انکار کرنا بے جا زبردستی ہے۔

عدم خصوصیت فاتحہ پر یہ حدیث بھی استدلال میں فرمائی ہے۔ و ما رواہ ابوداؤد عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ: أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[1]

اس کا پہلا جواب

(۱) یہ حدیث جعفر بن میمون سے روایت ہے اور وہ ثقہ نہیں۔ جیسے کہ نسائی نے کہا ہے' اور امام احمد نے کہا ہے جعفر بن میمون حدیث میں قوی نہیں' اور ابن عدی نے کہا ہے جعفر بن میمون کی حدیث کو ضعفاء میں لکھنا چاہیے۔ پس حدیث غوایل جرح سے خالی تر ہے۔

(۲) اس حدیث کو ابوداؤد نے ابو ہریرہ سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ أَمَرَنِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ: أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ[2] (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) پس آپ کی روایت اس روایت سے کسی طرح بڑھ کر نہیں۔

(۳) یہ حدیث احادیث مصرح بفرضیت کا مقابلہ ہی کب کر سکتی ہے۔

(۴) ابو ہریرہ کا فتوی اس کے خلاف ہے اور راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو آپ کے نزدیک اور آپ کے اصول میں وہ روایت حجت نہیں رہتی گو اہلِ حدیث کو اس اصول میں کلام ہے اور یہ اصل ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ اِلّا اب یہ الزام قائم ہے۔

امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب پڑھنے پر فاتحۃ الکتاب سے منع کرنے والے اکثر اعتراضات ذیل کیا کرتے ہیں

اوّل۔ فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ[3] کے خلاف ہے۔

---

[1] اور جو ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اعلان کروں کہ قراءت (قرآن) خواہ سورۂ فاتحہ ہی ہو، کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

[2] رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اعلان کردوں کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز نہیں اور جو (اس سے) زیادہ ہے (اس کے بغیر بھی نہیں۔)

[3] جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنا کرو۔ (الأعراف:۲۰۵)

دوم۔ فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا حدیث اِذَا قُرِأَ فَاَنْصِتُوْا[1] کے خلاف ہے۔

سیوم۔ ایضاً۔حدیث مَنْ کَانَ لَہٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْإِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ[2] کے خلاف ہے۔

چہارم۔ایضاً۔حدیث فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلْعَمْ[3] کے خلاف ہے۔

پنجم۔ایضاً۔حدیث اَنَّ بَعْضَکُمْ خَالَجَنِیْھَا[4] کے خلاف ہے۔

ششم۔ ایضاً۔حدیث خَلَطْتُّمْ عَلَیَّ اور مَا لِیْ اُنَا زَعُ الْقُرْآن.[5] کے خلاف ہے۔

ہفتم۔ایضاً۔حدیث لَا تَفْعَلُوْا[6] کے خلاف ہے۔

ہشتم۔ایضاً۔حدیث جابر بن عبداللہ اِلَّا وَرَآءَ الْإِمَامِ[7] کے خلاف ہے۔

نہم۔ایضاً۔ حدیث لَا صَلَاۃَ إِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ... أَوْ غَیْرَھَا[8] کے خلاف ہے۔

---

[1] جب (امام) قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشھد فی الصلاۃ)

[2] جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔

(ابن ماجه، کتاب إقامة الصلاة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا)

[3] پھر لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ قراءت کرنے سے رُک گئے۔

(سنن الترمذی، أبواب الصلاۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الإِمَامِ إِذَا جَهَرَ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ)

[4] کہ تم میں سے کوئی اس (کی قراءت) میں میرے مخلّ ہو رہا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، بَابُ نَهْيِ الْمَأْمُومِ عَنْ جَهْرِهِ بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ إِمَامِهِ)

[5] تم نے مجھ پر خلط ملط کر دیا۔ مجھے کیا ہوا ہے کہ مجھے قرآن بُھلایا جا رہا ہے۔

(مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن مسعود، جزء 1 صفحه ۴۵۱)

(سنن الترمذی، أبواب الصلاۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الإِمَامِ إِذَا جَهَرَ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ)

[6] ایسا نہ کیا کرو۔

(سنن الدار قطنی، کتاب الصلاۃ، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ أُمِّ الْكِتَابِ فِي الصَّلَاةِ وَخَلْفَ الْإِمَامِ)

[7] سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔(مؤطا إمام مالك، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أُمِّ الْقُرْآنِ)

[8] ہر رکعت میں خواہ وہ فرض ہو یا اس کے علاوہ سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں۔

(أمالی ابن بشران، نمبر ۲۶، مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، روایت نمبر ۱۴۷۳، جزء ۲ صفحه ۲۶۳)

دہم ۔ ایضاً۔ حدیث لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا۔[1] صرف فَاتِحَةُ الْكِتَابِ پڑھنے والوں پر الزام ہے۔

یازدہم۔ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[2] پر صحابہ کا اجماع ہے۔

دوازدہم۔ قرا ءت خلف امام پر وعید۔ بلکہ فسادِ صلوٰۃ ثابت ہے۔

سیزدہم۔ علمائے حنفیہ نے کراہت فاتحۃ الکتاب خلف الامام پر فتویٰ دیا ہے۔

چہاردہم۔ علمائے حنفیہ فاتحۃ الکتاب کا خلف الامام پڑھنا مفسدِ صلوٰۃ کہتے ہیں۔

پانزدہم۔ قِرَاءَتْ خَلْفُ الْإِمَامِ عقل کے خلاف ہے اور اس میں امام کا مناظرہ ہے۔

جہاں تک میں نے سنا ہے یہی اعتراض فاتحۃ الکتاب پڑھنے والوں پر ہوا کرتے ہیں۔ سو ان کے جوابات بترتیب عرض ہوتے ہیں۔مولوی فضل الدین صاحب نے بھی جس قدر اعتراض کئے وہ انہیں میں سے ہیں پس ان کے جواب میں ان کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ موجود ہوگا۔

شعر وہ دل جس کو سمجھے تھے دریائے خون کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

پہلے اعتراض کی تفصیل۔ قرآن کریم میں آیا ہے۔ إِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَانْصِتُوْا ۔ترجمہ۔ جب پڑھا جاوے قرآن تو اسے سنو (حنفی کہتے ہیں جہر میں) اور چپ رہو (حنفی کہتے ہیں سرِّی نمازوں میں) جہری اور سرِّی نمازوں کا ذکر علی قاری اور عینی وغیرہ نے کیا ہے اور استماع اور اِنْصَات لِلْقُرْآن کا حکم فاتحۃ الکتاب پڑھنے کو صاف منع کرتا ہے۔

اس اعتراض کا پہلا جواب۔ آیۃ شریفہ میں القرآن مُعَرَّف بِاللَّام ہے۔ القرآن مُعَرَّف بِاللَّام کے استماع اور احادیث مثبتہ خاص فاتحۃ الکتاب کی قراءت میں قطعی تعارض بالکل

---

[1] اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ زائد نہ پڑھا۔(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)

[2] امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔(ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا)

نہیں۔ القرآن معرف باللام اور حنفیہ کے اس اصل کو کہ الف لام میں عہد اصل ہے اگر مدِّنظر رکھیں اور بالتخصیص فاتحہ کے اَدِلَّہ کو دیکھیں تو کوئی تعارض نہیں تطبیق سہل ہے حق یہ کہ خاص فاتحہ کے ثبوت میں اَدِلَّہ قَوِیَّہ نصًّا موجود ہیں اور صریح منع فاتحہ پر کوئی نص نہیں۔

دوسرا جواب۔ اَمَرَبِالشَّیْ ءِ اس کی ضد کی نہی کا مستلزم نہیں۔ دیکھو اپنا اصول پس مطلق قراءت یا قراءت فاتحہ کی نہی اس آیت سے نہ نکلی۔

تیسرا جواب۔ استماع کی تخصیص جہری نمازوں کے ساتھ اور انصات کے سریہ کے ساتھ مستلزم ظنّیت عموم ہے اور پھر جب آیت عام مخصوص البعض ہوگئی تو اس کی تخصیص احادیث مثبتہ فاتحہ سے ممنوع نہ ہوئی۔

چوتھا جواب۔ یہ آیت اپنے عموم واطلاق پر بالکل نہیں۔ کیونکہ اس کے معنے ہیں جب پڑھا جاوے قرآن اس کا استماع کرو اور چپ رہو پس حسبِ اقتضائے عموم واطلاق آیت اگر کوئی شخص مشرق میں قرآن پڑھے تو اس وقت مغرب والوں کو اس کا سننا اور چپ رہنا ضرور ہوا۔ مشرق مغرب کا ذکر کیوں کروں۔ ایک شہر بلکہ ایک مسجد میں چند آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ ایک وقت میں کوئی نماز نفل یا فرض جائز نہ ہو۔ اس لئے کہ آیت میں امام اور مقتدی کے یا سامع اور قاری کے قُرب بُعد کا ذکر نہیں۔

جیسے امام کی جہری قراءت میں ان مقتدیوں کو جو امام سے ایسے دوری پر کھڑے ہیں جس میں ان کو امام جی کی آواز نہیں پہنچتی یا نزدیک میں استماع سکوت واجب ہے اور سِرّی قراءت کے وقت نزدیک و دُور کے مقتدیوں کو اِنْصَات واجب ہے۔ ایسے ہی اس قاری کی قراءت پر جو امام نہیں ان لوگوں کو جو اس کے سوا ہیں استماع اور اِنْصَات فرض ہو۔ **جملہ شرطیہ** کے مقدم اِذَا قُرِءَ میں تخصیص امام اور تالی جملہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ میں تخصیص مقتدی نسخ کا باعث ہوگئے علاوہ بریں جب عام مخصوص ہوگیا تو اس کی تخصیص خبرِ واحد سے ممنوع نہ ہوگی۔ یاد رہے اِذَا کے ظرف ماننے میں بھی سوال وارد ہے۔

پانچواں جواب۔ آیت عام ہے اور عام کی تخصیص سنت ثابتہ سے صحابہ کرام نے جائز رکھی ہے۔

چھٹا جواب۔ اگر عام ہے تو عام کی تخصیص خبرِ واحد سے صحابہ میں معمول تھی۔

ساتواں جواب۔ جمہور ائمہ اسلام نے عام کی تخصیص کو جائز رکھا ہے۔

آٹھواں جواب۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عام کی تخصیص خبرِ واحد سے جائز ہے اور ان سب باتوں کے دلائل فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ والی آیت کے نیچے ہم بیان کر چکے ہیں۔

نواں جواب۔ آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا حنفیوں کے نزدیک عام مخصوص البعض ہے۔ اپنے عموم پر نہیں جب عام مخصوص البعض ہوئی تو اس کی تخصیص خبرِ واحد سے بالاتفاق ممنوع نہیں۔ مخصوص البعض اس لئے ہے کہ آیت شریف کا ترجمہ ہے جب پڑھا جاوے قرآن تو اسے سنو اور چپ رہو۔ اس امرِ الٰہی سے قرآن پڑھتے وقت سامعین کا چپ رہنا ضرور ہوا اور سامعین پر فرض ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت کچھ بھی نہ بولیں۔ اگر ذرا بھی بولیں گے تو امر کے خلاف کریں گے جیسے خطبہ میں سکوت کا حکم ہے اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر کوئی خطبہ کا سامع اپنے پاس والے کو اتنا بھی کہے کہ چپ رہ تو اس نے لغو کیا۔ اب فرمایئے اگر کسی جگہ جماعت ہو رہی ہو اور امام جہراً قراءت بھی پڑھ رہا ہو ایک شخص امام کی جہر قراءت کے وقت شریک جماعت ہونا چاہیے تو آپ کیا کوئی بھی سنے اس شخص کو شمول جماعت سے منع کرتا ہے۔

مولوی صاحب میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی حنفی بھی جماعت کے ساتھ شامل نہ ہونے کا فتویٰ نہ دے گا اور جب یہ شخص شامل جماعت ہوا تو لامحالہ اللہ اکبر کہہ کر شامل جماعت ہوا ہوگا اس اللہ اکبر کہنے کی اجازت شارع سے اور آپ لوگوں سے اس کو حاصل ہے اور آپ کی کتابوں میں اللہ اکبر کہنے کی ممانعت اس کو نہیں ہے پھر غور کرنے کا مقام ہے اَنْصِتُوْا کے عموم پر کہاں عمل ہوا۔ اگر عمل ہوتا تو کیا اللہ اکبر قراءتِ قرآن سنتے وقت کہہ سکتا تھا اللہ اکبر کا کہنا عام اَنْصِتُوْا یعنی چپ رہنے کے خلاف ہے۔ بلکہ آپ کے نزدیک تو اللہ اعظم اور خدائے بزرگ است وغیرہ الفاظ

بھی اس وقت اللہ اکبر کے بدلہ پڑھ لینے جائز ہیں اگر کہیے کہ نماز کے باہر یہ الفاظ بولنے جائز ہیں اندر نہیں بول سکتا تو گزارش ہے کہ اس صورت سے بھی آیت اَنْصِتُوْا عام نہ رہی۔ اگر کہو تکبیرِ تحریمہ کا حکم آ چکا ہے تو عرض ہے پھر بھی آیت عام نہ رہی اور مع ہذا ہم کہتے ہیں فاتحہ کا حکم بھی آ چکا ہے۔

دسواں جواب۔ آیت شریف وَ اَنْصِتُوْا اس لئے بھی عام مخصوص البعض ہے کہ اگر کوئی صاحبِ ترتیب (صاحبِ ترتیب حنفیوں کے ہاں وہ شخص ہے جو ہمیشہ نمازیں اپنے وقت پر پڑھتا رہا ہو) ایک روز عصر کی نماز سے رہ گیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوا اور عصر کی نماز قضا ہو گئی اور جب مسجد میں آیا اس وقت جماعت کھڑی تھی اور امام جہراً قراءت پڑھتا تھا۔ آپ اس کے حق میں یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ پہلے عصر پڑھ لے۔ اب جو حسبِ الحکم آپ کے عصر پڑھے گا اور اس میں اللہ اکبر اور ثناء اور فاتحۃ الکتاب اور سورہ اور تشہد اور درود اور دعا وغیرہ اذکار نماز پڑھے گا بتایئے اُس کا حقیقی اِنْصَات اس جگہ کہاں گیا۔ اگر فرماؤ کہ وہ اور جگہ جا کر نماز پڑھے جہاں امام کی آواز نہ پہنچے تو فرمایئے اور جگہ جانے کی فرضیت آپ کی کتابوں میں کہاں بیان ہے۔ جب اور جگہ جانا فرض نہیں تو اسے اختیار ہے کہ نہ جائے۔

گیارہواں جواب۔ عینی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ پڑھتے وقت اگر کوئی نمازی آوے اور یاد کرے کہ میں نے صبح کی نماز نہیں پڑھی تو اس کو حالتِ خطبہ میں نماز قضا شدہ کی ادا جائز ہے دیکھو یہاں جہراً خطبہ میں اگر امام قرآن پڑھتا تھا تو اداءِ صلوٰۃ صبح میں اِسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا عموم آپ لوگوں نے باطل کر دیا اور معلوم ہوا کہ آیت مخصوص البعض ہے اور عام مخصوص البعض کی تخصیص ممنوع نہیں لطیفہ یہاں ہمارے حنفی بھائیوں کو اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ[1] ہی بھول گیا۔

---

[1] جب امام (خطبہ کے لئے) باہر نکل آئے تو کوئی نماز نہیں اور نہ ہی کوئی گفتگو۔

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، شروط الجمعۃ)

بارہواں جواب۔ صبح کے وقت اگر کوئی شخص مسجد میں آوے اور اس وقت امام قراءت پڑھتا ہو تو حنفی اس شخص کو مسجد کے اندر یا دروازہ کے پاس سنتیں پڑھ لینی جائز بتلاتے ہیں اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ سنتیں ایسی جگہ پڑھنی فرض ہیں جہاں امام کی آواز نہ پہنچے معلوم ہوا کہ آیت مخصوص البعض ہے اور مخصوص کی تخصیص ممنوع نہیں۔

تیرہواں جواب۔ یہ آیت شریف آپ کے بعض علماء کے نزدیک اس واسطے بھی مخصوص البعض ہے کہ انہوں نے ایک ایسے نمازی کے واسطے جو امام کے قراءت پڑھتے وقت شامل جماعت ہوا ثناء کا پڑھنا جائز رکھا اور آپ کے بھائی بندوں نے اُن پر وہ فتوے نہیں جمائے جو آہستہ فاتحۃ الکتاب پڑھنے والوں پر جڑے ہیں۔ جب ثناء کا پڑھنا جائز ہوا تو فاتحۃ الکتاب نے ہی کیا قصور کیا ہے۔

چودہواں جواب۔ اس آیت میں اَنۡصِتُوۡا سے عَمَّا سِوَی الۡقُرۡآنِ[1] مراد ہے کیونکہ مدارس قرآن میں کئی آدمیوں کے باہم مل کر قرآن پڑھنے کو تعامل میں آج تک کسی نے منع نہیں کیا۔

پندرہواں جواب۔ اس حدیث (فاتحۃ الکتاب کی فرضیت والی حدیث) کو حدیث قِرَاءَۃُ الۡاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ[2] سے جس کو آپ نے مشہور مانا ہے کیا کمی ہے اور مشہور حدیث سے تخصیص منع نہیں۔

سولہواں جواب۔ حدیث فرضیت فاتحہ متواتر ہے اور متواتر سے عام کی تخصیص ممنوع نہیں۔

ستارہواں جواب۔ آیت کے نزول میں اختلاف ہے۔ آیا خطبہ کے سماع میں ہے یا قراءت خلف الامام میں یا نسخ تَکَلُّمُ فِی الصَّلٰوۃِ میں یا ان اذکار فی الصلوٰۃ کے حق میں جو آیات

---

[1] جو قرآن کے علاوہ ہے۔

[2] امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔

(ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا)

ترغیب وترہیب میں وارد ہوئے یا عام ہے۔ سامع قرآن کے حق میں یا خطبہ اورقراءت فی الصلوٰۃ دونوں کے حق میں یا رسول اللہ صلعم کی قراءت میں نزولِ قرآن کے وقت یا استماع سے عمل مراد ہے اورآیت تاکید عمل میں ہے یا کفار کے حق میں ہے گو عینی نے کہا ہے اکثر اھل التفسیر علی ان ھذا خطاب المقتدین قال احمد اجتمع الناس علی ان ھذہ الآیۃ نزلت فی الصلوٰۃ۔[1] ترجیح اقوال کا محل نہیں اِلَّا اتنا کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت محتملہ حجت قطعیہ ہونے کے قابل نہیں اور اگر کسی ایسے قول کو ان اقوال سے ترجیح دی جاوے جو آپ کے خلاف ہے اور پھر آپ کو آپ کا قاعدہ وَاقِعَۃُ عَیْنٍ لَا عُمُوْمَ لَھَا[2] یاد دلادیں اور کہہ دیں اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ[3] میں بھی اختلاف ہے تو ایک کیا اور کئی جوابوں کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

اٹھارواں جواب۔ اِستماع اور اِنصات آہستہ قراءت کا مانع نہیں اور نہ اس کے خلاف بلکہ آہستہ قراءت کو سکوت کہنا شرعاً ثابت ہے۔ عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا کَبَّرَ فِی الصَّلَاۃِ سَکَتَ ھُنَیْھَۃً قَبْلَ الْقِرَاءَۃِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ أَرَأَیْتَ سُکُوْتَكَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَالْقِرَاءَۃِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ أَقُوْلُ اللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ

---

[1] (آیت کریمہ وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہُ وَأَنصِتُوْا کے متعلق) اکثر مفسرین اس رائے پر ہیں کہ یہ خطاب مقتدیوں سے ہیں اور امام احمد (بن حنبل) نے کہا: لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق ہے۔ (منحة السلوك للعيني في شرح تحفة الملوك، كتاب الصلاة، الفصل في بيان شروط الصلاة وأركانها وواجباتها وسننها وآدابها)

[2] ایک خاص واقعہ ہے جو عمومیت نہیں رکھتا۔

[3] نصیحت لفظ کے عموم سے ہوتی ہے۔

(كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، باب معرفة أحكام العموم)

خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[1] آہ۔اس حدیث میں راوی حدیث رسول اللہؐ کوتکبیر اورقراءت کے درمیان ساکت بھی کہتا ہے اوراُس وقت کا پڑھنا بھی پوچھتا ہے۔معلوم ہوا کہ سکوت کچھ پڑھنے کے خلاف نہ تھااوررسولِ کریم نے اس کے اس کہنےاورسوال کرنے کوغلط نہ فرمایا بلکہ جواب دیا کہ میں اس سکوت کے وقت اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ الخ پڑھتا ہوں۔مولوی صاحب انصاف فرمایئے اورموت کو یاد کیجیے اور تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَاب[2] والوں کے حال سے پناہ پکڑیئے۔اس ہماری تقریر پر ایک فاضل نے یوں اعتراض فرمایا ہے کہ سماع اور استماع میں فرق ہے۔یہاں استماع کاحکم ہےاوراستماع تدبرکواور یہ خیال نہ فرمایا کہ استماع بمعنی تدبرکیا عامیوں کے واسطے بھی فرض ہے۔یہاں تک آیت شریف سے فاتحۃ الکتاب نہ پڑھنے کا کہتے ہیں اِنْتَهٰی۔جواب ختم ہوا باوجودیکہ آیت سِرِّی نمازوں میں حجت ہی نہ تھی۔اگر انصاف سے دیکھتے۔

دوسرے اعتراض کا جواب

تقریرسوال یہ ہے عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِیْ،

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تکبیر کہتے تو قراءت سے قبل کچھ دیر خاموش رہتے۔میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، تکبیر اور قراءت کے درمیان اپنی خاموشی کے متعلق بتائیں کہ آپؐ (اس دوران) کیا پڑھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنی دوری ڈال دے جتنی دُوری تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان ڈالی ہے۔(نَيْلُ الأوطار، كتاب اللباس، أبواب صفة الصلاة، بَابُ ذِكْرِ الِاسْتِفْتَاحِ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ)

[2] جن (کی نجات) کے تمام ذرائع منقطع ہوجائیں گے۔

وَقَالَ مُسْلِمٌ: هُوَ صَحِيحٌ[۱] اس حدیث میں حکم ہے کہ جب امام قراءت پڑھے تو تم چپ کر رہو۔

جواب۔ باب تشہد میں ابوداؤد نے اس حدیث کو بیان کر کے کہا ہے اَنْصِتُوْا کا لفظ محفوظ نہیں سلیمان تیمی کے سوا اس کی کوئی روایت نہیں کرتا۔ پھر ابوداؤد نے باب اَلْاِمَامُ یُصَلِّیْ قَاعِدًا میں کہا ہے اِذَا قُرِأَ فَاَنْصِتُوْا کی زیادتی ہمارے نزدیک ابوخالد کا وہم ہے اور زَیلعی نے عمر اور ابن عَروبہ سے بھی نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیثِ سلیمان سے اَشْھَر ہے اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں کہا ہے۔ ابوداؤد سے ہے کہ یہ زیادتی محفوظ نہیں۔ ایسا ہی روایت کیا ابن معین اور ابوحاتم رازی اور دارقطنی اور حافظ ابوعلی نیشاپوری حاکم کے استاد نے اور مسلم نے بھی اپنی کتاب میں اس کو مسند بیان نہ کیا اور سیوطی نے مصباح الزجاجہ میں کہا ہے ابوحاتم کہتے تھے کہ یہ کلمہ ابن عجلان کی تخالیط سے ہے اور روایت کیا اس کو خارجہ سے اور خارجہ قوی نہیں۔ اور بیہقی نے کہا ہے اس لفظ کے خطا ہونے پر حافظوں کا اجماع ہے ان میں سے ابوداؤد، ابن حاتم، ابن معین اور حاکم ہیں (عینی) اور بخاری نے جُزْءُ الْقِرَاءَةِ میں فرمایا ہے سلیمان نے اس زیادتی میں قتادہ کا سماع ذکر نہیں کیا اور قتادہ نے یونس بن جبیر کا اور ہشّام اور سعید اور ہمام، ابوعوانہ، اِبّان بن یزید، عبیدہ، قتادہ سے اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کا ذکر نہیں کرتے اور اگر صحیح ہو تو ماسوائے فاتحہ کے محتمل ہے۔ ترکِ فاتحہ میں یہ حدیث ظاہر نہیں۔ پھر بخاری نے کہا ہے کہ فَاَنْصِتُوْا کی زیادتی ابوخالد احمر کی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتی اور امام احمد کہتے تھے کہ میں اسے دیکھتا ہوں تدلیس کرتا ہے (یہاں اگر کوئی جواب دینا چاہو تو وہی جواب ابن اسحاق کی تدلیس میں سوچ لینا) سہیل، ابوسلمہ، ہمام، ابویونس، عثمان، اور کئی لوگوں

---

[۱] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام تو اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو۔ (صحاح ستہ میں سے) ترمذی کے علاوہ پانچوں نے اسے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے کہا: یہ روایت صحیح ہے۔

(نيل الأوطار، كتاب اللباس، أبواب صفة الصلاة، بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ الْمَأْمُومِ وَإِنْصَاتِهِ إِذَا سَمِعَ إِمَامَهُ)

نے ابو ہریرہ سے یہ لفظ نقل نہیں کیا۔ ابو خالد کا اس زیادتی میں کوئی تابع نہیں (یہاں پھر ابن اسحاق کی حدیث یاد کرو ابن اسحاق کے تابع زید بن واقد اور سعید بن عبد العزیز اور عبد اللہ بن علاء اور ابن جابر ہو چکے ہیں دیکھو ابوداؤد) عینیؒ شوکانی وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کو ابن خزیمہ اور مسلم اور احمد حنبل سے نقل کیا ہے اور منذری نے ابوداؤد پر تعقب کیا ہے۔ مجھ کو اس تذکرہ سے یہ مقصود ہے کہ حدیث جرح سے خالی نہیں۔ مسلم نے بھی یہ بات کہہ کے کہ یہ حدیث مجمع علیہ نہیں اس روایت کا نقل کرنا اپنی صحیح میں پسند نہ کیا۔ پھر بعد تسلیم اس حدیث کے اور بنظر حدیث ابوموسیٰ جو مسلم میں ہے ہمارے وہی جواب جو آیتِ شریف میں دیئے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ حقیقی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث احادیث حکم قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ کے خلاف نہیں۔ متقدمین اور عامہ اہلِ اصول کے نزدیک اس لئے کہ ان کے نزدیک عام خاص پر مبنی ہے اور یہی حق ہے اور متأخرین اہلِ اصول کے نزدیک اس واسطے کہ ان کے نزدیک بھی خاص مقارن کے ساتھ تخصیص کر لینا نسخ نہیں اور اس مقام میں عبادہ ہی عام اور خاص کا راوی ہے۔ پس یہ تخصیص بالمقارن ہوئی۔ یا اس لئے کہ یا یہ عام مخصوص البعض ہے اور عام مخصوص البعض کی تخصیص ممنوع نہیں۔

تیسرے اعتراض کے جواب

تفصیل اعتراض کی یہ ہے کہ عبد اللہ بن شَدَّاد سے روایت ہے۔ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ [1] جب امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہوئی اور امام کی نیابت شرعاً ثابت ولایت امام دلیل عجز ہے۔ حقیقتاً عجز یہاں موجود نہیں۔ پس یہ عجز حکماً ہوگا۔ علاوہ بریں امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ اگر مقتدی آپ بھی پڑھے گا تو اس کی دو قراءتیں ہو جائیں گی۔ نیز تعارض ادلّہ میں منع کو تقدیم حاصل ہے۔ پھر یہ جواز سے سند میں قوی ہے اور اس کے جابر راوی نے فاتحہ پر بھی اس کو حاوی سمجھا ہے اور ماموم کو قراءت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

---

[1] جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔ (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب ذكر قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة)

جواب پہلا۔ بخاری نے جُزْءُ القراءۃ میں فرمایا ہے یہ خبر قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ وَغَيْرِهِمْ لِإِرْسَالِهِ وَانْقِطَاعِهِ. قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَرَوَى الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَدْرِيْ أَسَمِعَ جَابِرٌ مِنْ أَبِي الزُّبَيْرِ۔[1]

دوسرا جواب۔ یہ حدیث تمیم [1]ابن سالم نے انس[1] سے اور عاصم [2]بن عبد العزیز مدنی نے عون بن عبدالعزیز سے اور اس نے ابن عباس[2] سے اور محمد [3]بن عباد نے اسماعیل سے اور اس نے سہیل سے اور اس نے ابو ہریرہ[3] سے اور اسماعیل [4]بن عمرو نے حسن بن صالح سے اور اس نے ابوہارون سے اور اس نے ابوسعید[4] سے اور محمد [5]بن فضل نے اپنے باپ سے اور اس نے سالم بن عبداللہ سے اور اس نے عبداللہ [5]بن عمر سے اور احمد [6]بن عبدالرحمٰن نے جابر[6] سے روایت کیا۔ انس[1] کی روایت ابن حبّان کی ''كِتَابُ الضُّعَفَاءِ'' میں ہے اور ابن عباس[2] کی دارقطنی میں اور ابو ہریرہ[3] کی بھی دارقطنی میں۔ اور ابوسعید[4] کی کامل میں اور طبرانی کی اوسط معجم میں اور عبداللہ [5]بن عمر کی دارقطنی میں اور جابر[6] کی طحاوی، ابن ماجہ، مؤطا محمد، دارقطنی، بیہقی، مسند ابوحنیفہ میں ہے۔ حافظ نے کہا ہے جابر کی حدیث اس کے کئی طُرق ہیں صحابہ سے اور سبھی روایتیں معلول ہیں اور پہلی روایت کو ابن حبّان نے کہا ہے کہ یہ ابن سالم سے روایت ہے اور وہ ثقہوں کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی روایت مجھ کو پسند نہیں۔ پس یہ حجت کے لائق ہی کب ہے اس سے مجہول اور ضعیف لوگ روایت کرتے ہیں۔ انتہٰی۔ دوسری حدیث کی نسبت دارقطنی نے کہا ہے یہ معلول ہے اور موقوف ہے عاصم قوی

---

[1] ''امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے'' اہل حجاز اور اہل عراق وغیرہ میں سے اہل علم کے نزدیک یہ (روایت) اپنے مرسل اور منقطع ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا: اور (اسے) حسن بن صالح نے روایت کیا ہے، انہوں نے جابر سے، جابر نے ابوالزبیر سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ اور وہ نہیں جانتے کہ آیا جابر نے ابوالزبیر سے سنا (یا نہیں)۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

نہیں۔اس کو مرفوع کہنا وہم ہے۔ابوموسیٰ کہتا ہے۔میں نے امام احمد سے ابن عباس کی حدیث کی کیفیت پوچھی تھی تو انہوں فرمایا منکر ہے۔

تیسری روایت۔دارقطنی نے کہا۔یہ معلول ہے۔محمد بن عباد اس کی حدیث میں منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

چوتھی روایت۔ابن عدی نے کہا ہے۔یہ معلول ہے اور اسماعیل بن عمر و ضعیف ہے اور اس کا کوئی تابع نہیں۔

پانچویں روایت۔دارقطنی نے کہا ہے معلول ہے کیونکہ محمد بن فضل متروک ہے اور خارجہ سے روایت کر کے کہا ہے۔اس کو مرفوع کہنا وہم ہے اور امام احمد سے نقل کیا کہ موقوف صواب ہے اور مؤطا میں بھی موقوف ہے۔

چھٹی حدیث۔جابر کی حدیث کو ابن عدی نے معلول کہا اور اس کے راوی لَیث کو امام احمد اور نسائی ابن معین نے ضعیف کہا ہے اگرچہ شُعبہ اور ثَوری نے اُس سے روایت کیا اور باوجود اس کے ضعف کے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور طبرانی کی روایت کو دارقطنی نے اس واسطے معلول کہا ہے کہ وہ سہل سے مروی ہے اور سہل متروک ہے ثقہ نہیں۔اور دارقطنی نے جابر کی حدیث کو اس واسطے بھی معلول کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن عمارہ اور ...[1] کے سوائے کسی نے مسند نہیں کیا اور وہ دونوں ضعیف ہیں اور ثَوری اور اَبوالاحوص اور شعبہ اور اسرائیل اور شریک اور ابوخالد اور ابن عیینہ اور ابن عبدالحمید وغیرہ نے موسیٰ سے مرسل روایت کیا ہے اور یہی صواب ہے اور جابر جعفی اس کا راوی متروک ہے۔امام ابوحنیفہ نے کہا۔مَارَأَیْتُ بِاَکْذَبَ مِنْهُ۔[2] (برھان شرح مواھب الرحمٰن) و فی التقریب جابر الجعفی ضعیف رافضی[3] اور لَیث اس کا تابع

---

[1] یہ نقطے مصلحت سے خالی نہیں ۱۲۔منہ

[2] میں نے اُس سے بڑھ کر جھوٹا نہیں دیکھا۔

[3] تقریب التہذیب (لابن حجر عسقلانی) میں ہے کہ جابر جعفی ضعیف اور رافضی (یعنی صحابہ کرام کی گستاخی کرنے والا) ہے۔

بھی ضعیف ہے اور جو اُس کے تابع ہوئے وہ اس سے بھی ضعیف ہیں۔

اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث جمیع حفّاظ کے نزدیک ضعیف ہے۔ علاوہ بریں عام خاص کا کوئی تعارض نہیں جیسے ثابت ہو چکا۔ اور ولایت کی نسبت گزارش ہے کہ امام کی ولایت تمام قراءت میں فاتحہ کے سوا مسلّم ہے اور فاتحہ مرفوع حدیث کے باعث علیحدہ ہے اور یہ کہنا کہ مقتدی اگر پڑھے گا تو اس کی دو قراءتیں ہو جائیں گی۔ اوّل تو فاتحہ میں ہم قراءت سے مقتدی کی حکمی قراءت از روئے احادیث صحیحہ مان ہی نہیں سکتے۔ اگر مان لیں گے تو حقیقی اور حکمی قراءت کا اجتماع لازم آوے گا۔ لیکن اس اجتماع کی ممانعت شرع میں کوئی ثابت نہیں۔ پس ہمارے واسطے اجتماع قراءت حقیقی اور حکمی کچھ حرج کا باعث نہ ہوگا۔ اور یہ اعتراض کرنا کہ تعارض ادلّہ میں منع کو تقدیم ہے اس وقت درست تھا جب اس حدیث سے کہیں ممانعت نکلتی اور یہاں ممانعت کا ذکر ہی نہیں۔ پس تعارض کہاں ہوا اور قوت سند کا دعویٰ اپنے مریدوں میں تو خوش کرنے کو کافی ہے اور عقلاء میں بجز اس کے کہ ہنسی کا موجب ہو اور کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ معترض نے اخیر میں جو یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں اس کے جابر روای نے قراءت کو فاتحہ پر حاوی سمجھا ہے اور ماموم کو بالکل قراءت سے مستثنٰی کیا ہے۔ بجواب اس فقرہ کے گذارش ہے کہ موقوف استثنا مرفوع دلائل فاتحہ کے عموم کو اور عدم استثنا کو باطل نہیں کرسکتا۔

دوسرا جواب۔ قِرَاءَتُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ کی حدیث ترک فاتحہ پر نصّ نہیں اور ادلّہ قراءت فاتحہ قراءت فاتحہ پر نصّ ہیں۔ اور نصّ مفہوم سے مقدّم ہے۔ اپنے اصول کو کھول کر دیکھو۔

تیسرا جواب۔ ابن عمرؓ جابرؓ ابوہریرہؓ ابوسعید کا فتویٰ آپ کی مراد کے خلاف پر موجود ہے جیسے آثار میں مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ لطیفہ۔ عینی نے لَاصَلٰوةَ والی حدیث کو اس لئے مشہور نہیں مانا کہ اس کے قبول کرنے میں تابعین کا اختلاف ہے اور مشہور کی تعریف ہے مَاتَلَقَّاهُ

التَّابِعُوْنَ ۔[۱] یہاں آ کر تَرْكُ الْقِرَاءَةِ کی احادیث کومشہور مان لیا اور یہ خیال نہ کیا کہ تابعین کا اختلاف میرے نزدیک شہرت کا مانع ہے اور ترکِ قراءت میں بھی تابعین کا اختلاف ہے سچ ہے۔تقلید اور حمیّت انصاف کے دشمن ہیں تابعین کا اختلاف اجماع صحابہ کی بحث میں ذکر کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ ۔ ۱۲

چوتھے اعتراض کا جواب

تفصیل اعتراض یہ ہے کہ ابوہریرہ سے روایت ہے۔ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ: »هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ آنِفًا؟«، فَقَالَ رَجُلٌ: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: »إِنِّيْ أَقُوْلُ مَا لِيْ أُنَازِعُ الْقُرْآنَ«، قَالَ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[۲] روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور بیان کیا اس حدیث کو مالک نے موطا میں اور شافعی اور احمد اور ابن ماجہ اور ابن حبّان نے اور محمد بن حسن نے ۔اس کا (جواب پہلا) بخاری نے جزء القراءة میں فرمایا ہے۔ وَقَوْلُهُ فَانْتَهَى النَّاسُ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ، وَقَدْ بَيَّنَهُ لِي الْحَسَنُ بْنُ صَبَاحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَشِّرٌ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَاتَّعَظَ الْمُسْلِمُونَ بِذَالِكَ فَلَمْ يَكُونُوا يَقْرَؤُوْنَ فِيْمَا جُهِرَ. وَقَالَ مَالِكٌ: قَالَ رَبِيعَةُ لِلزُّهْرِيِّ:

---

۱ جسے تابعین نے اختیار کیا ہو۔ (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، سنن الصلاة، الواجب من القراءة في الصلاة)

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی نماز سے جس میں آپؐ نے قراءت بالجہر کی، فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ ساتھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: میں (دل میں) کہہ رہا تھا، مجھے کیا ہوا ہے کہ قرآن مجھ سے چھینا جا رہا ہے۔ (حضرت ابوہریرہؓ نے) کہا: پھر اُن (نمازوں) میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت بالجہر کرتے تھے، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے رُک گئے۔

إِذَا حَدَّثْتَ فَبَيِّنْ كَلَامَكَ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[1] اور حافظ نے کہا ہے۔ فَانْتَهَى النَّاسُ ... مُدْرَجٌ ... مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ بَيَّنَهُ الْخَطِيْبُ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيْخِ وَأَبُو دَاوُد وَيَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ وَالذُّهْلِيُّ وَالْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهُمْ۔[2] اورنووی نے کہا ہے هَذَا مِمَّا لَا خَلَافَ فِيْهِ بَيْنَهُمْ.[3] اور حدیث کا مدار ابن اکیمہ لیثی پر ہے اور اس کو حمیدی اور ابوبکر بزار اور بیہقی نے مجہول کہا ہے۔ایسا ہی حازمی نے کہا ہے۔نووی نے کہا ہے کہ **ائمّہ** نے ترمذی کی تحسین پر انکار کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف پر ائیمہ نے اتفاق کیا ہے۔ناظرین رسالہ اس تضعیف کو یاد رکھیں اور یہ بھی جان رکھیں کہ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے صحیح بتایا اور ابن ابی حاتم نے مقبول کہا۔تضعیف کرنے والے بہت ہیں اور تصحیح کرنے والا صرف ایک اور حسن کہنے والا ایک اور مقبول کہنے والا بھی ایک۔غرض یہ حدیث جیسے مولوی صاحب کو دلیل میں لانا چاہیے تھا ویسے نہیں۔کیامعنے غوایل جرح سے خالی نہیں۔

جواب دوسرا۔ اگر فَانْتَهَى النَّاسُ کو زُہری کا کلام نہ مانیں گے تو صحابی کا فہم

---

[1] اور اُس کا یہ کہنا کہ ''لوگ رُک گئے'' زُہری کا قول ہے۔اور یہ حسن بن صباح نے مجھ پر واضح کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مبشر نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے اوزاعی سے روایت کی کہ زُہری نے کہا: پس اس بات سے مسلمان نے نصیحت حاصل کر لی۔پھر وہ جہری نمازوں میں (سورۂ فاتحہ سے زائد) نہیں پڑھتے تھے۔اور (امام) مالک نے بتایا کہ ربیعہ نے زُہری سے کہا: جب تم کوئی بات کرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے اپنی بات کو الگ واضح کیا کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[2] (الفاظ) "فَانْتَهَى النَّاسُ" (لوگ باز آ گئے) مدرج (یعنی باہر سے داخل کی ہوئی بات) ہے............ جو زُہری کے کلام میں سے ہے، خطیب (بغدادیؒ) نے اسے وضاحت سے بیان کیا ہے اور امام بخاریؒ نے اپنی (کتاب) تاریخ میں نیز ابوداؤد، یعقوب بن سفیان، ذُھلِیِ اور خَطَّابِی وغیرہ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔

(التلخيص الحبير لابن حجر العسقلاني، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[3] یہ ایسی (بات) ہے جس میں اُن کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

کہیں گے اور فہمِ صحابی مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں بلکہ حجت ہی نہیں۔

جواب تیسرا۔ اس حدیث سے اگر حدیث کو مان لیں منازعت کی ممانعت نکلتی ہے اور وہ محل نزاع سے ہی خارج ہے۔ ہم نے مانا کہ منازعت ممنوع ہے۔ بھلا فرمایئے آہستہ فاتحہ پڑھ لینا منازعت میں کہاں داخل ہے۔ مقتدی کے جہر پڑھنے میں منازعت ہوتی ہے۔ آہستہ پڑھنے میں تو منازعت مفقود ہے۔

ہمارے ایک صوفی مشرب مولوی صاحب کے رشید شاگرد نے اس مقام پر ذکر کیا کہ جس وقت جناب رسول اللہ صلعم نے مَالِیَ اُنَازِعُ[1] صحابہ کو فرمایا تھا۔ اس وقت انہوں نے جہراً قراءت نہیں پڑھی تھی بلکہ آہستہ پڑھتے تھے اگر جہراً پڑھی ہوتی تو هَلْ قَرِأَ مَعِیْ[2] کیوں فرماتے۔ استفہام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کو ان کا پڑھنا سنائی نہیں دیا نفس پڑھنے کے گناہ نے نبی کے صاف قلب پر صدمہ دیا اور اس صدمہ نے منازعت کا لفظ کہلایا۔ اوّل بجواب ان کے گزارش ہے کہ آپ نے شاید انکاری استفہام کلام عرب اور قرآن و حدیث میں نہیں سنا۔

۲۔ علاوہ بریں یہ عموم یا اطلاق عبادہ کے خاص یا مقید حدیث کا مقابلہ کب کرسکتا ہے۔

سیوم۔ **مخالجه** اور **مخالطه** کی حدیث سے جو آگے آتی ہے آپ کا یہ تو ہم کہ استفہام انکاری نہیں بشرط انصاف رفع ہوگا انشاء اللہ۔

چہارم۔ منازعہ کی حدیث کا راوی جَھرِی نمازوں میں بعد زمان نبوی قراءت فاتحہ خلف الامام کا عامل اور مفتی تھے اور قول صحابی اور تفسیر راوی آپ کی یہاں حجت ہے۔ ایک عجیب قاعدہ عامہ حنفیوں کا اس وقت یاد آیا ہے۔ میرے اہل حدیث بھائی اگر اس کو یاد رکھیں گے تو حنفیوں کے بہت سے جوابوں میں الزاماً ان کو کام آوے گا۔ الزاماً اس لئے کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ اور

---

[1] مجھے کیا ہوا ہے کہ مجھ سے چھینا جا رہا ہے۔

[2] کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ساتھ پڑھا ہے؟

اس کے فروع میرے اور منصف محققوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ وہ یہ ہے۔ احادخبریں ایسے امور میں جن کی ضرورت عام ہو حنفیہ کے نزدیک مردود ہیں یا منسوخ۔ یا مأوّل اور اس قاعدہ کی فروع یہ ہیں۔

نَقْضُ الْوُضُوْءِ مَسِّ ذَکر سے ثابت نہیں۔ رَفْعِ یَدَیْن رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت نہیں مانتے۔ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے گھر میں تو خبر احاد سے انکار کرنے کے ایسے قواعد گھڑ لئے اور انہیں قواعد کو فراموش کر کے خبرِ احاد سے خود ہی استدلال بھی پکڑنے لگے۔

قراءت خلف الامام بھی تو مَا یَعُمُّ الْبَلْوٰی[1] میں داخل تھی۔ اُس کے بارے میں ایک خبرِ واحد سے دلیل پکڑ کے وجوبِ سکوت اور کَرَاھَۃِ قِرَاءَتْ بلکہ فسادِ صلوٰۃ مقتدی کے حق میں کیسے ثابت کر لیا۔

پانچواں اعتراض

عمران بن حصین سے روایت ہے أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ یَقْرَأُ خَلْفَہٗ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَیُّکُمْ قَرَأَ أَوْ أَیُّکُمُ الْقَارِئُ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا فَقَالَ قَدْ ظَنَنْتُ أَنَّ بَعْضَکُمْ خَالَجَنِیْھَا۔[2] اس حدیث میں سِرّی نمازوں میں ایک شخص نے قراءت پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا۔ خَالَجَنِیْھَا کے معنوں میں لکھا ہے خَالَجَنِیْھَا اَیْ نَازَعَنِیْھَا۔[3]

---

[1] روزمرہ کے درپیش امور

[2] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک آدمی آپؐ کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پڑھنے لگا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے پڑھا؟ یا (فرمایا:) تم میں سے پڑھنے والا کون تھا؟ اِس پر اُس آدمی نے عرض کیا کہ میں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے گمان ہوا تھا کہ جیسے تم میں سے کوئی مجھے اس (قراءت) میں اُلجھا رہا ہے۔

[3] اُس نے مجھ سے اسے چھینا۔

جواب پہلا۔ اس اعتراض کو اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔محلِّ نزاع فاتحہ کا پڑھنا ہے نہ سورۃ کا۔

جواب ۲۔ خَالَجَنِيْهَا اور نَازَعَنِيْهَا کے معنے جب ایک ہوئے تو جو حدیث منازعت میں جواب دیئے۔ وہ جواب یہاں بھی سمجھ لیجیے۔ علاوہ براں یہاں مخالجت سے بھی منع نہیں نکلتی۔ اسی حدیث کے نیچے بخاری نے شعبہ سے روایت کیا کہ میں نے قتادہ راوی سے پوچھا كَأَنَّهٗ كَرِهَهٗ؟ فَقَالَ: لَوْ كَرِهَهٗ لَنَهَانَا عَنْهُ۔[1] ہاں دارقطنی نے حجّاج بن ارطاۃ سے نَهٰى عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ[2] روایت کی ہے مگر دارقطنی نے آپ ہی کہہ دیا ہے حجّاج کے ساتھ احتجاج نہیں کیا جاتا اور قتادۃ کے اور اصحاب نے حجاج کی مخالفت کی ہے۔ اُن میں سے شعبہ اور سعید وغیرہ ہیں بلکہ مسلم اور بخاری کی جُزْءُ الْقِرَاءَةِ میں ہے۔ قتادہ کہتا ہے لَوْ كَرِهَهٗ نَهٰى عَنْهُ۔ شعبہ کے سوال اور قتادہ کے جواب میں جو اس روایت صحیحہ میں ہے حجاج بن ارطاۃ کی تکذیب ہے جس نے حدیث کو بدلا ہے۔

تیسرا جواب۔ یہ ایک خاص واقعہ کا بیان ہے اور اس کو عموم نہیں ہوتا۔ دیکھو اصول حنفیہ اور (الزاماً سمجھو)

چھٹے اعتراض کا جواب

اعتراض کی تفصیل یہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ۔[3] اور قراءت

---

[1] گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا؟ اس پر انہوں نے کہا: اگر آپؐ اسے ناپسند فرماتے تو ضرور ہمیں اس سے منع فرما دیتے۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ)

[2] آپؐ نے امام کے پیچھے (قرآن) پڑھنے سے منع فرمایا۔

[3] تم نے مجھ پر قرآن ملا جلا دیا ہے۔

خلف الامام میں خلط امام پر لازم آتا ہے۔

جواب۔ بخاری نے محمد بن مقاتل سے روایت کیا اور اس نے نضر سے حدیث کی' نضر نے کہا یونس نے ہمیں خبر دی ابو اسحاق سے' اس نے ابوالاحوص سے' اس نے عبداللہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو یقرؤون القرآن فیجھرون بہ خلطتم علیّ القرآن۔ ترجمہ۔ پڑھتے تھے قرآن اور زور سے پڑھتے تھے۔ تم نے ملا دیا مجھ پر قرآن۔ پوری اور مفصل روایت میں آپ نے دیکھ لیا کہ آپ کا جھگڑا ہی فیصلہ ہے کیونکہ یہاں تصریح ہے کہ مقتدی جہر کرتے تھے اور ان کے جہر پر خَلَطْتُّمْ فرمایا نہ آہستہ پڑھنے پر۔ علاوہ بریں جہر سے اگر نماز فاسد ہوتی تو اِعَادہ کا حکم فرماتے۔ اگر کراہت ہوتی منع کرتے۔ مگر ہم اس جواب سے اس لئے درگزر کرتے ہیں کہ شاید ہمارے مجیب خلاف مذہب خود جواز تاخیر بیان کا مسئلہ پیش کریں گے۔ حالانکہ ان کو مفر ہے۔

ساتواں اعتراض

انس سے روایت ہے۔ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... قَالَ أَتَقْرَءُوْنَ فِيْ صَلَاتِكُمْ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ؟ فَسَكَتُوْا ... قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا۔[1] اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو فعل قراءت سے منع فرمایا۔

جواب پہلا ۔ یہ لَاتَفْعَلُوْا کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں اور نسائی اور دارقطنی میں موجود ہے۔ اس کو دیکھیے ایک دو سندیں ہم بھی بیان کر کے آپ کو انصاف کی راہ دکھاتے ہیں۔

بخاری نے اسی انس کی حدیث کو یوں روایت کیا۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَنْبَأَنَا

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اپنی نماز میں قراءت کرتے ہو، جبکہ امام (بھی) قراءت کر رہا ہوتا ہے۔ وہ خاموش رہے۔..........آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري, باب لا يجهر خلف الإمام بالقراءة, صفحه 61)

عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهٖ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: أَتَقْرَءُوْنَ فِيْ صَلَاتِكُمْ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ ؟ فَسَكَتُوْا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُونَ: إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ ۔(القراءة خلف الإمام للبخاري, باب لا يجهر خلف الإمام بالقراءة) ترجمہ۔ نبی صلعم نے اپنے صحابہ کونماز پڑھائی۔ جب پڑھ چکے ان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔کیا تم نماز میں پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھتا ہے پس لوگ چپ کر گئے ۔تین مرتبہ فرمایا پھرلوگوں نے عرض کیا۔ہم ایسا کرتے ہیں۔فرمایا پھرمت کرو اور پڑھ لے ایک تمہارا فاتحۃ الکتاب کوآہستہ۔

مولوی صاحب اب اگر انصاف ہے تو ہمارے جھگڑے اس مسئلہ کے اس حدیث نے فیصل کر دیئے۔دوسری روایت اسی بخاری کی عبادہ بن صامت سے سنیے۔قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ ... فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَقَالَ إِنِّيْ لَأَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ ؟ قَالَ قُلْنَا أَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا ۔(القراءة خلف الإمام للبخاري، باب لا يجهر خلف الإمام بالقراءة) ترجمہ۔نماز پڑھائی ہم کو رسول اللہ صلعم نے صبح کی نماز پس بھاری ہوئی ان پر قراءت پھرفرمایا۔میں دیکھتا ہوں تم پڑھتے ہو امام کے پیچھے کہا ہم نے ہاں یارسول اللہ فرمایا' پھر نہ کیجیومگرفاتحۃ الکتاب تحقیق نماز نہیں ہوتی اس کی جس نے نہ پڑھا اس کو۔

احمد نے اس حدیث کو بیان کیا اور بخاری نے اس کی تصحیح کی۔ابن حبّان اور حاکم اور بیہقی نے صحیح کہا۔دارقطنی نے کہا کہ اس کے سبھی رِجَال ثِقَات ہیں۔ثقہ کی زیادتی آپ کے نزدیک مقبول ہے۔اب اس زیادت کوخواہ مخواہ ماننا پڑا۔

آٹھواں اعتراض

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: »مَنْ صَلَّى رَكْعَةً فَلَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ« ۔ترجمہ۔جابر سے وہ نبی صلعم سے۔ فرمایا جس نے پڑھی ایک رکعت اور نہ پڑھی اس میں اَلْحَمْد تو اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر امام کے پیچھے۔اس حدیث میں امام کے پیچھے اَلْحَمْدُ سے ممانعت ہے۔

جواب اوّل۔ امام مالک اور ترمذی نے اس حدیث کو موقوف روایت کہا ہے نہ مرفوع۔

دوسرا جواب۔ دار قطنی نے کہا اس کا راوی یحی بن سلام ضعیف ہے اور عبد البرّ نے کہا ہے اس حدیث کو مرفوع کہنا صحیح نہیں بلکہ جابر پر موقوف ہے۔

تیسرا جواب۔ مرفوع ثابت نہیں جیسے گذرا اور موقوف کی حجیت ممنوع ہے۔

چوتھا جواب۔ یہ اثر آثار متخالفہ میں سے ہے اور آثار متخالفہ جیسے آتا ہے حجت نہیں ہوتی۔

پانچواں جواب۔ استثنا آپ کے مذہب میں صدر کے مخالف حکم کا مثبت نہیں پس مقتدی کو قراءت فاتحہ سے منع کا مثبت نہ ہوگا۔دیکھو توضیح والا کہتا ہے۔عِنْدَنَا ... أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ لَا يُثْبِتُ حُكْمًا مُخَالِفًا لِحُكْمِ الصَّدْرِ بِخِلَافِ التَّخْصِيصِ۔ تلویح ۔[1] أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ مِنَ الْإِثْبَاتِ هَلْ هُوَ نَفْيٌ أَمْ لَا فَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ نَفْيٌ إِلَى أَنْ قَالَ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا ۔ اِنْتَهٰى۔ ارشاد۔[2] اَلْإِسْتِثْنَاءُ مِنَ النَّفْيِ فَذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى أَنَّهُ إِثْبَاتٌ، وَذَهَبَتِ الْحَنَفِيَّةُ إِلَى أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ لَا يَكُونُ

---

[1] ہمارے نزدیک یہ بات ہے کہ تخصیص کے برعکس، استثناء کسی بنیادی حکم کے خلاف حکم ثابت نہیں کرتا۔(التلویح على التوضيح، اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِنَ الْكِتَابِ فِي الْأَدِلَّةِ الشَّرْعِيَّةِ، اَلرُّكْنُ الثَّانِي فِي السُّنَّةِ، بَابُ الْبَيَانِ، فَصْلٌ فِي الِاسْتِثْنَاءِ)

[2] استثناء ثابت شدہ احکام میں نفی کرتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک یہ نفی کرتا ہے اس تک جو اُس نے کہا۔اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ (حقیقی) نفی نہیں کرتا۔

إِثْبَاتًا۔[1] اور ہم لوگ اہل حدیث اگر چہ استثناء بخلاف حنفیہ مثبت حکم مانتے ہیں۔ اِلَّا کہتے ہیں حدیث مرفوع صحیح نہیں اور موقوف مرفوع کے مقابلہ حجت نہیں۔

چھٹا جواب۔ اس موقوف استثناء کا مدلول اشارۃ ہے اور ابو ہریرہ کا نہایت قوی اثر جو جواب میں إِنِّيْ أَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ[2] کے۔ ابو ہریرۃ نے فرمایا۔ اِقْرَأْ بِهَا الخ[3] اور آثار مثبت فاتحہ عبارۃ ہیں اور اشارہ عبارۃ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ساتواں جواب۔ استثناء کا مدلول اشارہ ہے اور احادیث مثبتہ فاتحہ کی مرفوع منطوق کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

نواں اعتراض

ابوسعید سے روایت ہے۔لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اَوْ غَيْرِهَا۔[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔فَاتحہ بِخصوصیۃ فرض نہیں۔ جب فاتحہ فرض نہ ہوئی تو اس کا امام کے پیچھے پڑھنا کیسے ضروری ہوگا۔

پہلا جواب۔ نَيْلُ الْأَوْطَارِ میں لکھا ہے۔ابن سید الناس کہتے تھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ لفظ کہاں سے آیا۔

دوسرا جواب۔ نَيْلُ الْأَوْطَارِ میں ہے۔ابوسعید سے جیسے ابوداؤد میں ہے۔ابوسعید کہتے تھے ہم حکم دیئے گئے اس بات کا کہ پڑھیں فاتحۃ الکتاب اور مَا تَيَسَّرَ اور اسناد اس کا صحیح ہے اور رُواۃ اس کے ثِقات ہیں۔

---

[1] نفی سے استثناء کرنے کے متعلق جمہور اس طرف گئے ہیں کہ یہ ثابت ہے اور حنفیوں کا موقف ہے کہ یہ استثناء ثابت نہیں ہے۔(ارشاد الفحول، المقصد الرابع فی الأوامر والنواهی والعموم، الفصل الرابع فی الخاص والتخصیص والخصوص، المسألة التاسعة: الاستثناء من النفي والخلاف فيه)

[2] میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔

[3] اسے (اپنے دل میں) پڑھ لو۔ (القراءة خلف الإمام للبخاری)

[4] سورہ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ پڑھے؛ بغیر نماز نہیں۔

دسواں اعتراض

احمد اور ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا اس کو یہ کہ نکل کر پکار دے لَاصَلٰوۃَ اِلَّابِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ۔[1] یہاں زیادت کا حکم ہے پس صرف فاتحہ پڑھنے والوں پر الزام ہے۔

جواب ا۔ ابوداؤد کے طریق میں جعفر بن میمون ہے۔نسائی نے کہا لَیْسَ بِثِقَۃٍ۔[2] احمد نے کہا لَیْسَ بِقَوِیٍّ[3] ابن عدی نے کہا یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ فِی الضُّعَفَآءِ[4] اور عبادہ کی شاہد حدیث جو مسلم اور ابوداؤد اور ابن حبّان میں ہے۔ بخاری نے جزء القراءۃ میں اس کو معلول کہا ہے۔

جواب ۲۔ مانا کہ فَصَاعِدًا والی حدیث صحیح ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ دفع تو ہم کے واسطے ہے کوئی سمجھ نہ لے کہ حکم قراءت فاتحہ ہی پر محصور ہے۔امام بخاری نے جزء القراءت میں کہا ہے قولہ فَصَاعِدًا نَظِیْرُ قَوْلِہٖ تُقْطَعُ الْیَدُ فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا ۔[5]

---

[1] سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز نہیں اور جو (اس سے) زیادہ ہے (اس کے بغیر بھی نہیں۔) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)

[2] وہ ثقہ نہیں۔

[3] وہ (روایت میں) مضبوط نہیں۔

[4] اس کی روایات ضعیف راویان میں درج کی جاتی ہیں۔

[5] (سورۂ فاتحہ سے) کچھ زائد (پڑھنے کے حکم) کی طرح یہ قول بھی ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے کچھ زائد (چُرانے) پر (بھی) ہاتھ کاٹا جائے۔(نيل الأوطار، كتاب اللباس، أبواب صفة الصلاة، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ)

جواب ۳۔ زیادت علی الفاتحہ کی فرضیت جناب عمرؓ اور ابن عمرؓ اور عثمان بن ابی العاص کا مذہب ہے۔ آپ کے نزدیک قول صحابی حجت ہے۔ پس یہ حدیث مع آثار آپ پر الزام ہے۔

جواب ۴۔ وہ حدیثیں جن سے بخصوصیت مقتدی پر قراءت فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں صرف فاتحۃ الکتاب ہی کا ذکر ہے۔ مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کا ذکر نہیں۔ پس ہم مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کا حکم امام اور منفرد کے واسطے اگر سمجھ لیں اور احادیث مثبتہ صرف فاتحہ باعث تخصیص مان لیں تو آپ کا کوئی الزام ہم پر عائد نہیں ہوسکتا۔

جواب ۵۔ ہم کہتے ہیں۔ مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کا پڑھنا بالکل ممنوع نہیں۔

گیارہواں اعتراض

قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ پر صحابہ کا اجماع ہے اور فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا اس اجماع کے خلاف ہے۔

جواب اوّل۔ اگر یہ اجماع ہوتا تو شافعی جیسا صاحب مذہب اس اجماع پر مطلع نہ ہوتا۔

جواب دوم۔ صحابہ اور تابعین سے قراءت خلف الامام احسن وجوہ سے ثابت ہے پس اجماع نہ ہوا۔

سنیے بخاری نے کہا ہے۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ نَضْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالَ: بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[1]

---

[1] مسدّد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: یحیٰی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عوام (بن حمزہ مازنی) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ابونضرہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: (امام کے پیچھے) سورۂ فاتحہ (پڑھو۔)

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

وَبِرِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُولُ: لَا يَرْكَعَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ ذَالِكَ[۱] (قَالَ الْبُخَارِيُّ :) قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : »إِذَا كَانَ الْإِمَامُ يَجْهَرُ فَلْيُبَادِرْ بِقِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ۔[۲] (قَالَ الْبُخَارِيُّ :) عَنْ أَبِي السَّائِبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَا يَقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ ، ثُمَّ هِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ ثَلَاثًا« قُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ: كَيْفَ أَصْنَعُ إِذَا كُنْتُ مَعَ الْإِمَامِ ؟ وَهُوَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ قَالَ: وَيْلَكَ يَا فَارِسِيُّ، اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: »قُسِمَتِ الصَّلَاةُ۔[۳] وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: عَنِ

---

[۱] اورایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ہرمز سے مروی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تم میں سے کوئی رکوع نہ کرے جب تک کہ وہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ (امام بخاریؒ نے) کہا: اور حضرت عائشہؓ بھی ایسا ہی فرماتی تھیں۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[۲] (امام بخاریؒ نے کہا:) عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ ابن جریج نے عطاء سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب امام قراءت بالجہر کرے تو اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) جلدی جلدی پڑھنی چاہیئے۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[۳] (امام بخاریؒ نے کہا:) ابوسائب سے روایت ہے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اور اس میں اُمّ الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو وہ (نماز) ناقص ہے، پھر (فرمایا) وہ (نماز) ناقص ہے۔ تین بار فرمایا کہ وہ نامکمل ہے۔ میں نے کہا: ابوہریرہؓ! جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ قراءت بالجہر کر رہا ہو تو (اس پر عمل) کیسے کروں؟ انہوں نے کہا: اے فارسی! تجھ پر افسوس، اسے اپنے دل میں پڑھ لیا کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نماز (میرے اور بندے کے درمیان) تقسیم کی گئی ہے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِثْلَهُ.[1] قَالَ الْبُخَارِيُّ: عَنْ أَبِي الْمُغِيرَةِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ.... عَنْ أَبِي سِنَانٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهُذَيْلِ قَالَ: قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ: نَعَمْ.[2] قَالَ الْبُخَارِيُّ: عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ وَيُحِبُّ أَنْ يُقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.[3] وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: عَنْ أَبِي مَرْيَمَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ »يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ.[4] وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: عَنْ سُفْيَانَ وَقَالَ حُذَيْفَةُ: يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ.[5] حَدَّثَنَا أَبُو نَضْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالَ: فَاتِحَةَ

---

[1] امام بخاریؒ نے کہا: علاء بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایسی ہی روایت کی۔

[2] (امام بخاریؒ نے کہا:) ابومغیرہ سے روایت ہے، انہوں نے حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھا کرتے تھے۔ (نیز) ابوسنان عبداللہ بن ہذیل سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے پوچھا: کیا میں امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھوں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔
(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[3] (امام بخاریؒ نے کہا:) ابن ابی رافع سے روایت ہے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ حکم دیتے تھے اور پسند فرماتے تھے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورۃ پڑھی جائے اور دوسری دو رکعتوں میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[4] (اور امام بخاریؒ نے کہا:) ابومریم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[5] (اور امام بخاریؒ نے کہا:) سفیان سے روایت ہے اور حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ وہ امام کے پیچھے پڑھے۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

الْكِتَابِ۔[۱] وَعَنْ مُجَاهِدٍ إِذَا نَسِيَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ لَا تُعَدُّ تِلْكَ الرَّكْعَةُ۔[۲] (وَقَالَ الْبُخَارِيُّ:) عَنْ مُجَاهِدٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو »يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ۔[۳] وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[۴] وعَنْ .... .عَبْدِ اللهِ بْنِ زُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: »مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثُمَّ هِيَ خِدَاجٌ«۔[۵] وعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَقْرَؤُونَ خَلْفِي؟ قَالُوا: نَعَمْ إِنَّا لَنَهُذُّ هَذًّا

---

[۱] ابونضرہ نے ہمیں بتایا۔انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: (امام کے پیچھے) سورۂ فاتحہ (پڑھو۔)

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۲] مجاہد سے روایت ہے کہ جب کوئی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو وہ رکعت شمار نہیں ہوتی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۳] (اور امام بخاریؒ نے کہا:) مجاہد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۴] حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۵] یحیٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے، انہوں نے اپنے والد (عباد) سے، ان کے والد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو وہ (نماز) ناقص ہے، وہ (نماز) نامکمل ہے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔[1] وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً جَهَرَ فِيهَا فَقَرَأَ خَلْفَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: »لَا يَقْرَأَنَّ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ[2] وَكَانَ عُبَادَةُ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَأَبُو نُعَيْمٍ يَجْهَرُ۔[3] قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَقَالَ ابْنُ خُثَيْمٍ: قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ: " أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ قِرَاءَتَهُ۔[4] قَالَ الْبُخَارِيُّ قَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ جَوَّابٍ التَّيْمِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ: سَأَلْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَإِنْ قَرَأْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينِ قَالَ: وَإِنْ قَرَأْتُ۔[5]

---

[1] عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں، ہم جلدی جلدی کر لیتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا: ام القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے سوا ایسا نہ کیا کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[2] اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، جس میں آپؐ نے قراءت بالجہر کی تو ایک شخص نے آپؐ کے پیچھے قراءت کی۔پھر آپؐ نے فرمایا: جب امام قراءت کر رہا ہو تو تم میں سے کوئی (بھی) قراءت نہ کرے سوائے اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[3] اور حضرت عبادہؓ امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھ رہے تھے جبکہ ابو نعیم (امامت کرواتے ہوئے) قراءت بالجہر کر رہے تھے۔

[4] (امام بخاریؒ نے بتایا کہ) اور ابن خثیم نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا: کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اگرچہ تم اس کی قراءت (بھی) سن رہے ہو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[5] امام بخاریؒ نے بتایا کہ اور محمد بن یوسف نے ہمیں کہا کہ سفیان نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے سلیمان شیبانی سے، سلیمان نے جوّاب تیمی سے، انہوں نے یزید بن شریک سے روایت کی۔انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے پوچھا: کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔میں نے عرض کیا: یا امیر المومنین! اگر آپ قراءت کر رہے ہوں تو بھی؟ انہوں نے کہا: خواہ میں بھی قراءت کر رہا ہوں۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

قَالَ الْبُخَارِيُّ قَالَ مُجَاهِدٌ: إِذَا لَمْ يَقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَكَذَالِكَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ۔[1]

مولوی صاحب سنئے۔ اس قدر اثار ایک ہی کتاب سے نقل کر دیئے۔ صحابہ اور تابعین کے آثار میں امام آئمۃ المسلمین من الفقھاء و المحدثین کا ایک اور پیارا قول نقل کرنے کو جی چاہتا ہے وہ بھی سن لیجیے۔ بخاری صاحب فرماتے ہیں ۔وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ. قُلْتُ: وَإِنْ قَرَأْتَ، قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ قَرَأْتُ. وَكَذَالِكَ قَالَ قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَحُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ وَعُبَادَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَعِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ ذَالِكَ. وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: كَانَ رِجَالٌ أَئِمَّةٌ يَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَقَالَ أَبُو مَرْيَمَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنْصِتْ لِلْإِمَامِ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: »دَلَّ أَنَّ هٰذَا فِي الْجَهْرِ، وَإِنَّمَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا سَكَتَ الْإِمَامُ۔

وَقَالَ الْحَسَنُ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَمَيْمُونُ بْنُ مِهْرَانَ، وَمَا لَاأُحْصَى مِنَ التَّابِعِيْنَ، وَأَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّهُ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَإِنْ جَهَرَ،

وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَأْمُرُ بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ « وَقَالَ خَلَّالٌ: حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي الْمُغِيْرَةِ، قَالَ: سَأَلْتُ حَمَّادًا عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الْأُوْلٰى

---

[1] (امام بخاریؒ نے کہا:) مجاہد نے بتایا کہ جب کوئی امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھے تو نماز کو دُہرائے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ایسا ہی کہا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

وَالْعَصْرِ، فَقَالَ: كَانَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَقْرَأُ فَقُلْتُ: أَيُّ ذَالِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ فَقَالَ: أَنْ تَقْرَأَ "۔ انتھی۔[1] یہاں مَالَا اُحْصٰی مِنَ التَّابِعِیْنَ وَ اَهْلِ الْعِلْمِ اور اپنے اجماع کا موازنہ فرمایئے اور آیت شریفہ اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ اور اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ کا اس وقت تدبر کیجیے۔ آپ کے صاحبِ کافی کا قول بھی ان آثار سے کذب بحث ثابت ہو گیا۔ جس میں وہ فرماتے ہیں۔ مِنْهُمُ الْمُرْتَضٰیؓ ۔ کیونکہ مرتضیٰؓ کا خلف الامام قراءت پڑھنا ثابت ہے۔

مولوی صاحب۔ آپ کے بھائی بندوں نے منع آثار کے اکٹھے کرنے میں بڑا زور مارا ہے۔ آپ کو محدّثین اور فقہا کے بیان کئے ہوئے آثار میں جستجو کرنے کی سبکدوشی کے واسطے فقیر ہی عرض کرتا ہے۔

---

[1] اور حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا: امام کے پیچھے (بھی) قراءت کرو۔ (راوی نے کہا:) میں نے عرض کیا: اور اگر آپؓ قراءت کر رہے ہوں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں اگر میں بھی قراءت کر رہا ہوں۔ اور حضرت اُبَیّ بن کعب، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کہا۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ سے بھی ایسا ہی بیان کیا جاتا ہے۔ اور قاسم بن محمد نے کہا: بہت سے لوگ جو ائمہ تھے وہ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے۔ اور ابومریم نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔ اور ابووائل نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا: امام کی خاطر خاموشی اختیار کرو۔ اور ابن مبارک نے کہا: یہ بات جہری نمازوں پر اطلاق پاتی ہے۔ اور جن میں امام خاموش ہو، صرف انہی میں امام کے پیچھے قراءت کی جائے۔ اور حسن (بصری)، سعید بن جبیر، میمون بن مہران اور بے شمار تابعین اور اہل علم نے کہا: (مقتدی) امام کے پیچھے قراءت کرے خواہ وہ جہراً پڑھ رہا ہو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام کے پیچھے قراءت کا حکم دیا کرتی تھی۔ اور خلال نے کہا کہ حنظلہ بن ابی مغیرہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حماد سے پہلی نماز اور عصر کی نماز میں قراءت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: سعید بن جبیر پڑھا کرتے تھے۔ پھر میں نے پوچھا: آپ کو کیا طریق پسند ہے؟ انہوں نے کہا: تیرا پڑھنا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

پہلا۔ بخاری نے ابوسلمہ سے یُرْوٰی کے لفظ سے بیان کیا۔ صَلّٰی عُمَرُ[۲] وَلَمْ يَقْرَأْ فَلَمْ يَعُدْهُ.[۱] دارقطنی[۲] نے اور بخاری نے علی مرتضیٰؓ سے روایت کیا مختار ابن عبداللہ ابولیلیٰ کے واسطے سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے علی مرتضیٰؓ سے۔ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ اور ابن ابی شیبۃ نے جابرؓ[۳] سے قَالَ لَا يُقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ، لَا إِنْ جَهَرَ وَلَا إِنْ أَسَرَّ، مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ، قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔[۲]

[۴]۔ عبدبن حمید اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابوشیخ نے جیسے سیوطی نے۔ درِّ منثور میں ہے کہا ہے۔ ابن مسعود نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھی۔ فَسَمِعَ نَاسًا يَقْرَؤُوْنَ خَلْفَهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: أما آن لكم أن تفهموا أما آن لكم أن تعقلوا {وَإِذا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا} كَمَا أَمَرَكُمُ اللهُ۔[۳] ابن عمرؓ[۵] سے مالک نے مؤطا میں کہا عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور قراءت نہیں کی۔ پھر آپؓ نے اس (نماز) کو نہیں دُہرایا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ، صفحه ۵۸)

۲۔ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے فطرت کی خلاف ورزی کی۔ ابن ابی شیبہ نے جابر سے کہا۔ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے، اگر وہ (نماز) جہراً پڑھے تو بھی نہیں اور اگر وہ سرًّا پڑھے تو بھی نہیں۔ جس (شخص) نے ایک رکعت (ایسے) پڑھی کہ اُس میں اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو اُس نے نماز ہی نہیں پڑھی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام ترمذیؒ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ صفحه ۱۳)

(سنن الدار قطني ، كتاب الصلاة، بَابُ ذِكْرِ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ)

۳۔ پھر انہوں نے کچھ لوگوں کو اپنے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔ جب وہ (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم پر (ابھی) وقت نہیں آیا کہ سمجھو، کیا تم پر (ابھی) وقت نہیں آیا کہ عقل سے کام لو۔ یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموشی اختیار کرو۔

(الدرّ المنثور، تفسير سورة الأعراف، آیت: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا)

سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ مَعَ الإِمَامِ؟ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ مَعَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ.[1] وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَّ سَالِمًا قَالَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَنْصِتُ لِلْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ وَلَا يَقْرَأُ مَعَهُ.[2] (مؤطا کی تقیید اسی سے ہے) مؤطا محمد میں ابن عمر سے ہے مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ كَفَتْهُ قِرَائَتُهُ[3] اور ابن مسعود سے تَكْفِيْكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ[4] اور مؤطا میں ہے۔ امام محمد سے إِنْ تَرَكْتَ فَقَدْ تَرَكَهُ نَاسٌ يُقْتَدٰى بِهِمْ وَإِنْ قَرَأْتَ فَقَدْ قَرَأَهُ نَاسٌ يُقْتَدٰى بِهِمْ.[5] (اور زید بن ثابت سے ہے۔ بخاری نے کہا ہے۔ عمرو بن موسیٰ بن سعد نے زید بن ثابت سے روایت کیا مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ[6] اور مسلم میں ہے۔ عطا بن یسار سے اُس نے زید سے پوچھا امام کے ساتھ قراءت کا کیا حکم ہے۔ کہا لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ۔[7] اور عبداللہ بن عباس سے ابوحمزہ روایت کرتا ہے جیسے طحاوی نے بیان کیا۔ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ؟ فَقَالَ لَا.[8] اور طحاوی نے کثیر بن مُرّہ سے اس نے ابودرداء سے روایت

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب پوچھا جاتا کہ کیا کوئی امام کے ساتھ قراءت کرے؟ تو وہ کہتے: جب تم میں سے کوئی امام کے ساتھ نماز پڑھے تو امام کی قراءت اُس کے لیے کافی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ (امام کے ساتھ) قراءت نہیں کرتے تھے۔ (موطأ إمام مالك، ابواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة)

[2] اور عبدالرزاق نے کہا کہ سالم نے بتایا: حضرت ابن عمرؓ امام کی خاطر اُن (نمازوں) میں جن میں وہ قراءت بالجہر کرتا، خاموش رہتے تھے اور آپؓ اُس کے ساتھ قراءت نہیں کرتے تھے۔

[3] جس نے امام کے پیچھے پڑھی اس کی (امام کی) قراءت اس کے لئے کافی ہوگی۔

[4] امام کی قراءت تیرے لئے کافی ہے۔

[5] اگر تم نے (قراءت خلف الامام) چھوڑی تو ایسے لوگوں نے بھی اسے چھوڑا ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور اگر تو نے قراءت (خلف الامام) کی تو ایسے لوگوں نے بھی یہ قراءت کی ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے۔

(موطأ امام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، ابواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة)

[6] جس نے امام کے پیچھے قراءت کی تو اس کی نماز (ادا) نہیں ہوتی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ صفحه ١٤)

[7] امام کے ساتھ کچھ بھی قراءت کرنا درست نہیں۔ (مسلم، كتاب المساجد، باب سجود التلاوة)

[8] میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: کیا میں قراءت کروں جبکہ امام میرے آگے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

(شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام)

کیا۔ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ فِيْ كُلِّ الصَّلَاةِ قُرْآنٌ؟ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَجَبَتْ قَالَ وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ أَرٰى أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ فَقَدْ كَفَاهُمْ۔[1] یہ آٹھ نو آثار ہیں جو اس مسئلہ میں زیادہ تر مشہور ہیں۔ وعید کے آثار ہم نے علیحدہ رکھے ہیں وہ اس کے بعد ذکر ہوں گے اگر بفرض محال اور آثار کا وجود ہم مان لیں گے تو ان آثار کے حالات اور جوابات پر ان کے حالات اور جوابات کو قیاس کر لینا۔

[1] پہلا اثر جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ بخاری نے کہا ہے وَيُرْوَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَهُوَ مُنْقَطِعٌ لَا يُثْبَتُ وَيُرْوَى عَنِ الْأَشْعَرِيِّ عَنْ عُمَرَ أَنَّهٗ أَعَادَ۔[2] اور علی[2] مرتضیٰ کا اثر دار قطنی نے بیان کیا اور زیلعی حنفی نے کہا ہے رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ ... وَقَالَ (الدَّارَقُطْنِيُّ): لَا يَصِحُّ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانَ ... بَاطِلٌ وَيَكْفِيْ فِيْ بُطْلَانِهٖ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى خَلَافِهٖ ...... وَابْنُ أَبِي لَيْلٰى ... مَجْهُوْلٌ۔[3] اور امام بخاری نے فرمایا ہے اس کا راوی مختار معلوم نہیں ہوتا کون ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے اپنے باپ سے سنا یا نہ اور اس کے باپ نے علی مرتضیٰؓ سے سنا ہے یا

---

[1] کہ ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہر نماز میں قرآن (کی قراءت) ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یہ (قراءت تو) واجب ہوگئی۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت ابودرداءؓ نے کہا: میرا خیال ہے کہ امام جب لوگوں کی امامت کرواتا ہے تو (اُس کا پڑھنا) اُن کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔

(شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام)

[2] ابوسلمہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ (روایت) منقطع ہے ثابت نہیں ہوتی۔ اور اشعری کی حضرت عمرؓ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے (نماز) دُہرائی تھی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ، صفحه۵۸)

[3] ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اسے روایت کیا۔ اور دارقطنی نے کہا: اس کی سند صحیح نہیں۔ اور ابن حبّان نے کہا: (یہ سند) باطل ہے، اور اس کے خلاف مسلمانوں کا اِجماع ہونا ہی اس کے باطل ہونے پر کافی دلیل ہے۔ اور (عبداللہ) بن ابی لیلیٰ مجہول ہے۔ (نصب الراية، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة فتح القدير شرح الهداية لابن الهمام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

نہیں وَلَا يَحْتَجُّ أَهْلُ الْحَدِيثِ بِمِثْلِهِ ۔[1] پھر بخاری نے کہا ہے علی مرتضیٰؓ کا وہی اثر اوّل اور صحیح ہے جس کو زُہری نے ابن ابی رافع سے اور اس نے علی مرتضیٰؓ سے روایت کیا ہے۔ اَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ وَيُحِبُّ أَنْ يُقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ سُورَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔[2] اور جناب امیر کے اس اثر کی نسبت جس میں ابواسحاق نے حارث سے روایت کیا ہے ۔سُئِلَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَمَّنْ لَّمْ يَقْرَأْ، فَقَالَ: أَتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وَقُضِيَتْ صَلَاتُكَ ۔[3] گذارش ہے کہ بخاری نے کہا ہے شعبہ کہتا ہے ابواسحاق نے حارث سے کل چار ہی حدیثیں سنیں اور یہ ان میں نہیں اور یہ اثر حجت کے قابل نہیں انتہٰی ۔ترجمہ قول البخاری۔ جابرؓ کی اثر پر اوّل تو حنفیوں کو خود ہی کلام ہے اس لئے کہ فرضوں کی کل رکعتوں میں قراءت ضروری نہیں سمجھتے اور اثر میں ہر رکعت میں الحمد پڑھنے کا حکم ہے۔

دوم۔ جابر کا فعل خود مخالف ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں لکھا ہے۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا نَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[4] تیسرے بخاری نے روایت کیا ہے

---

[1] اور اہل حدیث اس جیسی روایت کو حجت نہیں بناتے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[2] کہ وہ حکم دیتے تھے اور پسند فرماتے تھے کہ ظہر اور عصر (کی نمازوں) میں امام کے پیچھے (پہلی دو رکعات میں) سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھی جائے اور دوسری دو (رکعات) میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے قراءت نہ کی، تو آپؓ نے فرمایا: رکوع اور سجدے کو پورا کرو، تمہاری نماز ادا ہو جائے گی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[4] حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ظہر اور عصر (کی نمازوں) میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور کوئی ایک سورت پڑھا کرتے تھے اور دوسری دو (رکعات) میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، باب القراءة خلف الإمام)

عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَوْلٰى جَابِرِ[۴] بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اقْرَأْ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ.[۱] اور ابن مسعود[۵] سے ثبوت قَرَءْتُ خَلْفَ الْإِمَامِ اوپر گذر چکا۔ اور ابن عمرو[۶] کی اثر کی نسبت (قَالَ الْبُخَارِيُّ) حَدَّثَنَا أَبُو الْعَالِيَةِ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ بِمَكَّةَ أَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: إِنِّي لَأَسْتَحْيِيْ مِنْ رَبِّ هٰذِهِ الْبِنْيَةِ أَنْ أُصَلِّيَ صَلَاةً لَا أَقْرَأُ فِيهَا وَلَوْ بِأُمِّ الْكِتَابِ۔[۲] وَعَنْ يَحْيٰى ... (سُئِلَ) ابْنُ عُمَرَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالَ: مَا كَانُوْا يَرَوْنَ بَأْسًا أَنْ يَّقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهٖ ۔[۳] اور زید[۷] بن ثابت کی اثر پر بخاری نے کہا ہے لَا يُعْرَفُ لِهٰذَا الْإِسْنَادِ سَمَاعَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ وَلَا يَصِحُّ مِثْلُهٗ۔[۴] ابودردا کی اثر پر خود ابودردا[۸] کا قول کافی ہے کہ وہ کہتا ہے أَرَىٰ اور اپنے خیال کو اپنی ہی طرف منسوب کر کے مرفوع نہیں کرتا اور اس کی أَرَىٰ کے مقابلہ میں عبادہ بن ثابت کا اثر سنئے محمود بن ربیع نے بیان کیا عبادہ سے سَأَلْتُهٗ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ الْقِرَاءَةَ قَالَ: أَرَىٰ يَعُوْدُ لِصَلَاتِهٖ وَ إِنْ ذَكَرَ ذٰلِكَ وَهُوَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَلَا أَرَىٰ إِلَّا أَنْ يَّعُوْدَ

---

[۱] زُہری سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ظہر اور عصر میں (امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ) پڑھا کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۲] (امام بخاریؒ نے کہا:) ابوالعالیہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے مکہ میں پوچھا: کیا میں نماز میں قراءت کروں؟ انہوں نے فرمایا: میں تو اس گھر کے ربّ سے حیا کرتا ہوں کہ میں کوئی نماز پڑھوں اور اس میں قراءت نہ کروں اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۳] اور یحیٰی .... سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ (یعنی صحابہ) اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[۴] اس سند کے راویوں کے ایک دوسرے سے سماع کا علم نہیں ہوتا۔ اور ایسی روایت صحیح نہیں ہوتی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

لِصَلَاتِهِ۔[۱] اب رہا عبد اللہ بن عباس کا اثر اس کے جواب میں بخاری صاحب فرماتے ہیں۔
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ: لَيْسَ أَحَدٌ بَعْدَ النَّبِيِّ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[۲] یہ حال آپ کے ان آثار کا ہے جن کے بھروسے آپ لوگوں نے نصوص صحیحہ مرفوعہ کو چھوڑا اور شروح وحواشی میں بڑے شدومد کے ساتھ ان سے استدلال پکڑا۔ ان کے ماوراء اگر آپ لوگ کچھ اور آثار ثابت کر دکھلائیں گے تو اس وقت آپ دیکھیں گے۔

دوسرا جواب یہ آثار جن سے آپ لوگ عمل بالحدیث والوں پر ملامت کی تلوار کھینچ رہے ہیں ایسے ہیں جیسے ان کا حال آپ کو عرض کیا۔ اب ان کے مقابلہ میں جو آثار ہم نے بیان کئے ہیں۔
جیسے اثر قراءت خلف الامام کا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبادہؓ اور ابو ہریرۃؓ عائشہؓ اور ابوسعیدؓ اور ابی بن کعبؓ اور حذیفہؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انصاف سے دیکھو اور مقابلہ کرو کون سے آثار کو ترجیح ہے۔

تیسرا جواب۔ آپ کے مفید مطلب آثار ثابت نہیں اگر مان لیں کہ ثابت ہیں تو آثار مثبتہ قراءت فاتحۃ الکتاب کے متعارض ہوں گے اور آثار معارضہ حجت نہیں۔ اپنا اصول کھول کر دیکھو۔

چوتھا جواب۔ اکثر ان آثار سے جن کو آپ لوگ بیان کرتے ہیں سوائے آثار وعید جن کا بیان آگے آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ منع نکلتے ہی نہیں بلکہ کفایت نکلتے ہیں اور وہ آپ کا مدعا نہیں۔

پانچواں جواب۔ مطلق آثار ہی کی حجت خیر منع میں ہے یہ مسئلہ نہ مبین اور مبرہن۔

چھٹا جواب۔ آثار صحابہ کرام مرفوع کے مقابلے حجت نہیں اور فاتحۃ الکتاب خلف الامام کا

---

[۱] کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس شخص کے متعلق پوچھا جو (نماز میں) قراءت کرنا بھول جائے۔ آپؐ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی نماز دُہرائے اور اگر اُسے دوسری رکعت میں ہوتے ہوئے یاد آجائے تو بھی میری یہی رائے ہے کہ وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري)

[۲] حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے قول کی وجہ سے کچھ اختیار کیا جائے اور چھوڑا جائے، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (قول کے سبب۔)

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

مسئلہ مرفوع حدیث سے فقیر ثابت کر چکا ہے۔

ساتواں جواب۔ اہل حدیث نے بفضل الٰہی۔ حدیث منع قراءت خلف الامام اور آیت شریفہ اَنْصِتُوْا اور آیت فَاقْرَءُوْا اور آثار کفایت بلکہ منع قراءت خلف الامام اور احادیث قراءت فاتحۃ الکتاب اور حدیث فَصَاعِدًا سب پر عمل کیا اور کرتے ہیں اور کریں گے ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ امام کے پیچھے بخوفِ منازعہ اور مخالجہ اور مخالطہ جہراً نہیں پڑھتے۔ فاتحۃ الکتاب آہستہ پڑھ کر چپ رہتے ہیں۔ سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں جانتے۔ اس میں امام کے پڑھنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ فاتحۃ الکتاب کے ساتھ منفرد ہوں یا امام ہوں تو سورۃ ضرور ملا لیتے ہیں مقتدی کو ملا لینا جائز سمجھتے دیکھو تو سب احکام الٰہیہ پر سر تسلیم کو جھکائے بیٹھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پھر یہ آثار سنا کر آپ سے عرض ہے کہ یہ حال آپ کے ان مسائل کا ہے جن میں آپ لوگ اجماع کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔

آٹھواں جواب۔ قَالَ الْبُخَارِيُّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُمْ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ إِلَى اللهِ وَإِلٰى مُحَمَّدٍ[1] برفرض محال۔ اگر ہم مان لیں کہ جو آثار آپ لوگ ذکر فرماتے ہیں صحیح ہیں اور جو آثار آپ کے خلاف ہیں وہ تو خود صحیح ہی ہیں ان میں کلام نہیں پس آثار میں حسب تسلیم اختلاف ہوا اب آپ اس اختلاف کو احکام الٰہیہ فَاقْرَؤُوا وَ مَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ۔ وغیرہ پر اور احادیث صحیح ثابتہ فی قراءت فاتحۃ الکتاب پیش کیجیے۔

نواں جواب۔ مولوی صاحب یہ اجماع کب ہوا کہاں ہوا۔ وہ نقل متواتر کہاں ہے جس سے ثابت ہوا آپ کا عینی، امام شافعی رحمہ اللہ کے عدم اطلاع پر دم بخود ہے اور کہتا ہے خبرِ واحد سے ثابت ہوا۔ سبحان اللہ کیا یہی اجماع آپ کے اصول میں حجت ہے۔ خدا سے ڈرو لوگوں کو ایسے

---

[1] (امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز میں بھی تم اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ اللہ اور محمد (ﷺ) سے ہوگا۔

بڑے بڑے لفظ سنا کر کیوں دھوکہ دیتے ہو۔

دسواں جواب۔ آپ نے اور آپ کے عینی نے ہدایہ شریف کے عیب ڈھانکنے کو خود ہی لکھ دیا ہے۔(سَمَّاهُ إِجْمَاعًا بِإِعْتِبَارِ الْأَكْثَرِ)[1] اس پر گذارش ہے کہ آیا اِجماعُ الْاَکْثَر اصول میں حجت ہے یا اِجماعُ الْکُل جو اجماع اصول فقہ میں بعد السنہ حجت مانا گیا ہے اور جس اجماع سے صاحب ہدایہ استدلال پکڑ رہے ہیں وہ حسب بیان آپ کے جمہوری اجماع ہے اور وہ حجت نہیں۔

گیارہواں جواب۔ تسلیم محال مانا کہ اجماع جمہوری بھی حجت ہے اِلّا کہتے ہیں ترمذی نے عبادہ کی حدیث میں وُجُوْبُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ میں فرمایا ہے۔ **وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ. اِنْتَهٰى**[2] اور امام بخاری نے جزء القرأۃ میں فرمایا۔ **وَمَالَا أُحْصٰى مِنَ التَّابِعِينَ وَأَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّهُ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَ إِنْ جَهَرَ.**[3]

تنبیہ۔ آپ لوگ عمل بالحدیث پر یہ اعتراض بھی فرمایا کرتے ہیں کہ احادیث میں بعض ایسے اطلاق کا ذکر ہے جو اصل میں مقید ہے۔ فقہا (مقلّدین خاص ایک امام اور اس کے شاگردوں نے) خوب مفصل بیان کر دیا اور مطلق کو جہاں مقید کرنا تھا وہاں مقید کر دیا۔ اب آپ کی تقریر سے ثابت ہو گیا کہ بعض فقہا کے مطلق بھی قابل تقلید ہیں جو روک عمل بالحدیث میں آپ بیان کرتے تھے وہ یہاں بھی پائی گئی۔

بارہواں جواب۔ جن صحابہ سے آپ نے ترک قراءت ثابت کیا ہے۔ ان سے فعل قرایت

---

[1] انہوں نے اکثریت کے اتفاق کرنے کی وجہ سے اسے اجماع کا نام دیا ہے۔
(البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

[2] امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا عمل اس حدیث کے مطابق ہے۔ (ترمذي، أبواب الصلاة، بَابُ مَا جَاءَ فِي القِرَاءَةِ خَلْفَ الإِمَامِ)

[3] اور بے شمار تابعین اور اہل علم (نے کہا ہے) کہ امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ کی) قراءت کرے، خواہ امام قراءت بالجہر کر رہا ہو۔ (القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

اور امر بالقراءت ہم نے ثابت کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ۔ اب آپ کو کافی کا یہ قول وَمِنْهُمُ الْمُرتَضٰی وَالْعَبَادِلَةُ (الثَّلَاثَةُ).[1] معلوم ہو گیا کہ کہاں تک سچ تھا۔ بات یہ ہے کہ بالکل غلط ہے۔

تیرہواں جواب۔ یہ آثار ثابت ہی نہیں۔

چودہواں جواب۔ بہت آثار کو جہر قراءت کے منع پر حمل کر سکتے ہیں اور وہ آثار جہر کے مانع ہیں۔ نہ سر کے۔

پندرہواں جواب۔ اگر مرفوع کے تعارض میں کہو مرفوع کلام سے محفوظ نہیں اوّل تو یہ کہنا صحیح نہیں اگر مان لیں تو یہ آثار اور آپ کے اور دلائل بھی کلام سے محفوظ نہیں۔ اوّل تو یہ کہنا صحیح نہیں اگر مان لیں تو یہ آثار اور آپ کے اور دلائل بھی کلام سے محفوظ نہیں۔ اگر کہو یہ حکماً مرفوع ہیں تو گذارش ہے کہ آثار مخالفہ ان آثار کے بھی حکماً مرفوع نہیں۔ دویم۔ حکمی مرفوع حقیقی مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ علاوہ بریں ابودرداء کے اثر میں تم نے دیکھ لیا کہ وہ کہتا ہے (اَرٰی جب اَرٰی کا لفظ کہہ کر صحابہ اظہار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے اپنے قول ہیں مرفوع نہیں پھر آپ کیسے مرفوع کہہ دیتے ہیں)

سولہواں جواب۔ جس حالت میں جمع ممکن پھر تعارض ہی کہاں رہا۔

فائدہ

عینی نے بنایہ میں جو کچھ فرمایا اس پر گذاش ہے۔

عینی نے ہدایۃ کے اس قول کے نیچے عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.[2] عبادہ اور ابوہریرہ وغیرہ کا اختلاف دیکھ کر کہا۔ (قَالَ الْعَيْنِيُّ) قُلْتُ سَمَّاهُ إِجْمَاعًا

---

[1] (حضرت علی) مرتضیٰؓ اور عبداللہ نامی تین (صحابہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) ان میں سے ہیں۔

[2] اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔

بِاعْتِبَارِ ... الْأَكْثَرِ، فَإِنَّهُ يُسَمّٰى إِجْمَاعًا عِنْدَنَا۔[1] ترجمہ مصنف نے باعتبار اکثر اجماع کہا اور جمہوری اجماع کو ہمارے یہاں اجماع کہتے ہیں۔

پہلا جواب۔ فقیر عرض کرتا ہے۔اس مقام پر عینی کو مناسب تھا فِیْ کُتُبِ الْفِقْهِ اَیْضًا کا لفظ زیادہ کر دیتے تو کہ ان کا کہنا بھی سچا ہو جاتا اور حق بھی ظاہر ہو جاتا۔ کیونکہ جس جمہوری اجماع کو کتب فقہ میں اجماع کہا ہے وہ حجت نہیں اور جس اجماع کو قائلین حجیت اجماع نے حجت کہا ہے وہ اجماع الکل ہے جمہور اجماع نہیں۔

دوسرا جواب۔ عینی کا فرمانا باعتبار الاکثر کل صحابہ کرام کے لحاظ سے ہے یا مختلفین فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب و القراءۃ کے اعتبار سے شق اوّل صریح البطلان ہے اگر کچھ بھی اس شق کی راستی کا گمان ہو تو حنفی کل صحابہ کی تعداد بیان کریں اور پھر ان میں اکثر سے قول ترك القراءت ثابت کریں وَ اَنّٰی لَهُمْ۔

اگر مختلفین کے لحاظ سے ہے تو بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جس قدر ترکِ قراءت کے آثار مسندہ حنفیہ میں موجود ہیں ان کی روایت کی تعداد مجوّزین قراءت کی تعداد سے زیادہ نہیں اور اگر آثارِ صحیحہ کو دیکھیں تو تابعین کی تعداد مجوّزین اور آخرین کے سامنے برائے نام بھی نہیں۔ تارکین قراءت کے اقوال کا مسند ثابت نہ ہونا پھر ان کا منع قراءت پر علی العموم دَالّ نہ ہونا فقیر ظاہر کر چکا ہے۔جن کے آثار ترکِ قراءت پر لاتے ہیں۔ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن سے قراءت ثابت ہے۔فقیر نے موازنہ کر کے دکھلایا۔عینی یا عینی کا کوئی حمائتی مقابلہ میں اہلِ حدیث کے اُن آثار کا موازنہ کر کے دیکھے اور دکھلائے۔

تیسرا جواب۔ عینی یا ان کا حمایتی معتمد سند سے ثابت کر دے کہ عشرہ مبشرہ اور ابن عمرؓ ابن مسعودؓ ابن عباس اور ستّر بدری در کنار سات ہی بدریوں نے قراءت فاتحۃ الکتاب کو سرًّا بھی بعد حکم

---

[1] (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام، جزء۲ صفحہ ۳۱۷)

فاتحۃ الکتاب منع کیا ہو یا عام ممانعت ان سے ثابت کر دے۔

اور بخاری صاحب کا یہ قول اس وقت مدنظر رہے۔ بخاری نے جزء القراءت میں کہا ہے۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ. قُلْتُ: وَإِنْ قَرَأْتَ، قَالَ: وَإِنْ قَرَأْتُ. وَ كَذَالِكَ قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَحُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ وَعُبَادَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَعِدَّةٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ ذَالِكَ، وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ يَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ الْإِمَامِ. وَقَالَ أَبُوْ مَرْيَمَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ. وَقَالَ أَبُوْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنْصِتْ لِلْإِمَامِ. وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: دَلَّ عَلٰى أَنَّ هٰذَا فِي الْجَهْرِ، وَ إِنَّمَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا سَكَتَ الْإِمَامُ. وَقَالَ الْحَسَنُ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَمَيْمُونُ بْنُ مِهْرَانَ وَمَالَا أُحْصٰى مِنَ التَّابِعِينَ وَأَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّهُ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَ إِنْ جَهَرَ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَأْمُرُ بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ۔[1]

---

[1] حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: امام کے پیچھے (بھی) قراءت کرو۔ (راوی کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا: اگر آپؓ قراءت کر رہے ہوں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں اگر چہ میں بھی قراءت کر رہا ہوں۔ اور حضرت اُبَیّ بن کعب، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کہا۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ سے بھی ایسا ہی بیان کیا جاتا ہے۔ اور قاسم بن محمد نے کہا: بہت سے لوگ جو ائمہ تھے وہ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے۔ اور ابومریم نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔ اور ابووائل نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا: امام کی خاطر خاموشی اختیار کرو۔ اور ابن مبارک نے کہا: یہ بات جہری نمازوں پر اطلاق پاتی ہے۔ اور جن میں امام خاموش ہو، صرف انہی میں امام کے پیچھے قراءت کی جائے۔ اور حسن (بصری)، سعید بن جبیر، میمون بن مہران اور بے شمار تابعین اور اہل علم نے کہا: (مقتدی) امام کے پیچھے قراءت کرے خواہ وہ قراءت بالجہر کر رہا ہو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام کے پیچھے قراءت کا حکم دیا کرتی تھیں۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

(وَقَالَ) كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَعُرْوَةُ وَالشَّعْبِيُّ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَنَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ وَأَبُو الْمَلِيحِ وَالْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَأَبُو مِجْلَزٍ وَمَكْحُولٌ وَمَالِكُ بْنُ عَوْنٍ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ يَرَوْنَ الْقِرَاءَةَ. وَكَانَ أَنَسٌ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيُّ يُسَبِّحَانِ خَلْفَ الْإِمَامِ. وَرَوَىٰ سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَوْلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اقْرَأْ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَرَوَى سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ، وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ مِثْلَهُ. اِنْتَهٰى۔[1]

(قَالَ الْعَيْنِيُّ) رُوِيَ مَنْعُ الْقِرَاءَةِ... عَنْ ثَمَانِينَ (إِلَى قَوْلِهِ) بِمَنْزِلَةِ الْإِجْمَاعِ۔[2]

فقیر عرض کرتا ہے۔ اوّل وہ آثار اور روایتیں کہاں ہیں۔ کن سے مروی ہیں۔ آثار کی کون سی کتابوں میں ہیں۔ دوئم اَلْقِرَاءَة معرفہ ہے عام نہیں پس ہوسکتا ہے کہ اَلْقِرَاءَة سے وہی قِرَاءَة جَهْرًا یا منازعہ اور مخالطہ اور مخالجہ والی قراءت مراد ہو۔وَ إِذَا جَاءَ الِاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَالُ. (قَالَ الْعَيْنِيُّ) ذَكَرَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَعْقُوبَ الْحَارِثِيُّ السندیوتی۔[3]

---

[1] (اور امام بخاریؒ نے کہا:) سعید بن مسیب، عروہ، شعبی، عبید اللہ بن عبد اللہ، نافع بن جبیر، ابوملیح، قاسم بن محمد، ابومجلز، مکحول، مالک بن عون اور سعید بن ابی عروبہ قراءت (خلف الامام) کرنے کی رائے رکھتے تھے۔ اور حضرت انسؓ اور حضرت عبد اللہ بن یزید انصاریؓ امام کے پیچھے سبحان اللہ کیا کرتے تھے۔ اور سفیان بن حسین سے روایت ہے، انہوں نے زُہری سے، زُہری نے حضرت جابر بن عبد اللہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا) کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھا کرو۔ نیز سفیان بن حسین سے روایت ہے اور ابن زبیر نے بھی اسی طرح کہا۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[2] (علامہ عینی نے کہا: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ) پڑھنے کی مناہی اَسی (80) افراد سے روایت کی گئی ہے۔ (ان کے اس قول تک) کہ یہ بمنزلہ اجماع ہے۔ (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

[3] جب کوئی شک پیدا ہوجائے تو استدلال باطل ہوجاتا ہے۔ (علامہ عینیؒ نے کہا:) شیخ امام عبد اللہ بن یعقوب حارثی سندیوتی نے ذکر کیا ہے۔ (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

فقیر کہتا ہے ۔ عینی خطبہ کتاب میں فرما چکے ہیں ۔ ان بعضهم ذكر فی معرض الاستدلال فی الفصول اخبارًا ليس لها اصل فی الاصول و هل هذا الا كذب على الرسول صلى الله عليه و سلم و قد روينا من طريق البخاری وغيره عن انس رضی اللہ عنہ قال قال النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. ثم قال هذا حديث متواتر مقطوع به رواه مائتان من الصحابه انتهى۔[1] اور یہاں اگر تقلید نے سب کچھ بھلا دیا عینی یا ان کے حمائتی فرماویں یہاں میں نے خود ہی بعض کا طرز اختیار کیا جس پر اعتراض کیا تھا۔

اس سند یوتی کے اخبار کا اصول میں کہاں اثر ہے۔سند یوتی تو محدثین کے نزدیک بڑا مجروہ شخص ہے۔سند یوتی کی یہ روایت کذب بحت ہے۔دیکھو آثار میں بخاری کے اقول جناب عمر اور مرتضیٰ اور عبادۃ، ابن عمر، ابن مسعود، ابن الزبیر سے قراءت خلف الامام کیسے ثابت ہے۔

علاوہ بریں اَلْقِرَاءَ ۃُ یہاں بھی معرفہ ہے۔سند لیوتی کے ثقاہت رجال جرح و تعدیل سے ثابت کیجیے اور اس کی روایت کا مخرج بتایئے اور اس کی سند بیان کیجیے تو کہ اس پر غور کا موقع ملے۔

(قَالَ الْعَيْنِيُّ:) ثَبَتَ (الْإِجْمَاعُ) بِنَقْلِ الْآحَادِ۔[2]

فقیر عرض کرتا ہے۔عینیؒ شافعیؒ اور عمرؓ و مرتضیٰؓ اور ابوہریرہؓ، عبادہؓ وغیرہ رضوان اللہ علیہم کا

---

[1] ''الفصول'' میں بعض نے استدلال کرتے ہوئے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن کی اصول میں کچھ بھی حقیقت نہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر محض کذب بیانی ہے۔اور ہم نے امام بخاریؒ وغیرہ کے واسطے سے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے۔انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ارادۃً مجھ پر جھوٹ باندھا تو چاہیئے کہ وہ آگ میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔پھر انہوں نے کہا: یہ حدیث متواترِ قطعی ہے۔اسے دوسو صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔

[2] یہ اجماع آحاد روایات کے نقل کرنے سے ثابت ہوا ہے۔(البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب فی صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام، جزء٢ صفحه٣١٨)

خلاف اجماع میں دیکھ کر دَرپئے تاویل ہوئے اور یہ نہ سوچا۔ مسئلہ کو ہدایہ والہ اجماع سے ثابت کر رہا تھا۔ اوّل تو اجماع اجماع الکل نہیں جو حجت ہے۔ پھر اجماع جمہور لیا جو حجت نہیں۔ آخر میں ایسے گرے کہ اس جمہوری اجماع کا اثبات خبرِ واحد سے کرنے لگے۔ انصاف بالائے طاق رکھ دیا حضرت جب اس اجماع کا مدار خبرِ احاد پر ہو گیا۔ تو اب بھی یہ اجماع وہی اجماع رہا جو حجت ہے اور رفع نزاع کو کافی ہو گیا۔ اگر کہو یہ معاضد بالنصوص ہے تو یاد رہے اس کا خلاف بھی معاضد بالنصوص۔

قَالَ الْعَيْنِيُّ ثَبَتَ نَهْيُ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ [1]

فقیر عرض رساں ہے۔ کہاں اور کب اور کس کے پاس۔ اس نہی کو بیان کیجیے اور اس کا نشان دیجیے اور اس کو اپنے مطلب پر صحیح صریح مَقْطُوْعُ الدَّلَالَة کر دکھائیے۔ (قَالَ) فَإِنْ قُلْتَ: قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ مُعَارِضٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاقْرَءُوْا (المزّمل:۲۱) فَلَا يَجُوْزُ تَرْكُهٗ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ، قُلْتُ جَعَلَ الْمُقْتَدِي قَارِئًا (حُكْمًا)۔ [2]

فقیر سبحان اللہ یہاں قراءت حکمی مان لی اگر آیت شریفہ میں قراءت حکمی ہے تو حقیقةً قراءت مراد نہ ہوگی اور یہ بات آپ کے نزدیک کیا دنیا کے مسلمانوں میں مسلّم نہیں۔ شاید حقیقت مجاز کی جمع یہاں ضرورتاً آپ نے جائز کر لی۔ گھر کے اصولوں کا یہی حال ہے۔ جب چاہا انکار کر دیا جب چاہا مان لیا۔

(قَالَ) قُلْتُ: لَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْأَحَادِيْثِ بَيَانُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ،

---

[1] (علّامہ عینیؒ نے کہا:) عشرہ مبشرہ کی (اس امر میں) مناہی ثابت ہے۔

[2] (علامہ عینیؒ نے کہا:) اگر تم کہو کہ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (یعنی امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے) اللہ تعالیٰ کے قول فَاقْرَءُوْا (یعنی پس تم پڑھو) کے خلاف ہے اور خبر واحد سے اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ (اللہ تعالیٰ نے) مقتدی کو حُکْمًا قاری بنا دیا ہے۔

(البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

وَالْفرق بَين الْإِسْرَار والجهر لَا يَصِحُّ۔[۱]

فقیر۔ مسلم[۲] کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی اور ابوداؤد' ترمذی' نسائی' دارقطنی کی عبادۃ والی حدیث جس کے حق میں دارقطنی کہہ چکا کُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔[۳] وغیرہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ آپ دیکھیے آپ کو لَيْسَ فِيْ شَيْءٍ کی راستی یا تقلید جیسے تا بینا کرنے والی چیز کی برائی معلوم ہو جاوے اور یہ بھی معلوم ہو کہ جہر و اسرار میں فرق یہی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ هٰذِهِ الْحَمِيَّةِ۔

(قَالَ) تَرَجَحُ مَا قُلْنَا، لِأَنَّهُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِ الْعَامَّةِ وَظَاهِرِ الْكِتَابِ وَالْأَحَادِيْثِ الْمَشْهُوْرَةِ۔[۴]

فقیر عامہ سے صحابہ مراد ہیں یا تابعین یا عام حنفی لوگ اگر صحابہ اور تابعین مراد ہیں تو غلط ہے۔ كَمَا ذَكَرْنَا مِرَارًا۔[۵] اور اگر تیسری شق مراد ہے تو وہ ہم کو مضر نہیں۔ ظاہر کتاب کا حال یہ ہے کہ آپ نے فَاقْرَؤُوْا والی قراءت کو حکمی قراءت مانا۔ کیا یہی ظہورِ کتاب ہے اور لفظ احادیث مشہورہ کی نسبت گزارش ہے۔ آپ بُرا نہ مانیں یہی عینی ہیں۔ بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ میں حدیث

۱۔ (علّامہ عینیؒ نے کہا:) میں کہتا ہوں احادیث میں ایسا کچھ بھی بیان نہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا تعلق جہری نمازوں سے ہے اور (اس معاملہ میں) خفی اور جہری کا فرق کرنا درست نہیں ہے۔

(البناية شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

۲۔ یہ وہی مسلم ہے جس کو آپ جبل من جبال ائمة الحديث کہہ چکے ہیں۔

۳۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(سنن الدار قطنى، كتاب الصلاة، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ أُمِّ الْكِتَابِ فِي الصَّلَاةِ وَخَلْفَ الْإِمَامِ)

۴۔ (علامہ عینیؒ نے کہا:) ہماری بات کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ یہ عامۃُ النّاس کے قول کے مطابق ہے اور کتاب اللہ اور احادیثِ مشہورہ کا واضح بیان ہے۔ (البناية شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

۵۔ جیسا کہ ہم نے متعدد بار ذکر کیا ہے۔

لَاصَلوٰ ةَ کی نسبت کہہ چکے ہیں یہ حدیث مشہور نہیں۔اور عدم شہرت کی وجہ میں فرمایا اَلْمَشْهُوْرُ مَا تَلَقَّاهُ التَّابِعُوْنُ۔[1] اور تابعین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے پس حدیث مشہور نہ ہوئی۔

اَلتَّابِعُوْنَ سے کل تابعین بِوَجْهٍ وَجِيْهٍ مراد لئے۔ پھر یہاں آکر اسی مسئلہ میں تقلید کی آفت نے وہ ساری بات ہی بھلا دی اور احادیث تَرْكُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ کو مشہور کہہ دیا اور یہ نہ سوجھا تَرْكُ الْقِرْأَ ةِ میں بھی تابعین کا اختلاف ہے۔ پس ان احادیث کو میں کس مونہہ سے مشہور کہتا ہوں اگر یہ عذر تراشا جاوے کہ صاحب ہدایہ نے ترکِ قراءت پر صحابہ کا اجماع بیان فرمایا ہے شاید عینی کو اس اجماع کے حرف نے تابعین کے عدم اختلاف کی راہ بتائی تو صحیح نہیں کیونکہ بدر عینی نے خود ہی اجماع کو اجماع جمہوری کہا ہے۔ اجماع کا مقید کرنا مثبت اختلاف ہے اور اگر ترمذی کے اس قول کو کہ قراءت خلف الامام اکثر صحابہ کا مذہب ہے اور بخاری کے اس قول کو کہ قراءت خلف الامام اتنے تابعین کا مذہب ہے کہ میں ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ جیسے گزرا۔ دیکھیں تو انکار اختلاف اطفال کا مضحکہ ہے۔ اور اختلافِ تابعین بقول عینی مبطل شہرت ہے۔

قال يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ رَجُوْعُ الْمُخَالِفِ ثَابِتًا۔[2]

فقیر عرض کرتا ہے۔ سِرًّا قراءت فاتحة الكتاب خلف الامام کا صحابہ میں کوئی مخالف نہیں اور آہستہ قراءت فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے دانت توڑنے والا اور منہ میں نتن ڈالنے والا (معاذ اللہ منہ) صحابہ کرام میں کوئی نہیں۔ یہ تمہارے گھر کی بے گھڑت باتیں ہیں۔ بفرض محال اگر مان لیں کہ قراءت خلف الامام پر کچھ صحابہ نے انکار کیا ہے تو بطور آپ کے کیا ہم

---

[1] مشہور (روایت) وہ ہے جسے تابعین نے اختیار کیا ہو۔ (البناية شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، سنن الصلاة، الواجب من القراءة في الصلاة)

[2] (علّامہ عینیؒ نے کہا:) ممکن ہے کہ (اس معاملہ میں) مخالف کا رجوع ثابت ہوجائے۔

(البناية شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

نہیں کہہ سکتے کہ اکثر صحابہ سے قراءت خلف الامام ثابت ہے۔**وَيَجُوْزُ أَنْ يَّكُوْنَ رُجُوْعُ الْمُخَالِفِ ثَابِتًا فَتَمَّ الْإِجْمَاعُ مَعَنَا عَلٰى مِثْلِ مَا قُلْتَ**[1] **بااینکہ قراءت فاتحہ اور مطل قراءت میں فرق ہے۔** **قَالَ الْعَيْنِيُّ: وفي حديث عبادة محمد بن إسحاق بن يسار وهو مدلّس. قال النووي: ليس فيه إلا التدليس، قلنا: المدلّس إذا قال عن فلان لا يحتج بحديثه عند جميع المحدثين، مع أنه قد كذبه مالك وضعفه أحمد وقال: لا يصح الحديث عنه۔ وقال أبو زرعة الرازي: لا يقضى له بشيء۔ انتهى۔**[2]

فقیر عرض کرتا ہے۔ عینی صاحب بھلا اور تو اور آپ نے ابوداؤد بھی نہ دیکھا ہو۔ واللہ عقل میں نہیں آتا۔

اس شخصی تقلید کا ستیاناس ہو۔اس نے آنکھ پر پٹی باندھ دی۔صاحب: عبادہ کی حدیث کو ابوداؤد نے زید بن واقد سے اور اس نے مکحول سے اور سعید بن عبد العزیز اور عبد اللہ بن علا اور ابن جابر نے مکحول سے روایت کیا ہے۔ مردِ خدا ابن اسحاق کی روایت تجھے نظر پڑی اور اسی روایت کے ساتھ زید اور سعید اور عبد اللہ اور ابن جابر کی حدیثیں جو ابوداؤد میں ابن اسحاق کے سوائے موجود تھیں نظر نہ آئیں معلوم ہوتا ہے۔بحت اللہ کے واسطے احادیث کو نہیں دیکھا۔صرف حمایت کا خیال تھا۔ جہاں موقع ملا اور اعتراض کی جگہ پائی اسی کو دیکھا۔ اگر ہم مان لیں کہ

---

[1] ممکن ہے کہ (اس معاملہ میں) مخالف کا رجوع ثابت ہوجائے اور تمہارے کہنے کی طرح ہی ہمارے ساتھ اجماع مکمل ہوجائے۔

[2] (علّامہ عینی نے کہا:) اور عبادہ کی روایت میں محمد بن اسحاق بن یسار (راوی) ہے جو مدلّس ہے۔نوویؒ نے کہا: اس میں تدلیس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے کہا: مدلّس (راوی) جب کہے: ''فلاں سے روایت ہے'' تو تمام محدثین کے نزدیک اس کی روایت حجت نہیں ہوتی۔اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے اور امام احمد (بن حنبلؒ) نے اسے ضعیف کہا ہے۔اور انہوں نے کہا: اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔اور ابوزرعہ رازی نے کہا: اس (کی روایت) سے کسی بات کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، أدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام)

ابنِ اسحاق مدلّس ہے تو کہیں گے حنفی تدلیس کو جرح نہیں کہتے۔ منار وغیرہ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے۔ لایقبل الطعن بالتدلیس لان غایته انه یوهم شبهة الارسال وحقیقة الارسال لیس بجرح فشبهته اَولٰی۔ انتھٰی۔ مانا کہ تدلیس جرح ہے مگر حاکم اور بیہقی کی روایت میں ابن اسحاق سے تحدیث پر تصریح تھی اس کو کیوں بھلا دیا اگر یاد تھی تو تدلیس کا جواب موجود تھا۔

اب آپ کے اتباع کو ابوداؤد سے راوی کا عمل بھی سنائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قَالُوْا: فَكَانَ مَكْحُوْلٌ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ سِرًّا قَالَ مَكْحُوْلٌ: اِقْرَأْ بِهَا فِيْمَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ إِذَا قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسَكَتَ سِرًّا فَإِنْ لَمْ يَسْكُتْ اِقْرَأْ بِهَا قَبْلَهٗ وَمَعَهٗ وَبَعْدَهٗ لَا تَتْرُكْهَا عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔[1] دیکھو راوی کا روایت پر کیسا عمل ہے۔

(ابن اسحاق کی نسبت بحث) بخاری کا قول اس علم (تحقیق رُوات) میں ایسا مسلّم ہے کہ سمجھ دار اہل سنت و جماعت مقلّد یا غیر مقلّد اس پر چون و چرا نہیں کریں گے اس لئے پہلے ان کا ہی قول نقل کرتا ہوں پھر محققین حنفیہ کے ممتاز ابن الھمام کا پھر دوتین اور ائمہ جرح وتعدیل کا بگوش ہوش سنئے۔ اس میں تکذیب امام مالک کا بھی ذکر آجاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قَالَ الْبُخَارِيُّ (فِي الْقِرَاءَةِ) رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَحْتَجُّ بِحَدِيثِ ابْنِ إِسْحَاقَ، وَقَالَ عَلِيٌّ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا يَتَّهِمُ ابْنَ إِسْحَاقَ. ... (قَالَ) وَالَّذِيْ يُذْكَرُ عَنْ مَالِكٍ فِي ابْنِ إِسْحَاقَ لَا يَكَادُ يُبَيِّنُ، وَكَانَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ مِنْ أَتْبَعِ مَنْ رَأَيْنَا مَالِكًا أَخْرَجَ لِيْ كُتُبَ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ الْمَغَازِيْ وَغَيْرِهِمَا فَانْتَخَبْتُ مِنْهَا كَثِيْرًا. وَقَالَ لِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ: كَانَ عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ نَحْوٌ مِنْ سَبْعَةَ عَشَرَ أَلْفَ حَدِيْثٍ

---

[1] انہوں نے کہا: مکحول مغرب، عشاء اور فجر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اِخفاءً پڑھا کرتے تھے۔ مکحول نے کہا: جن نمازوں میں امام (سورۂ فاتحہ) جہراً پڑھے تو تم بھی اسے پڑھو۔ جب وہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے اور (اس میں) رُکے تو خاموشی سے (پڑھ لو) لیکن اگر وہ (قراءت کے دوران) وقفہ نہ کرے تو اسے اُس سے پہلے اور اُس کے ساتھ اور اس کے بعد پڑھ لو، ہر حال میں اسے مت چھوڑو۔ (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب)

فِي الْأَحْكَامِ سِوَى الْمَغَازِيْ وَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَدِيْثًا فِي زَمَانِهِ. وَلَوْ صَحَّ عَنْ مَالِكٍ تَنَاوُلُهُ مِنْ اِبْنِ إِسْحَاقَ فَلَرُبَّمَا تَكَلَّمَ الْإِنْسَانُ فَيَرْمِيْ صَاحِبَهُ بِشَيْءٍ وَاحِدٍ وَلَا يَتَّهِمُهُ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا. ... (وَقَالَ) وَلَمْ يَنْجُ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ النَّاسِ فِيْهِمْ ... (قَالَ) لَمْ يَلْتَفِتْ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ هٰذَا النَّحْوِ إِلَّا بِبَيَانٍ وَحُجَّةٍ وَلَمْ يَسْقُطْ عَدَالَتُهُمْ إِلَّا بِبُرْهَانٍ ثَابِتٍ وَحُجَّةٍ ... (قَالَ) وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ يَعِيشَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ شُعْبَةَ يَقُوْلُ: مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ أَمِيْرُ الْمُحَدِّثِيْنَ لِحِفْظِهِ. وَرَوَى عَنْهُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ إِدْرِيْسَ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَيَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، وَابْنُ عُلَيَّةَ، وَعَبْدُ الْوَارِثِ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَكَذَالِكَ احْتَمَلَهُ أَحْمَدُ وَيَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ، وَعَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ. اِنْتَهٰى ۔[1]

---

[1] امام بخاریؒ نے (اپنی تصنیف القراءۃ خلف الامام میں) کہا: میں نے علی بن عبداللہ کو دیکھا، وہ ابن اسحاق کی روایت کو حجت سمجھتے تھے۔ اور علی نے ابن عیینہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ابن اسحاق کو متہم کہتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔...... (امام بخاریؒ نے کہا:) امام مالک سے ابن اسحاق کے متعلق جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے وہ واضح نہیں۔ اور اسماعیل بن ابی اویس کو ہم نے امام مالک کی پیروی کرنے والوں میں سے دیکھا ہے، انہوں نے ابن اسحاق کی کتابیں جو اُن کے والد (اسحاق بن یسار) کی روایت سے مغازی وغیرہ کے متعلق تھیں نکال کر میرے سامنے رکھیں تو میں نے اُن میں سے بہت سی (روایات) چُن لیں۔ اور ابراہیم بن حمزہ نے مجھے کہا: ابراہیم بن سعد کے پاس محمد بن اسحاق کی احکام کے متعلق سترہ ہزار روایات مغازی کے علاوہ تھیں۔ اور ابراہیم بن سعد اپنے زمانہ میں اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے۔ اور اگر امام مالک کا ابن اسحاق سے روایت لینا درست ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان بات کرتے ہوئے اپنے کسی ساتھی پر کسی ایک معاملہ میں جرح کرتا ہے جبکہ وہ اسے تمام معاملات میں موردِ الزام نہیں ٹھہراتا۔...... (اور امام بخاریؒ نے کہا:) اور لوگوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے متعلق بعض لوگوں کے کلام سے محفوظ نہیں رہے۔...... (امام بخاریؒ نے کہا:) اہل علم نے کسی واضح انکشاف یا دلیل کے سوا اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور کسی ثابت شدہ دلیل اور ثبوت کے بغیر اُن کا راست رَو ہونا ساقط نہیں ٹھہرتا۔...... (امام بخاریؒ نے کہا:) اور عبید بن یعیش نے کہا کہ یونس بن بُکَیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے شعبہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ محمد بن اسحاق اپنے حفظ کی وجہ سے امیر المحدثین ہیں۔ اور ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زُرَیع، ابن علیہ، عبدالوارث اور ابن مبارک نے ان سے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین اور عموماً اہل علم نے ان (سے روایت لینے) کو جائز سمجھا ہے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

ایک عجیب بات

عینی خود اسی محمد بن اسحاق سے تعجیل صلوٰۃ مغرب میں استدلال پکڑ چکا ہے۔ وہاں بولا بھی نہیں اور کیوں بولتا مطلب کے موافق بات تھی۔ تحقیق حق منظور ہوتی یا تعجیل کا مخالف ہوتا تو ردّ کرنے کو ضرور وہاں بھی بولتا ابن ہمام نے بَابُ تَعْجِيْلُ صَلوٰةِ الْمَغْرِبِ میں کہا ہے۔ هَذَا إِنْ صَحَّ الْحَدِيثُ بِتَوْثِيقِ ابْنِ إِسْحَاقَ وَهُوَ الْحَقُّ الْأَبْلَجُ، وَمَا نُقِلَ عَنْ مَالِكٍ فِيْهِ لَا يَثْبُتُ، وَلَوْ صَحَّ لَمْ يَقْبَلْهُ أَهْلُ الْعِلْمِ، كَيْفَ وَقَدْ قَالَ شُعْبَةُ وَهُوَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحَدِيثِ. وَرَوَى عَنْهُ مِثْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنُ إِدْرِيسَ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَيَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ وَابْنُ عُلَيَّةَ وَعَبْدُ الْوَارِثِ وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَاحْتَمَلَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مُعِيْنٍ وَعَامَّةُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ غَفَرَ اللهُ لَهُمْ، وَقَدْ أَطَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَوْثِيْقِهٖ فِيْ كِتَابِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ لَهُ، وَذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانَ فِي الثِّقَاتِ وَأَنَّ مَالِكًا رَجَعَ عَنِ الْكَلَامِ فِي ابْنِ إِسْحَاقَ وَاصْطَلَحَ مَعَهُ وَبَعَثَ إِلَيْهِ هَدِيَّةً ذَكَرَهَا. إِنْتَهٰى۔[1]

---

[1] اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ابن اسحاق کی ثقاہت سے ہے اور یہ ایک کھلا سچ ہے۔ اور امام مالک سے ان کے متعلق جو نقل کیا گیا ہے وہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ صحیح ہوتا تو اہل علم انہیں قبول نہ کرتے۔ (ان پر جرح کرنا) کیسے (درست) ہو سکتا ہے جبکہ شعبہ کہہ چکے ہیں کہ وہ حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔ اور ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زُرَیع، ابن علیہ، عبد الوارث اور ابن مبارک جیسے (علماء) نے ان سے روایت کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، (یحیٰ) بن معین اور اکثر اہل حدیث اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، نے ان (سے روایت لینے) کو جائز سمجھا ہے۔ اور امام بخاریؒ اپنی کتاب ''القراءۃ خلف الامام'' میں ان کے ثقہ ہونے کے متعلق مفصل بیان کر چکے ہیں۔ اور ابن حبّان نے (اپنی تصنیف) الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور امام مالک نے ابن اسحاق کے خلاف تبصرہ کرنے سے رجوع کر لیا تھا اور ان سے صلح کر لی تھی اور ان کی طرف تحفہ بھی بھیجا تھا جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ (فتح القدير لابن الهمام، كتاب الصلاة، باب المواقيت، قَوْلُهٗ وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيْلُ الْمَغْرِبِ، جزء۱ صفحه۲۲۸)

اس کلام میں هو الحق ۔ لم یثبت۔ ولو صحّ لم یقبله اهل العلم، امیری المؤمنین عامة اهل الحدیث۔ اور یہ کہ جزء القراءۃ بخاری سے ہے۔ وغیرہ قابل غور ہیں۔ پھر وَ اِنَّ مَالِکًا رَجَعَ بھی فراموشی کے قابل نہیں۔ ذہبی نے کاشف میں کہا ہے ۔ محمد بن إسحاق ... رأی أنسا وروی عن عطاء والزهری وطبقة وعنه شعبة والحمادان والسفیانان ویونس بن بکیر ... کان صدوقا ... واختلف فی الاحتجاج به وحدیثه حسن وقد صححه جماعة ۔[1]

ابن سید الناس اور منذری نے ابن اسحاق کی نسبت لمبی بحث کی ہے۔ فقیر اس میں سے چند فقرے نقل کرتا ہے۔ قال (علی) بن المدینی: ما رأیت أحدا یتهم (محمد) بن إسحاق. ... وحدیثه عندی صحیح، قلت له: فکلام مالك فیه، قال: لم یجالسه ولم یعرفه، وقال الأثرم: سألت أحمد بن حنبل عنه فقال: هو حسن الحدیث ۔[2] استشهد به مسلم وصحح له الترمذی حدیث سهل واحتج به ابن خزیمة فی صحیحه ۔[3] قال: وأما مالك فإنه کان ذٰلك منه مرة واحدة ثم عاد له إلی ما یحب، وذٰلك لأنه لم یکن بالحجاز أحد أعلم

---

[1] محمد بن اسحاق نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور عطاء اور زُہری سے روایت کی ہے۔ اور ان سے شعبہ، حمادان (یعنی حماد بن زید اور حماد بن سلمہ)، سفیانان (یعنی سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری) اور یونس بن بُکَیر نے روایت کی ہے۔ وہ سچے تھے، لیکن ان (کی روایت) کے حجت ہونے کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے۔ اور ان کی احادیث حسن ہیں اور ایک جماعت نے انہیں صحیح کا درجہ دیا ہے۔ (الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة للذهبي، حرف الميم، محمد بن إسحاق، جزء۲ صفحہ۱۵۶)

[2] علی بن مدینی نے کہا: میں نے محمد بن اسحاق پر تہمت لگاتے کسی کو نہیں دیکھا۔............ اور میرے نزدیک ان کی روایات صحیح ہیں۔ (یعقوب بن شیبہ نے کہا:) میں نے ان سے پوچھا: امام مالک کا ان کے متعلق جو کلام ہے (اس کا کیا معاملہ ہے؟) انہوں نے کہا: امام مالکؒ ان کے ہم جلیس نہیں تھے اور انہیں پہچان نہیں پائے۔ اور اثرم نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ حسن حدیث کے راوی ہیں۔ (عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير لابن سيد الناس، ذكر الكلام في محمد بن إسحاق والطعن عليه، جزء۱ صفحہ۱۳ تا ۱۴)

[3] امام مسلمؒ ان (کے قول) کو بطور شہادت لائے ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے حضرت سہلؓ کی حدیث کو ان (کی روایت) سے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ان (کے قول) سے دلیل قائم کی ہے۔

بأنساب الناس وأيامهم ـ من ابن إسحٰق، وكان يزعم أن مالكا من موالی ذی أصبح، وكان مالك يزعم أنه من أنفسها، فوقع بينهما لذلك، ... فلما صنّف مالك المؤطا قال ابن إسحق: ائتونی به فأنا بيطاره، فنقل ذلك إلى مالك فقال: هذا دجّال من الدَّجَاجِلَة يروی عن اليهود، وكان بينهما ما يكون بين الناس، حتى عزم (محمد) ابن اسحٰق على الخروج إلى العراق، فتصالحا ... وأعطاه عند الوداع خمسين دينارًا ... ولم ينكر مالك عليه من أجل الحديث، إنما كان ينكر عليه تتبعه غزوات النبی صلّى الله عليه وسلّم من أولاد اليهود الذين أسلموا وحفظوا قصة خيبر وقريظة والنضير، وما أشبه ذٰلك من الغرائب عن أسلافهم. وكان (ابن إسحق) يتتبع ذٰلك عنهم ليعلم ذٰلك من غير أن يحتج بهم، وكان مالك لا يروی الرواية إلا عن متقن صدوق۔[1]

---

[1] انہوں نے کہا: اور امام مالکؒ جو ہیں تو اُن سے ایسی بات صرف ایک بار ہوئی ہے۔ پھر وہ ان کے معاملہ میں پسندیدہ بات کی طرف لَوٹ گئے تھے۔ اور (حقیقت) یہ ہے کہ لوگوں کے انساب اور حالات کا عالم حجاز میں ابن اسحاق سے بڑا کوئی نہ تھا۔ اور وہ خیال کرتے تھے کہ امام مالکؒ ذوأصبح کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں۔ اور امام مالکؒ سمجھتے تھے کہ وہ اس کی نسل میں سے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے درمیان کچھ کشیدگی ہوگئی۔ .... پھر جب امام مالکؒ نے مؤطا تصنیف کی تو ابن اسحاق نے کہا: میں اس کا سلوتری (گھوڑوں کا ڈاکٹر) ہوں۔ یہ بات امام مالکؒ سے بیان کی گئی تو انہوں نے کہا: یہ تو دجالوں میں سے ایک دجال ہے، یہود سے روایات بیان کرتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایسی ہی باتیں تھیں جیسی لوگوں میں ہوجاتی ہیں۔ یہاں تک کہ محمد (بن اسحاق) نے عراق کی طرف نکل جانے کا ارادہ کرلیا۔ پھر دونوں میں صلح ہوگئی .... اور رُخصت کرتے وقت (امام مالکؒ) نے انہیں پچاس دینار دیئے۔ اور امام مالک نے حدیث کی وجہ سے اُن کا عیب بیان نہیں کیا۔ وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو صرف یہود کے اُن بچوں سے جو مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے خیبر، قریظہ، نضیر اور ان سے ملتے جلتے مشکل واقعات کو اپنے بڑوں سے یاد رکھا تھا، ٹوہ لیتے ہوئے تلاش کرنے کی وجہ سے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ اور ابن اسحاق تو اِن کو حجت بنائے بغیر اُن سے یہ واقعات اس لیے لیتے تھے تاکہ ان کے متعلق علم ہوجائے۔ جبکہ امام مالک تو صرف متقی اور صادق ہی سے روایت لیتے تھے۔ (عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير لابن سيد الناس، ذكر الكلام في محمد بن إسحاق والطعن عليه)

بارہواں اعتراض

قراءت فاتحہ یا مطلق قراءت خلف الامام پر وعید ثابت ہے۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ بالکل قراءت نہ پڑھیں۔

جواب پہلا۔ آپ نے تخریج مواعید کا بیان نہ کیا اوّل وہ بھی سن لو پھر جواب لو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ. رواه ابن أبي شيبة۔[1]

وعن عمر من قرء خلف الامام مُلِئَ فُوْهُ حَجَرًا أَوْ فِيْ فَمِ الَّذِيْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا۔[2]

عَنْ أَنَسٍ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوْهُ نَارًا۔[3]

عَنْ سَعْدٍ... وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ فِيْهِ جَمْرَةٌ- أَوْ حجر۔[4]

وعن عبد الله من قرء خلف الامام ملئ فوه ترابًا۔[5]

وروى عن زيد بن ثابت وسعد من قرأ خلف الامام فلا صلاة له۔[6]

عَنْ إِبْرَاهِيمَ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوْهُ نَتِنًا. قيل يستحب ان يكسر

---

[1] حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا: جس نے امام کے پیچھے قراءت کی وہ فطرت سے ہٹ گیا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلوات، باب مَنْ كَرِهَ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[2] اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اُس کا منہ پتھروں سے بھر دیا گیا۔ یا (فرمایا:) جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اُس کے منہ میں پتھر۔

[3] حضرت انسؓ سے روایت ہے جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اُس کا منہ آگ سے بھر دیا گیا۔

[4] حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں چاہتا ہوں جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اُس کے منہ میں آگ کا انگارہ پڑے یا (کہا:) پتھر پڑے۔

[5] اور حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت ہے جس نے امام کے پیچھے پڑھا اُس کا منہ مٹی سے بھر دیا گیا۔

[6] اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ جس نے امام کے پیچھے پڑھا اُس کی نماز نہیں۔

اسنانه. قَالَ السَّرْخَسِيُّ: تَفْسُدُ صَلَاتُهٗ فِيْ قَوْلِ عِدَّةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ۔[1] یہ آپ کے وعیدوالے آثار ہیں۔اب جواب سنئے۔علیؓ کا اثر صحیح نہیں۔ بخاری نے کہا۔اس کا راوی مختار معروف نہیں اس کا سماع عبداللہ بن ابی لیلی سے معلوم نہیں ہوا۔عبداللہ مجہول ہے۔(قال البخاری:) لَا يَحْتَجُّ أَهْلُ الْحَدِيْثِ بِمِثْلِهٖ۔[2] وَقَالَ (الدَّارَقُطْنِيُّ): لَا يَصِحُّ إِسْنَادُهٗ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانَ ... بَاطِلٌ۔[3] علاوہ بریں یہ اثر فعل مرتضیٰؓ کے خلاف ہے جیسے عمرؓ اور عبداللہ کا فتویٰ اوپر گزرا کہ اس کے خلاف ہے۔

انسؓ کا اثر موضوع اور باطل ہے وَاضِع اس کا مامون بن احمد کذّاب ہے۔حافظ نے درایہ میں بیان کیا۔سعد کا اثر امام بخاری نے کہا ہے۔اس کا راوی ابْنُ نَجَادٍ لَمْ يُعْرَفْ وَلَا سُمِّيَ.[4] علی قارِی نے تذکرے میں موضوع کہا ہے۔

زید کا اثر بھی موضوع ہے اور اس کا وَاضِع احمد بن علی بن سلیمان کذّاب ہے۔امام بخاری نے کہا ہے ۔لَا يُعْرَفُ لِهَذَا الْإِسْنَادِ سَمَاعٌ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَلَا يَصِحُّ مِثْلُهٗ۔[5] اور ابن عَبْدِ الْبِرّ نے کہا قَوْلُ زَيْدٍ ... مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَصَلَاتُهٗ تَامَّةٌ وَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ

---

[1] ابراہیم سے روایت ہے جس نے امام کے پیچھے قراءت کی، اُس کا منہ گندگی سے بھر گیا۔کہا گیا کہ پسند کیا جاتا تھا کہ اُس کے دانت توڑے جائیں۔سرخسی نے کہا: متعدد صحابہ کے قول کے مطابق اس کی نماز ناقص ہوجاتی ہے۔

[2] (امام بخاریؒ نے کہا:) اہل حدیث اس جیسی روایت کو حجت نہیں سمجھتے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[3] اور دارقطنی نے کہا: اس کی سندیں صحیح (کے درجہ پر) نہیں ہیں۔اور ابن حبّان نے کہا: (یہ روایت) باطل ہے۔ (نصب الرأیة، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة)

[4] ابن نجاد معروف نہیں ہے اور نہ ہی اس کا نام معلوم ہے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[5] اس سند کے راویوں کا ایک دوسرے سے سماع کا علم نہیں۔اور اس جیسی روایت صحیح نہیں ہوتی۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

فَدَلَّ عَلٰی فَسَادِ مَا رُوِیَ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ۔[1] سعد کے اثر پر ابن عبد البر نے کہا ہے حدیث مُنْقَطِعٌ لَا یَصِحُّ وَلَا نَقَلَہٗ جَمَاعَۃٌ۔[2]

ابراہیم کے واہی قول پر امام بخاری نے کہا ہے لَیْسَ ھٰذَا مِنْ کَلَامِ أَھْلِ الْعِلْمِ أَنْ یَمْلَأَ أَفْوَاہَ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (معاذ اللہ)۔[3]

پھر بخاری نے کہا ہے۔قَالَ حَمَّادٌ: وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِیْ یَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِیَٔ فُوْہُ سَکَّرًا۔[4]

قیل والے حنفی صاحب اور سرخسی کے واسطے خود عینی ہی کا وہ قول جو اس نے خطبہ کتاب میں کہا ہے کافی ہے اور ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔

وعید کے آثار کا حال سن کر ایک منصف آدمی یقین کر سکتا ہے۔اگر ترجیح عدم قراءت فاتحہ کا موجب بھی آثار ہیں تو یہ ترجیح مرجوع ہے۔ اِلاَّ جہاں تقلید شخصی کے جمود نے تحقیق سے دُور پھینک دیا وہاں بقول ؎

طولِ اہل وصال کیا ہو کم ہے شبِ ہجر کی درازی

---

[1] حضرت زید؄ کے قول کے متعلق یہ بات ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی، اُس کی نماز مکمل ہے اور اسے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ پس یہ بات حضرت زید بن ثابت؄ سے جو روایت بیان کی جاتی ہے اس کی خرابی پر دلالت کرتی ہے۔

(الإستذكار لابن عبد البر، كتاب الصلاة، بَابُ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ)

[2] یہ حدیث منقطع ہے، صحیح نہیں اور نہ ہی اسے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے۔

(الإستذكار لابن عبد البر، كتاب الصلاة، بَابُ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ)

[3] یہ اہل علم کا کلام ہرگز نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے منہ (نعوذ باللہ) ایسی چیزوں سے بھر جائیں۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[4] حمّاد نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اُس کا منہ شکر سے بھر جائے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

حق کو ماننا معلوم۔ اِلّا بامتثال کنتم خیر امة اخرجت للناس بامتثال کنتم خیر امة اخرجت للناس[۱] اورحدیث الدین النصح[۲] گذارش کیا ؎

فقل ما یفیض اللہ من غیر سامع ففی الدھر من یرجی بہ الفوز ظافرًا[۳]

تیرہواں اعتراض

علماء حنفیہ نے امام کے پیچھے اَلْحَمْدُ پڑھنے کو مکروہ فرمایا ہے۔

جواب پہلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز میں فاتحہ کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مقتدی کی نماز ہو یا منفرد کی یا امام کی اس دعویٰ کے دلائل یہ ہیں۔فرمایا۔ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ نماز ہی نہیں اس کی جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔روایت کیا اس حدیث کو جماعت نے (منتقی) اور فرمایا لَاتُجْزِئُ صَلٰوۃٌ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ کوئی نماز جائز نہیں اس کی جس نے فاتحۃ الکتاب نہ پڑھی۔روایت کیا اس کو دارقطنی نے اور کہا اسناد اس حدیث کا صحیح ہے۔اور اس کا مرفوع شاہد اِبْنِ خُزَیْمَہ اور اِبْنِ حَبَّان وَغَیْرُھُمَا نے بیان کیا اور فرمایا لَاتُقْبَلُ صَلٰوۃٌ لَایُقْرَأُ فِیْھَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔ وہ نماز ہی قبول نہیں جس میں اُمُّ الْقُرْآن نہیں پڑھا گیا اور یہ حدیث انسؓ سے مسلم اور ترمذی میں اور ابوقتادہؓ سے ابوداؤد اور نسائی میں۔عبداللہؓ سے ابن ماجہؓ میں اور ابوسعید سے احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ میں۔ابودرداء سے نسائی' ابن ماجہ میں۔اور جابر سے ابن ماجہ میں۔علیؓ سے بیہقی میں اور عائشہ صدیقہؓ سے مسند احمد' ابن ماجہ میں اور ابوہریرہؓ سے

---

[۱] سوا اس پیروی کے کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے (فائدہ کے) لیے بنائی گئی ہے۔

[۲] دین تو خیر خواہی ہے۔

[۳] پس نہ سننے والے کو کم ہی اللہ تعالیٰ نے (حق کی طرف) لوٹایا ہے اور دُنیا میں جو بھی کامیابی کی خواہش رکھتا ہے کامیاب ہوجاتا ہے۔

احمدؒ ابوداؤد میں۔اور عبادہؓ سے ابوداؤد اور ترمذی میں ؎

بے جا ہے بام یار سے دعویٔ ہمسری اپنی ذرا بساط تو اے آسمان دیکھ
ممکن نہیں کہ یوں دُرِّ مقصد تجھے ملے اس جنس کی تلاش میں اِک اِک دکان دیکھ

اور نفی ذات حقیقت ہے ترک حقیقت باوجود امکان جائز نہیں۔ اعرابی مُسِی فی الصلوٰۃ کی حدیث میں امام احمد۔ ابوداؤد۔ ابنِ حبّان میں ہے۔ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ[1] علاوہ بریں مَاتَيَسَّرَ کا لفظ مجمل مبین ہے یا مطلق مقید یا مبہم مفسر یا مَاتَيَسَّرَ سے مَازَادَ عَلَى الْفَاتِحَة یا ماتیسّر غیر مستطع کے حق میں یا منسوخ ہے۔ یادرہے ان احتمالات کی ضرورت بھی اس وقت تھی جب حدیث مُسِی میں اُمُّ القرآن کا صریح لفظ نہ ہوتا یا ہمیں اور آپ کو نہ پہنچتا۔ اور صریح فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی حدیث عبادہ سے ابوداؤد اور ترمذی میں اور فَلَا تَقْرَؤُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ بِهٖ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔ کچھ قرآن نہ پڑھو جب میں جَهْرًا پڑھوں مگر فاتحہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارقطنی میں۔ اور دارقطنی نے کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور امام احمد اور بخاری نے جُزْءِ قِرَاءت میں۔ اور تصحیح کی اس کی بخاری۔ ابنِ حبّان۔ حاکم۔ بیہقی نے۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں بیہقی اور ابنِ حبّان نے تحدیث پر تصریح کی ہے اور اس کے تابع زید۔ سعید۔ عبداللہ۔ ابن جابر ہو چکے ہیں اور بالتخصیص آہستہ فاتحۃ الکتاب خلف الامام پڑھنے کے منع پر کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں اور حدیث مثبت فاتحہ بتصریح بخاری متواتر ہے۔ اگر خبرِ واحد ہی مان لیں تو خبرِ واحد قطعی اور باعث یقین بھی ہوتی ہے۔ تذکرہ راشد میں مولوی عبدالحی صاحب نے لکھا ہے خبرِ واحد کی نسبت قطعیت کا انکار جہالت ہے اصول فقہ سے۔

جواب ۲۔ جب فاتحہ خلف الامام کا پڑھنا ثابت ہوا (دیکھو جواب اوّل) اور حنفیہ سے حسبِ فرمودہ جناب کراہت قراءت بلکہ فساد بالقراءت فاتحہ خلف الامام ثابت ہے۔ پس اس مسئلہ میں آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اختلاف ہوا۔ راقم اور کل

---

[1] پھر تم امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو۔

اہلِ حدیث رسول صلعم کی بات کہتے ہیں۔ میرا یہ جواب محی الدین ابن عربی کے اس جواب کی طرح ہے جو انہوں نے فتوحات میں فرمایا اور یہ وہی محی الدین ہیں جن کو بحر العلوم حنفی نے خاتم الولایۃ مانا ہے۔ فَصْلُ مِنْ اَوْلٰی بِالْاِمَامَۃِ (ترجمہ امامت کے لئے کون بہتر ہے) قال رسول اللہ علیہ وسلم أقرأهم و قالت المالکیّۃ و الشافعیّۃ افقههم لا أقرأ هم فهذه مسئلة خلاف بین رسول الله صلعم و بین المالکیّۃ و الشافعیّۃ و بقول رسول الله اقول و لاسیّما والنبی یقول فان کانوا فی القراءة سواءً فاعلمهم بالسنة ففرّق صلعم بین الفقیه والقاری و اعطی الامامة للقاری مالم یتساویا فی القراءة الی ان قال و هو حدیث متّفق علیه صحته و به قال ابوحنیفة و هو الصحیح الذی یعول علیه وأما التاویل المخالف للنص بأن الأقرء فی ذلك الزمان کان افقه فقد رد هذا التأویل قوله علیه السلام فاعلمهم بالسنة و اعلم ان کلام الله لاینبغی ان یقدم علیه شیء اصلًا۔[1] افسوس ہمارے تو حنفی بھی اس مسئلہ تقدیم اَقْرَأُ میں مخالف ہیں اور اعلم کی تقدیم ابوحنیفہ کا قول بتاتے ہیں۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن میں سے جو (قرآن) زیادہ پڑھا ہو (وہ امامت کا حقدار ہے۔) مالکی اور شافعی کہتے ہیں: اُن میں سے (قرآن کی) زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والا (مراد ہے)، نہ کہ اُن میں سے زیادہ پڑھا ہوا۔ پس اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مالکیوں اور شافعیوں میں اختلاف ہے۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق ہی کہتا ہوں۔ بالخصوص یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اگر وہ (قرآن کے) پڑھنے میں برابر ہوں تو اُن میں سے جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو (وہ زیادہ حقدار ہے)۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیہ اور قاری کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور امامت (کا حق) قاری کو دیا ہے جب تک کہ قراءت میں دو (شخص) برابر نہ ہوں۔ اس بات تک کہ انہوں نے کہا: یہ حدیث متفق علیہ صحیح ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے اس کے متعلق کہا ہے: یہ صحیح (روایت) ہے، جس پر بناء کی جاتی ہے۔ اور اس نص کے مخالف یہ تشریح کرنا کہ اُس زمانہ میں سب سے زیادہ (قرآن) پڑھا ہوا ہی سب سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والا ہوتا تھا تو اس تشریح کو آپ علیہ السلام کا یہ قول ردّ کر چکا ہے کہ ''پھر اُن میں سے جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو''۔ اور جان لو کہ حقیقتاً کلام اللہ پر کسی اور چیز کو ترجیح دینا جائز نہیں۔ (فتوحات محی الدین ابن العربي، فصل من أولی بالإمامة)

فائدہ

متعلقہ مسئلہ فاتحہ فتوحات سے ابن عربی نے کہا ہے۔العالم العاقل الأديب مع الله لايناجيه فى الصلوٰة الا بقراءة اُمّ القرآن فكان هذا الحديث (قسمت الصلوٰة بينى و بين عبدى) مفسّرًا لما تيسّر من القرآن، واذا ورد أمر مجمل من الشارع ثم ذكر الشارع وجها خاصا مما يكون تفسيرًا لذلك المجمل كان الاولى عند الادباء من العلماء الوقوف عنده[1] اگرچہ عینی وغیرہ نے مَاتَيَسَّرَ کے مجمل کہنے پر کہا ہے اَلْقَوْلُ بِالْاِجْمَالِ مِنْ عَدْمِ مَعْرِفَةِ الْاُصُوْلِ[2] اِلَّا ہم کو نقل کلام ابن عربی سے یہ غرض ہے کہ ابن عربی جیسے بھی اس اصل کے فہم سے ناواقف ہیں۔

جواب ۳۔ رسول اللہ صلعم کی اطاعت حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی اطاعت ہے قال الله تَعَالىٰ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ۔ترجمہ۔جس نے رسول اللہ صلعم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی کیوں نہ ہو مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّاوَحْیٌ يُّوْحٰى۔ پس حسب حدیث شریف جس نے فاتحہ پڑھ لی۔اس نے آیت فَاقْرَؤُوْا پر عمل کرلیا۔

---

[1] ایک سمجھ دار باادب عالم نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کی قراءت سے ہی کرتا ہے۔ پھر یہ حدیث کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردی ہے، اس امر کی تفسیر ہے کہ قرآن میں سے جو میسر ہو (اسے پڑھو)۔اور جب شارعؑ کی طرف سے کوئی حکم اجمالاً ملتا ہو، پھر شارعؑ ہی کسی خاص رُجحان کا ذکر کردے جو اُس مجمل اَمر کی وضاحت کررہا ہو تو باادب علماء کے نزدیک موقف اختیار کرنے کے لحاظ سے یہی فوقیت رکھتا ہے۔ (ابن عربي فتوحات)

[2] اجمال کی بات کرنا اصول سے عدم واقفیت ہے۔

جواب ۴۔ کل انبیاء ورُسل علیھم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال قول نبی آخر الزمان خاتم الانبیاء صلعم کے سامنے قابل عمل اور حجت نہیں بنتے۔ بھلا علماء کے اقوال سامنا کریں ممکن ہی نہیں ؎

کبھی فروغ نہ پائیں گے پیش یار چراغ وہ شمس ایک طرف ایک طرف ہزار چراغ

جواب ۵۔ اکثر صحابہ کرام جیسے ترمذی نے بیان کیا وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام کی طرف ہیں اور خاکسار نے ان کے اقوال بتفصیل بیان کر دیئے ہیں۔ پس قول احناف بکراہت فاتحہ ان کے مقابلہ میں اگر خفگی نہ کرو تو ...... ہوگا۔

جواب ۶۔ بخاری نے جزء القراءۃ میں کہا ہے قراءتِ فاتحہ خلف الامام پر مَالَا أُحْصٰی مِنَ التَّابِعِینَ وَأَھْلِ الْعِلْمِ[1] کا فتویٰ ہے۔ بھلا ایک طرف مَالَا أَحْصٰی مِنَ التَّابِعِینَ وَأَھْلِ الْعِلْمِ ہوں اور ایک طرف ایک ابوحنیفہ رحمۃ اللہ جیسا تابعی (اگر مان لیں) ہو بتاؤ کس کو ترجیح دیں بایں کہ جمہوری کی طرف نصّ صریح بھی ہو۔

جواب ۷۔ خود علماء حنفیہ استحسان قراءت فاتحۃ الکتاب خلف الامام کے قائل ہیں۔ اگر علماء حنفیہ ہی کے قول پر چلتا ہے تو استحسان کا فتویٰ معاضد بالنّص مع تطبیق موجود ہے۔ امام الکلام میں ہے۔ یُقْرَءُ عِنْدَ سَکُوْتِ الْاِمَامِ عَمَلًا بِحَدِیْثٍ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِقِرَآءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَبِالْاِنْصَاتِ[2] اور منہیّہ میں کہا ھذا اَشَدُّ المذاھب و اَصْفَی المشارب۔ اَیْضًا فِیْہِ نُقِلَ عن شیخ الاسلام امام ائمۃ الأعلام فی العالم محی مراسم الدین بین الامم الماحی

---

[1] بے شمار تابعین اور اہل علم۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

[2] حدیث ''فاتحہ الکتاب کی قراءت کے بغیر نماز نہیں'' پر عمل کرتے ہوئے (مقتدی) امام کی رُکنے کے وقت (سورۂ فاتحہ) خاموشی سے پڑھ لے

بسطوته سياط البدع و آثار الظلم السعيد الشهيد نظام الملة والدين عبد الرحيم المشهور بين الأنام بشيخ التسليم وهو مجتهد فى مذهب ابى حنيفة بأتفاق علماء ما وراء النهر وخراسان انه كان يقول يستحب للاحتياط فيما يُروى عن محمدٍ ويعمل بذلك ويقول لو كان فى فمى جمرة يوم القيمة احبّ الىّ من أن يُّقال لاصلاة لك ـ [1] اور مجتبیٰ مختصر قدوری کی شرح میں ہے ـ فى شرح الكافى للبزدوى ان القراءة خلف الامام على سبيل الاحتياط حسن عند محمدٍ. وقال ايضًا ان قراءة الفاتحة مستحسنة و مستحبة فى السرية مكروه فى الجهرية فى روايةٍ عن محمدٍ كما ذكره صاحب الهداية و الذخيرة و غيرهما و هو رواية عن ابى حنيفة كما ذكره الزاهدى فى المجتبى. و هو الذى اختاره ابوحفص و شيخ التسليم كما مرّ ذكره بل جماعة من الحنفية و الصوفية كما قال صاحب التفسير الاحمدى و قال ايضًا اذًا ظهر حق الظهور ان اقوى المسالك التى سلك عليها اصحابنا استحسان القراءة فى السرية كما هو رواية عن محمد بن الحسن و اختارها جماعة من فقهاء الزمن وهو وإن كان ضعيف رواية لكنه قوى درايةً. وقال ايضًا وما أحسن قول صاحب تنوير العينين فى رفع اليدين فى بحث القراءة خلف الامام دلائل

---

[1] یہ (عقیدہ) مسالک میں سردار اور رُجحانات میں پسندیدہ ہے۔ نیز اس میں شیخ الاسلام، دُنیا کے مشہور اماموں کے امام، قوموں کے مابین دین کی روایات کو زندہ کرنے والے، اپنے اثر و رسوخ سے بدعات کی ملونی اور ظلمت کے نقوش کو مٹانے والے، خوش بخت شہید، قوم و مذہب کے منتظم عبدالرحیم جو عوام میں شیخ التسلیم کے لقب سے مشہور ہیں اور وسط ایشیا اور خراسان وغیرہ ممالک کے علماء کی متفقہ رائے میں وہ امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مجتہد ہیں، سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: جو کچھ محمد (بن اسحاق) سے مروی ہے اُس میں احتیاط واجب ہے اور (ان سے حضرت عبادہؓ والی) اس (روایت) پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور وہ کہتے تھے کہ اگر قیامت کے دن میرے منہ میں انگارہ ہوتو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ کہا جائے کہ تیری کوئی نماز نہیں۔

الجانبين فيه قوية لكن يظهر بعد التأمل فى الدلائل ان القراءة اولى من تركها فقد عولنا على قول محمدٍ كما نقل عنه صاحب الهداية ۔ انتہٰی ۔[۱]

جواب ۸ ۔ اگر قائلین باستحسان قراءت فاتحہ خلف الامام کو ترجیح نہ دیں تو قائلین بکراہت اور قائلین باستحسان کو آپس میں متعارض سمجھ کر ساقط کر دیں گے ۔ میرے حنفی مہربان قلت اور کثرت قائلین کا عذر پر پیش فرماویں ۔ کیونکہ شیخ عبدالحق دہلوی نے سفر سعادت کی شرح میں جہاں صاحب سفر نے اثبات رفع یدین میں چار سو جز اور اثر کا ذکر کیا ہے کہا ہے ۔ وحق آنست کہ باقطع نظر از کثرت وقلت طرق وروایات ۔ اخبار وآثار در ہر دو جانب موجود ہست انتہٰی ۔ گو یہاں شیخ جی کی قطع نظر عجیب ہے کیونکہ جہاں قلت کے باعث خبر واحد یا غریب رہے اور بقول متأخرین حنفیہ تخصیص عموم قرآن کے موجب نہ ہو سکے اور کثرت کے باعث مشہور بلکہ متواتر اور قطعی اور مخصص عموم قرآن بن جاوے ۔ قلّت و کثرت سے قطع نظر کرنا غلو قبیح ہے اِلّا آپ لوگوں پر ان کا قول حجت ہے ۔ اس لئے بیان ہوا ۔

---

[۱] شرالکافی شرح البزدوی میں ہے کہ امام محمد (بن حسن) کے نزدیک احتیاط کے پیش نظر امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھنا حسن ہے ۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ محمد (بن حسن) کی ایک روایت کے مطابق سورۂ فاتحہ سرّی نمازوں میں پڑھنا پسندیدہ اور مستحب ہے اور جہری نمازوں میں پڑھنا ناپسندیدہ ہے ۔ جیسا کہ صاحب الہدایہ اور ذخیرہ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ اور اُن کی یہ روایت امام ابوحنیفہ سے ہے جیسا کہ زاہدی نے مجتبیٰ میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ اور یہ وہی ہیں جنہیں ابوحفص اور شیخ التسلیم نے قبول کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر گذر چکا ہے، بلکہ جیسا کہ تفسیر احمدی کے مصنف نے کہا ہے کہ احناف اور صوفیاء میں سے ایک جماعت نے (انہیں قبول کیا ہے ۔) اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب (یہ معاملہ) کما حقہ ظاہر ہو چکا ہے تو سب سے مضبوط مسلک یہی ہے جس پر ہمارے ساتھی چلے ہیں یعنی سرّی نمازوں میں (سورۂ فاتحہ) پڑھنا مستحسن ہے ۔ جیسا کہ محمد بن حسن کی روایت میں ہے اور اسے زمانہ کے فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے ۔ اور اگرچہ یہ روایت کے لحاظ سے کمزور ہے لیکن درایتاً مضبوط ہے ۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا: ''تنویر العینین فی رفع الیدین'' کے مصنف کا امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھنے کے متعلق کیا ہی اچھا قول ہے کہ اس بارے میں دونوں طرف کے دلائل مضبوط ہیں لیکن ان دلائل پر غور کرنے کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ قراءت کرنا اُس کو چھوڑنے سے زیادہ بہتر ہے ۔ اور ہم محمد (بن حسن) کے قول پر اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ اُن سے صاحب الہدایہ نے نقل کیا ہے ۔

جواب ۹۔ حنفیہ کے اقوال اس مسئلہ میں مضطرب ہیں اور حنفیہ فی قلتین کی صحیح حدیث کو صرف مضطرب سمجھ کر باوجودیکہ اس میں اضطراب نہ تھا چھوڑ دیا تو حنفیہ کو اپنے علماء کا اضطراب اس مسئلہ میں دیکھ کر ان کے اقوال مضطربہ چھوڑ دینے تھے۔

حنفیہ کا اضطراب فی الامام منهم من اکتفی بعدم القراءة و نفیها و منهم من صرح بالنّهی ومنهم من کرهها و منهم من قال بحرمتها و منهم من تفوّه بالفساد و منهم من استحسن۔[1]

جواب ۱۰۔ قول بالکراهة بے دلیل ہے اور شرع لم یأذن به الله۔

چودہواں اعتراض

علماء حنفیہ فاتحة الکتاب کا پڑھنا مفسدِ صلوٰۃ کہتے ہیں۔ پس پڑھنا فاتحہ کا خلف الامام جائز نہ ہوگا۔

پہلا جواب۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ[2]۔ اور لَا يَجْزِیْ صَلٰوةٌ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ[3] اور لَا يُقْبَلُ صَلٰوةٌ لِّمَنْ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ[4] اور وَلَا تَقْرَؤُا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ[5] جن اسناد پر کلام ہے ان کو جانے دو متفق حدیثیں بخاری اور مسلم کی اور ابن خزیمہ اور دارقطنی کی صحیح روایتیں

---

[1] ان میں سے بعض نے عدمِ قراءت اور اس کے ہونے سے انکار پر اکتفاء کیا ہے اور بعض نے صریحاً مناہی کا ذکر کیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ جانا ہے اور بعض نے اس کی حرمت بیان کی ہے۔ اور ان میں سے بعض نے اسے فساد کا موجب گردانا ہے اور بعض نے مستحسن قرار دیا ہے۔

[2] اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

(بخاري، كتاب الآذان، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا)

[3] جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اُس کی نماز ادا نہیں ہوتی۔

[4] وہ نماز قبول نہیں ہوتی جس میں اُمُّ القرآن یعنی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

(نيل الأوطار، كتاب اللباس، أبواب صفة الصلاة، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ)

[5] جب میں (نماز میں) قراءت بالجہر کروں تو تم امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے علاوہ قرآن سے کچھ نہ پڑھا کرو۔ (ابو داؤد، كتاب الصلاة، بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)

دیکھیے۔ اور یہ دلائل قراءت فاتحہ پر نصّ ہیں۔ یاد رہے اگر اجماع حجت ہے تو صحیحین کی تفضیل پر اجماع الکل ہے اور اجماع الاکثر کا تو مجھے یقین ہے آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔ گو ابن ھمّام اور اس کے اتباع کا انکار آپ کی نظر سے گذر چکا ہو۔ پنجاب کے ممتاز اذکیا مولوی ابو سعید محمد حسین نے اس مسئلہ میں منح الباری فی ترجیح البخاری لکھی ہے اور صاحب دراسات نے ایک نہایت ہی لطیف دراسہ لکھا ہے۔ فقیر تطویل سے ڈر کر اس مقام میں صرف ان دونوں کتابوں کا حوالہ کافی جانتا ہے۔ انشاء اللہ اس دراسہ کا ترجمہ عنقریب لکھوں گا اور استقصاء میں امامیہ نے جو اعتراض صحیحین پر کئے ہیں ان کا بھی بالاستیعاب جواب دوں گا۔ سچ ہے بعد کتاب اللہ صحیحین کے علو کے سامنے اور کتب کو کیا وقعت ہے ؎

ادنیٰ کی قدر کچھ نہیں اعلیٰ کے سامنے دریا کے آگے کیا ہے حقیقت حباب کی

جواب ۲۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی (ان صاحبوں کی مختلف علوم پر بڑی نظر ہے۔ بظاہر تعصب بے جا کم فرماتے ہیں انہوں نے اس قول کی نسبت فرمایا ہے۔ **ومنهم من تفوه بفساد الصلاة بها وهذا القول الأخير أضعف الأقوال فى هذا المبحث وأوهنها بل هو باطل قطعًا وأحق بأن لايلتفت اليه جزمًا وينظم فى سلك الاقوال المردودة التى لم يقم صاحبها عليها حجة ودليلًا. وهو مشتمل على تفريط كبير متضاد غاية التضاد لقول من قال إن الصلاة تفسد بترك قراءتها حتى أن المقتدى إذا أدرك الإمام فى الركوع فاقتدى به ولم يتيسر له قراءة الفاتحة تفسد صلاته فإنه مشتمل على افراط كبير بل التفريط فى الحكم بفساد الصلاة بقراءتها أكثر من الافراط فى الحكم بفسادها بترك قراءتها**[1]۔ **(وقَالَ أيضًا:)۔ وخامسها۔ أن الصلاة تفسد بالقراءة خلف الإمام كما ذكره**

---

[1] اور اُن میں سے بعض نے اس (قراءت) کو نماز خراب کرنے والا ٹھہرایا ہے اور اس بحث میں یہ آخری قول تمام اقوال میں سے کمزور ترین اور بے طاقت ہے۔ بلکہ یہ تو قطعی بے بنیاد ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس کی طرف بالکل بھی توجہ نہ کی جائے۔ اور اسے ایسے ردّ شدہ اقوال کی لڑی میں ڈال دیا جائے جس سے کہنے والا حجت یا دلیل قائم نہیں کرسکتا۔ اور یہ تو ایک بہت بڑی کوتاہی پر مبنی ہے، جو اُس شخص کے قول سے غایت درجہ متضاد ہے جس نے کہا کہ نماز سورۂ فاتحہ کی قراءت چھوڑنے سے فاسد ہو جاتی ہے، حتّٰی کہ مقتدی جب امام کو رکوع میں پاتا ہے پھر وہ اُس کی اقتداء کرتا ہے اور اُسے سورۂ فاتحہ پڑھنا میسر نہیں ہوتا تو اُس کی نماز ناقص ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ایک بڑے افراط کا موجب ہے۔ بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) سورۂ فاتحہ پڑھنے سے نماز کے فاسد ہونے کا حکم دینے میں کوتاہی کا پایا جانا زیادہ (ممکن) ہے بنسبت اس کا پڑھنا ترک کرنے سے نماز کے فاسد ہونے کا حکم دینے میں زیادتی ہونے سے۔

(إمام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الإمام، صفحہ ۹، مطبوعہ مطبع مصطفائی)

فى دُرر البحار ومر أنه خلاف الأصح. فهذه خمسة اقوال لأصحابنا أضعفها وأوهنها بل أوهن جميع الأقوال الواقعة فى هذه المسئلة القول الخامس وهو نظير رواية مكحول النسفى الشاذة المردودة التى عن أبي حنيفة أن رفع اليدين عند الركوع وغيره مفسد للصلاة وبناء بعض مشائخنا عليها عدم جواز الاقتداء بالشافعية، وكلاهما من الأقوال المردودة التى لايحل ذكرها الّا للقدح عليها وان ذكرا فى كثير من الكتب الفقهية لأصحابنا الحنفية وقد أوضحتُ ذٰلك فى رسالتى الفوائد البهية فى تراجم الحنفية وفى تعليقاتى عليها المسماة بالتعليقات السنية فلتطالع، وليست شعرى هل يقول عاقل بفساد الصلاة بما ثبت فعله عن النبى صلى الله عليه وسلم وجماعة من أكابر أصحابه ولو فرضنا أنه لم يثبت لا من النبى صلى الله عليه وسلم ولا من أصحابه أو ثبت وصار منسوخًا فغايته أن يكون خلاف السنة أو مكروهًا تنزيهًا أو تحريمًا وهو لا يستلزم فساد الصلاة به بل لو فرضنا أنه حرام حرمة قطعية لا يلزم منه فساد الصلاة أيضًا فليس ارتكاب كل حرام فى الصلاة مفسدًا لها ما لم يكن منافيًا للصلاة ومن المعلوم أن قراءة القرآن فى نفسها ليست بمنافية للصلاة بل الصلاة ليست الّا الذكر والتسبيح والقراءة، ألا ترى إلى ما أخرجه ابن جرير من طريق كلثوم بن المصطلق عن ابن مسعود قال أن النبى صلى الله عليه وسلم كان عودنى أن يرد على السلام فى الصلاة فأتيته ذات يوم فسلمت عليه فلم يرد على وقال إن الله يحدث فى أمره ما شاء وانه قد أحدث لكم فى الصلاة أن لا يتكلم أحد الّا بذكر الله وما ينبغى من تسبيح وتمجيد وقوموا لله قانتين ذكره السيوطى فى الدر المنثور وأخرج مسلم وأبو داؤد والنسائى وأحمد وابن أبي شيبة عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ، مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُّ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ مِنْهُ فَوَاللهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ. واداء الأذكار ليست بمنافية للصلاة فكيف يصحّ الحكم بفساد الصلاة بها و كون ذٰلك

مکروهًا أو حرامًا بما لاح من الدلائل لایستلزم ذٰلك وانی والله لفی تعجب شدید من صنیع من نقل هذا القول فی کتبهم ساکتًا علیه ولم یحکموا بکونه غلطًا مردودًا وغایة ما قالوا أن عدم الفساد أصحّ ولم یحکموا بکونه صحیحًا و کون ما یخالفه غلطًا صریحًا وغایة ما أستدل أصحاب هذا القول الواهی ببعض آثار الصحابة کأثر من صلی خلف الإمام فلا صلاة له. وستعرف أنه مما لایحتجّ به ولا یستقیم الاستدلال به. وما ذکره السرخسیّ ومن تبعه أن فساد الصلاة مذهب عدة من الصحابة یقال له أیُّ صحابی قال بهذا وأیُّ مُخرّج خرّج هذا وأیُّ راوی روی هذا ومجرد نسبته الیهم حاشاهم عنه من دون سند مسلسل محتج بروایته مما لایعتد به۔[1]

---

[1] (انہوں نے یہ بھی کہا کہ) اور پانچویں بات یہ ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ انہوں نے دُرَرُ البحار میں اس کا ذکر کیا ہے اور (ان کی) اس بات کا زیادہ صحیح بات کے خلاف ہونا گزر چکا ہے۔ پس ہمارے ساتھیوں کے یہ پانچ اقوال ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ ضعیف اور کمزور ترین یہی ہے۔ بلکہ یہ پانچواں قول تو اس مسئلہ میں پیش کیے جانے والے تمام اقوال میں سے سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اور یہ مکحول نسفی کی اُس شاذ اور مردود روایت کی طرح ہے جو اُس نے امام ابوحنیفہ سے نقل کی ہے کہ رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کرنا نماز کو فاسد کرنے والا ہے۔ اور ہمارے بعض بزرگوں کا اس پر اعتماد شوافع کی پیروی کے جواز سے انکار کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دونوں (باتیں) ایسے ردّ شدہ اقوال میں سے ہیں، جن کا جرح کے بغیر ذکر کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ ہمارے حنفی دوستوں کی بہت سی فقہی کتابوں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور میں اپنے رسالہ ''الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة'' اور اس پر اپنے حواشی بنام ''التعلیقات السنیة'' میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں، پس چاہیے کہ اسے غور سے دیکھا جائے، یہ محض میرا خیال نہیں ہے۔ کیا کوئی عقل مند اُسے جس کا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہو، نماز کی خرابی کہہ سکتا ہے؟ اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ یہ ثابت نہیں ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ آپؐ کے صحابہؓ سے، یا ثابت تو ہے لیکن منسوخ ہو گیا تھا تو اس کا منتہیٰ یہ ہوگا کہ یہ (امر) خلافِ سنت ہے یا مکروہ ہے پاکیزگی کی خاطر یا حرمت کی وجہ سے، اور اس سے نماز کا فساد لازم نہیں آتا۔ بلکہ اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ قطعی حرام ہے تو بھی اس سے نماز کی خرابی لازم نہیں آتی۔ اور نماز میں ہر حرام کا ارتکاب اسے فاسد کرنے والا نہیں جب تک کہ وہ نماز کے منافی نہ ہو۔ اور یہ معلوم (باتوں) میں سے ہے کہ فی ذاتہٖ قرآنِ کریم کی قراءت ہرگز نماز کے منافی نہیں ہے۔ نماز تو ہے ہی ذکر، تسبیح اور قراءت۔ کیا تم نے وہ روایت نہیں دیکھی جسے ابن جریر نے بسند کلثوم بن مصطلق (حضرت عبداللہ) بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں میرے سلام کا جواب دے دیتے تھے، پھر ایک دن میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو سلام کیا مگر آپؐ نے مجھے جواب نہ دیا۔ پھر فرمایا: پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے امر میں سے جو چاہتا ہے بیان فرماتا ہے اور اُس نے نماز کے متعلق تمہارے لیے یہ (نیا حکم) بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص (اس میں) بات نہ کرے،

پندرہواں اعتراض

قراءت فاتحہ خلف الامام عقل (قیاس) کے خلاف ہے۔ احادیث اور آثار باہم متخالف

بقیہ حاشیہ : سوائے ذکر الٰہی اور مناسب حال تسبیح اور تمجید کے اور اللہ کے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ سیوطی نے درّ منثور میں اس کا ذکر کیا ہے اور مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد اور ابن ابی شیبہ نے حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اس دوران کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے چھینک ماری تو میں نے کہا: يَرْحَمُكَ اللهُ (یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے) اس پر لوگ مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا: ہائے! میری ماں مجھے کھوئے، تمہیں کیا ہوا ہے کہ مجھے (اس طرح) دیکھ رہے ہو؟ اس پر وہ اپنے ہاتھ مارنے لگے، جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کروا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں نے آپؐ سے اچھا معلّم نہ تو آپؐ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد۔ اللہ کی قسم! آپؐ نے نہ تو مجھے ڈانٹا اور نہ ہی مارا اور نہ ہی بُرا بھلا کہا۔ آپؐ نے فرمایا: اس نماز میں لوگوں کا کچھ بھی بات کرنا درست نہیں، یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوتِ قرآن کرنا ہے۔ اور یہ اذکار کرنا ہرگز نماز کے منافی نہیں، تو ان کی وجہ سے نماز کے فساد کا فیصلہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے! اور جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے اس کا مکروہ یا حرام ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ اور اللہ کی قسم میں تو اس کام سے سخت تعجب میں ہوں کہ یہ قول ان کی کتابوں میں درج ہے، اس حال میں کہ وہ اس پر خاموش ہیں اور انہوں نے اس کے غلط اور قابل ردّ ہونے کا فیصلہ نہیں دیا۔ اور جو انہوں نے کہا اُس کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ عدمِ فساد ہونا زیادہ درست ہے اور انہوں نے اس کے صحیح ہونے اور جو اس کی مخالفت کرے اُس کے صریحاً غلط ہونے کا حکم نہیں دیا اور اس کمزور قول کے ماننے والوں نے اس اثر کی طرح کہ جس نے امام کے پیچھے پڑھا اس کی نماز نہیں، بعض آثار صحابہ سے جو انتہائی استدلال کیا ہے (اس کی غلطی کی طرف توجہ نہیں دلائی) اور تم جان لو گے کہ یہ بات ایسی ہے کہ جسے حجت نہیں بنایا جاتا اور جس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اور (علّامہ سَرْخَسِیؒ) اور اُن کے پیروکاروں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نماز کے فاسد ہونے کا عقیدہ متعدد صحابہ کا ہے تو اُن سے کہا جائے کہ کس صحابی نے یہ بات کہی ہے اور کس محقق نے اس کی تخریج کی ہے اور کس راوی نے اسے روایت کیا ہے؟ اور (سَرْخَسِیؒ) کی ایسی روایت کو حجت بناتے ہوئے جو کسی شمار میں نہیں، بغیر کسی متصل سند کے محض اس بات کا ان (صحابہ) کی طرف منسوب کرنا، اُنہیں اس سے بری کرتا ہے۔

(إمام الكلام فيما يتعلّق بالقراءة خلف الإمام، صفحہ 12، مطبوعہ مطبع مصطفائی)

ہیں اور اعلیٰ کے تخالف میں ادنیٰ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔اس لئے یہاں رجوع کر کے دیکھا تو مدرک فی الرکوع تارک قراءت فاتحہ کو بالا جماع مدرک رکعت کہتے ہیں۔ نہ تارک تکبیر اور قیام کو۔ اس اجماع سے صاف معلوم ہوتا ہے۔قراءت فاتحہ یا مطلق قراءت بھی مقتدی کے حق میں فرض نہ تھی حالت ضرورت میں سقوط مستلزم عدم فرضیت سے مدرک فی الرکوع سے تکبیر اور قیام بخوف فوت ادراک فی الرکوع ساقط نہیں ہوتے۔اگر قراءت بھی فرض ہوتی تو وہ بھی بضرورت خوف ادراک فوت نہ ہوتی۔

پہلا جواب۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ معترض نے تعارض مانا ہمارے حنفی تو قراءت فاتحہ کی کوئی دلیل بھی نہیں مانتے۔

۲ جواب۔ قرآن اور احادیثِ ثابتہ میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں۔قرآن بالبداہت اہلِ اسلام کے نزدیک کلام الٰہی ہے (اس کے حروف بھی اللہ کی طرف سے ہیں کیونکہ کلام الٰہی بھی صَوت اور حروف رکھتا ہے) اور حدیث حسبِ فرمان (مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔اور باری تعالیٰ فرماتا ہے۔لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النسآء:۸۳) یہ تو اجمالاً عدم اختلاف کا ثبوت ہے۔تفصیل اجمال اعتراضات کی جوابوں میں دیکھ لیجئے اور اجمال اور تفصیل کا بین بین بیان یہاں سن لیجئے۔آیت فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ میں ما کا کلمہ ضرور عام مخصوص البعض ہے۔ابن ھمام حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں۔وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ، فَإِذَا صَحَّ وَجَبَ أَنْ يُخَصَّ عُمُوْمُ الْآيَةِ وَالْحَدِيْثِ عَلٰى طَرِيْقَةِ الْخَصْمِ مُطْلَقًا[1] (خصم اہلِ حدیث اور امام شافعی وغیرہ بلکہ خود ابوحنیفہ وسَلف ہیں)۔فَيَخْرُجُ الْمُقْتَدِيْ وَعَلٰى طَرِيْقَتِنَا (متاخرین حنفیہ یا ہم مان لیں کل حنفیہ بلکہ خود امام ابوحنیفہ) يُخَصُّ أَيْضًا لِأَنَّهُمَا عَامٌّ خُصَّ مِنْهُ

---

[1] اور ہمارے لیے آنحضور علیہ السلام کا قول (کافی) ہے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔پھر جب یہ صحیح ہے تو جھگڑے کی صورت میں واجب ہے کہ آیت اور حدیث کے عموم کو مطلقاً مخصوص لیا جائے۔

الْبَعْضُ، وَهُوَ الْمُدْرِكُ فِي الرُّكُوعِ إِجْمَاعًا فَجَازَ تَخْصِيصُهُمَا. انتہی۔[۱] اور عام مخصوص کی تخصیص بالاتفاق ممنوع نہیں پس لَا صَلٰوۃَ کی متواتر حدیث سے تخصیص کیوں ممنوع ہوگی۔ با ایں مَا تَيَسَّرَ محتمل الوجوہ ہے كَمَا مَرَّ اور آیت إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کی تخصیص اہلِ حدیث کے بیان مطلق اور آپ کے یہاں اس لئے کہ مخصوص ہے كَمَا مَرَّ حَدِيْثٌ لَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ بِهٖ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ.[۲] سے ممنوع نہ ہوگی اور احادیث میں اس لئے تعارض نہیں کہ اعرابی کی حدیث میں فاتحہ کا صریح حکم موجود ہے دیکھو ابن حبّان اور مسند احمد۔ اگر تصریح نہ ہوتی محتمل تھی كَمَا مَرَّ غَيْرَ مَرَّةٍ۔[۳] یا جیسے ابن ہمام نے کہا ہے أَنَّ وُجُوْبَهُمَا (الفاتحة و السورة) كَانَ ظَاهِرًا۔[۴] پس ہم بھی کہتے ہیں۔ ان لزوم الفاتحة كان ظاهرًا او المقصود ماتيسر بعدها لظهور لزومها كما قال ابن الهمام[۵] اور حدیث قراءة الامام اور اذا قرئ فانصتوا۔ دونوں اوّل تو شاذ ہیں ان کا شذوذ ابن ہمام نے مانا ہے گو شاذ مقبول کہا ہے۔ (قَالَ) وَإِذَا قَرَأَ ... هَذَا هُوَ الشَّاذُّ الْمَقْبُولُ، وَمِثْلُ هَذَا هُوَ الْوَاقِعُ فِي حَدِيثِ «مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ» انتہی۔[۶]

۱۔ اور مقتدی (اس مندرجہ بالا ارشادِ نبوی سے) نکل جائے گا اور ہمارے طریق کے مطابق بھی اسے مخصوص کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں (موقف ہی) عمومی ہیں جو ایک اجماعی امر سے مخصوص کیے گئے ہیں اور وہ رکوع میں (نماز) پالینے والا ہے۔ پس دونوں (مفاہیم) کی تخصیص کرنا جائز ہے۔

(فتح القدير لابن همام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

۲۔ جب میں قراءت بالجہر کروں تو اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے سوا قرآن کریم میں سے کچھ بھی قراءت نہ کرو۔

۳۔ جیسا کہ متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔

۴۔ کہ ان دونوں (یعنی سورۂ فاتحہ اور کسی اور سورۃ کی قراءت) کا واجب ہونا واضح ہے۔

۵۔ کہ سورۂ فاتحہ (کی قراءت) کا لازم ہونا ظاہر ہے یا جیسا کہ ابن ہمام نے کہا کہ اس کے بعد مَا تَيَسَّرَ (کے حکم) کا مقصد اس کے لازم ہونے کو ظاہر کرنا ہے۔

۶۔ انہوں نے کہا: اور جب (امام) قراءت کرے (تو خاموش رہو۔) یہ (روایت) تو شاذ مقبول ہے اور ایسی ہی بات ایک حدیث یعنی ''جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے'' میں آئی ہے۔

(فتح القدير لابن همام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

ابن ہمام اور وجوہِ مرقومۃ الصدر کے سوائے حسبِ قول ابن ہمام (حَيْثُ قَالَ:) يُحْمَلُ ... ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ ... عَلَى غَيْرِ حَالَةِ الِاقْتِدَاءِ جَمْعًا بَيْنَ الْأَدِلَّةِ[1] ہم کہتے ہیں مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ اور لَهُ قِرَاءَةٌ اور إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا كُلٌّ فِيْ سوى الفاتحة جمعًا بين الادلّة[2]۔ یاد رہے ابن الھمّام نے ان دونوں حدیثوں کی نسبت کہا ہے۔ الاوّل صحیح علی شرط الشیخین و الثانی علی شرط مسلم[3] حالانکہ بخاری اور مسلم نے اپنے شروط کی کہیں تصریح نہیں کی۔ ان کی تفضیل تلقی الامۃ بالقبول[4] ہے جو کسی کتاب کو بعد کتاب اللہ صحیحین کے ماوراء حاصل نہیں۔ (امداد) صحیحین کے مطاعن دیکھنے ہوں تو دیکھو شیعہ اثنا عشریہ کی کتابوں میں بہت لکھے ہیں اور یہ میرا کلام صرف اس لئے ہے کہ مولوی صاحب مخاطب خاص صحیحین کی عظمت کے قائل نہیں اور منازعہ اور مخالجہ اور مخالطہ کی حدیثیں جہری قراءت کی مانع ہیں نہ آہستہ پڑھنے کی اور لَا تَفْعَلُوْا کی حدیث سے بالتصریح فاتحہ مستثنٰی ہے۔ اِلَّا وَرَاءَ الامام کی حدیث میں استثنا کا اشارہ عبارت کا معارض نہیں ہوسکتا۔

اور اَدِلّہ مثبتہ قراءت فاتحہ' قراءت فاتحہ پر نصّ ہیں اور منع کے ادِلّہ سے بالتصریح فاتحہ کی ممانعت نہیں نکلتی اور آثار میں آثارِ مَنع ثابت نہیں بہ تسلیم محال مرفوع مثبت کے مقابل حجت نہیں با منازعت اور مخالجت اور مخالطت کے مانع ہیں۔

۳ جواب۔ حسب تحقیق سابق جب تعارض نہیں تو مسئلہ منصوص ہوگیا اور قیاس بمقابلہ نص حجت نہیں۔

---

[1] (جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ) دلائل کی مجموعی صورت میں (قول) ''پھر............جو تمہیں میسر ہو پڑھو'' عدمِ اقتداء کی حالت پر (یعنی انفرادی نماز پر) محمول کیا جائے گا۔

(فتح القدير لابن همام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

[2] ''جو تمہیں میسر ہو (پڑھو)'' اور ''(امام کی قراءت ہی) اس کی قراءت ہے'' اور ''جب (امام) قراءت کرے تو خاموش رہو۔'' یہ سب (احادیث) دلائل کی مجموعی صورت میں سورۂ فاتحہ (کی قراءت) کے علاوہ ہیں۔

[3] پہلی (روایت) شیخین یعنی بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے اور دوسری (روایت) مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔

[4] امت کے قبول کر لینے سے ہے۔

۴ جواب۔ مُدرکِ رکوع تارکِ قراءت کے اعتداد رکعت کا مسئلہ متنازع فیھا ہے اجماعی نہیں اور مولوی عبدالحی سَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کا فرمانا۔ اِلَّا ان یّقال انّ الخلاف ثابت بعد عصر الصحابۃ وھم متّفقون علی ذٰلك و لم ینقل منھم مایدلّ علی خلافہ[۱] صحیح نہیں جیسے بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور مولوی صاحب کا اِلَّا اَنْ یُّقَالَ جیسا لفظ خود مومی ہے۔

۵ جواب۔ تکبیر اور قیام بقدر طمانینت اَمْرَین غَیر مُمْتَدَّ ین کا عدم سقوط عند الضرورت مستلزم عدم سقوط قراءت جیسے فعل ممتد کا نہیں کیونکہ قراءت فاتحہ میں رکعت کے فوت ہونے کا ڈر ہے بخلاف تکبیر اور قیام۔

۶ جواب۔ بعض فرض بھی ضرورت کے وقت ساقط ہوجاتے ہیں دیکھو قیام عند العجز اور رکوع اور سجود عند العجز۔

۷ جواب۔ سقوط عند الضرورۃ مستلزم عدم فرضیت نہیں۔ یہ کئی جواب مولوی عبدالحی صاحب کے امام الکلام سے لئے گئے۔

دوسری وجہ

قراءت خلف الامام کے مخالف عقل ہونے کی جمہور علماء کے نزدیک مطلق خطبہ کا سننا کتاب وسنت سے واجب ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی کا۔ اور قرآن کا سننا خواہ مخواہ خطبہ سے کم نہ ہوگا۔ لِاِشْتِرَاكِ الْعِلَّةِ۔

پہلا جواب۔ اہلِ حدیث کے نزدیک خطبہ کی حالت میں رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ کا پڑھ لینا جائز ہے۔ استماع خطبہ ان کا مانع نہیں کیونکہ رَکْعَتَیْن کا حکم ہے ایسے ہی استماعِ قرآن قراءتِ فاتحہ کا مانع نہ ہوگا۔ لِاِشْتِرَاكِ الْعِلَّةِ وَ هِيَ الْاَمْرُ بِهَا[۲]۔

---

[۱] سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بعد سے ثابت ہے اور وہ (یعنی صحابہؓ) اس پر متفق تھے۔ اور اُن سے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی گئی جو اس کے خلاف دلالت کرے۔

[۲] قدرِ مشترک ہونے کی وجہ سے اور اس کے متعلق یہی حکم ہے۔

۲ جواب۔ جس شخص کی فجر کی نماز قضا ہو جاوے اس کے حق میں اداء صلوٰۃ عِنْدَ الْخُطْبَۃِ حنفی جائز رکھتے ہیں۔ جس دلیل سے یہ خلاف استماع یا تخصیص استماع مانی گئی۔ ایسی ہی دلیل سے قراءت فاتحہ جائز ہے۔

تیسری وجہ

دو قرائتیں ایک حقیقی اور ایک حکمی جمع ہو گی۔ اگر مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔

جواب۔ پھر کیا حرج۔ کوئی جرح شرعی ثابت کر دیجیے۔

چوتھی وجہ

مقتدی مُنَازِعَة سے پڑھے گا یا عِنْدَ السَّکْتَات مُنَازعہ ممنوع ہے اور عِنْدَ السَّکْتَات پر یہ اعتراض ہے کہ امام پر سکتہ فرض نہیں۔ پس اسے اختیار ہے سکتہ نہ کرے۔

جواب۔ مقتدی بدوں منازعت سِرًّا قراءت پڑھے جَهْرًا نہ پڑھے۔

امام صاحب کا مناظرہ

مجھے یاد پڑتا ہے کہ دلیل محکم میں یہ مناظرہ لکھا ہے اِلَّا افسوس رسالہ اس وقت پاس نہیں اور جب دیکھا تھا اس وقت راقم نہایت صغیر السن تھا۔ حافظہ میں جس قدر ہے اسے لکھتا ہوں۔ پانچ سو عالم امام صاحب کی خدمت میں ترکِ فاتحہ کے مخالف جمع ہوئے ان کو جناب نے فرمایا۔ تم سب سے ایک آدمی بات کرے ممکن نہیں اپنی جماعت میں سے منتخب کرو۔ آخر ایک کو منتخب کیا تب جناب امام نے فرمایا۔ کیا اس کا کہنا تمہارا کہنا ہوگا اور اس کا قول تمہارا قول۔ سب نے جواب دیا۔ ہاں امام نے فرمایا۔ یہی تمہارا جواب ہے۔ جب ایک شخص کو بہت آدمیوں نے امام بنایا تو اس کا پڑھنا مقتدیوں کا پڑھنا ہوگا۔ اس پر سب علماء ساکت ہو گئے۔

جواب۔ اوّلؔ نقل صحیح اور ایسے قیاس مع الفارق کا معارضہ کیا۔ دومؔ۔ معلوم ہوا اُس وقت کے بھی پانچ سو عالم اس مسئلے میں امام صاحب کے مخالف تھے۔ سیومؔ۔ یہ ظریفانہ دلیل اگر صحیح ہے تو رکوع اور سجود وغیرہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ اس کا بھی انکار کر دو۔ نماز روزہ حج وغیرہ میں ایک

شخص کوامام بنایا اور چھٹی ہوئی ؎

پایاں نہیں جدال کا انصاف شرط ہے
بے اصل بات اشترِ گرگیں کا ضرط ہے

وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَ يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَن يَّشَآءُ۔ هٰذَا آخر الكلام فى اثبات الفاتحة خلف الامام[1]۔

مولوی عبدالحی صاحب کا انصاف

و من نظر بنظر الإنصاف وغاص فی بحار الفقه و الأصول متجنّبًا عن الاعتساف يعلم علمًا يَقِيْنِيًّا أن أكثر المسائل الفرعية و الأصلية التى اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها أقوى من مذاهب غيرهم و إنّى كلّما أسير فى شُعَب الاختلاف أجد قول المحدّثين فيه قريبًا من الإنصاف فِللّٰه درّهم وعليه شكرهم كيف لا، وهم ورثة النبى صلى الله عليه وسلم حقًّا ونواب شرعه صدقًا. حشرنا الله فى زمرتهم وأماتنا على حبّهم وسيرتهم۔

خلاصہ ترجمہ۔ جو کوئی انصاف سے دیکھے اور فقہ و اصول کے سمندر میں اعتساف سے بچ کر غوطہ لگاوے یقیناً جان لے گا کہ جن اصولی اور فروعی مسائل میں علماء کا اختلاف ہوا وہاں محدثین ہی کا مذہب بہت قوی پائے گا اور میں جب اختلافوں کو دیکھتا ہوں محدثین ہی کا قول اقرب بانصاف پاتا ہوں۔ خدا ان کی قدردانی کرے کیوں نہ ہو وہی رسول اللہ کے وارث ہیں اور وہی شرع کے نواب ہیں۔ اللہ ہم کو اٹھاوے ان کے زمرہ میں اور موت دے انہیں کی حُبّ اور طرز میں۔ **اقول** فی حقّ المنصف و فی حقّی و حقّ احبّائی آمین یاربّ العالمین۔

---

[1] اور اللہ تعالیٰ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ (پڑھنے) کے ثبوت میں یہ آخری بات ہے۔

مولوی محمد فضل الدین صاحب گجراتی حنفی کا جواب اور اس پر جو کلام ہے اس کی طرف اشارہ قال فاتحہ خلف الامام نزد علماءِ ما جائز نیست بلکہ قائل بکراہت شدہ اند۔

فقیر۔مولوی صاحب یہ عموم صحیح نہیں آپ کے علماء تو اس مسئلہ میں حیران ہیں۔کوئی مکروہ بتاتا ہے۔کوئی پڑھنے کو احتیاط کہتا ہے اور کوئی مستحسن کہتا ہے۔کوئی منع کرتا ہے۔کوئی مطلق نفی پر اکتفا کرتا ہے۔کوئی مفسد ہے کوئی محرم ہے۔آپ حنفی فقہ ملاحظہ فرمائیے۔جہاں یہ اختلاف ہے۔ حضرت عام علماء کا لفظ بولنا انصاف نہیں۔

ہاں نزد بعض علماء کا لفظ اگر بولتے ممکن تھا اِلّا کیوں بولتے اگر بعض کا لفظ بولتے تو ایک منصف آپ کو کہہ سکتا تھا فاتحہ خلف الامام نزد بعض علماء حنفی جائز است بلکہ مستحسن کما ذکر ناعن الامام۔پس اقوال متعارض ہوئے۔قال فی الھدایہ و لایقرأ المؤتمّ خلف الامام (ای شَيْئًا يَسِيْرًا مِنَ الْقِرَاءَةِ) خَلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفَاتِحَةِ[1]۔

فقیر۔اگر ہدایہ میں یہ لکھا ہے لَايَقْرَأُ الْمُؤْتَمّ[2] تو قرآن میں کل نمازیوں کو فَاقْرَؤُوْا[3] کا ارشاد ہے امام اور منفرد پر حصر نہیں۔مقتدی کی تخصیص باعث نسخ ہوگی اور عموم قرآنی توڑنا جس کو آپ پسند نہیں کرتے۔یہ تو قرآن کا خلاف ثابت ہوا اور حدیث میں آیا ہے كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَنَسٍ أَتَقْرَؤُونَ فِيْ صَلَاتِكُمْ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ ؟ إلى أَنْ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ۔[4] وَعَنْ عُبَادَةَ صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

---

[1] انہوں نے ہدایہ میں کہا: سورہ فاتحہ کے متعلق امام شافعی کے خلاف ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی قراءت میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔

[2] مقتدی قراءت نہ کرے۔

[3] پس تم پڑھو۔

[4] جیسا کہ امام بخاری نے حضرت انسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ کیا تم اپنی نماز میں قراءت کرتے ہو، جبکہ امام (بھی) قراءت کر رہا ہوتا ہے؟ اس تک کہ آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔اور تم میں سے ہر ایک کو سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھنی چاہیے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّيْ أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَآءَ إِمَامِكُمْ، قُلْنَا إِيْ وَاللهِ، يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِهَا۔[1] اوردارقطنی نے کہا رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ[2] اور ایسے کئی ادلّہ جن کا ذکر ہو چکا۔

مولوی صاحب جی یہ شَيْئًا يَسِيْرًا جو آپ نے بطور حاشیہ ایزاد کیا قرآن کے صریح فَاقْرَؤُوْا مَاتَيَسَّرَ اوراعرابی کی حدیث میں جو ثُمَّ اقْرَأْ مَاتَيَسَّرَ مَعَكَ[3] ہے اس کے بھی خلاف ہے اور آپ نے جو فرمایا۔ خَلَافًا لِلشَّافِعِي۔ اس پر والقرآن و الحدیث و اکثر اھل العلم من الصحابة و ما لایحصی من التابعین علیٰ ماروی البخاری و الترمذی[4] زیادہ فرما دیجیے۔ قَالَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[5]

فقیر۔ واللہ لکم القیاسات خلافًا للنصوص۔[6] کیونکہ یہ حدیث جمع حفاظ کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھو فتح البخاری اور تلخیص۔ پھر عام مخصوص البعض ہے كَمَا ذُكِرَ غَيْرَ مَرَّةٍ۔[7]

---

[1] اورحضرت عبادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپؐ پر تلاوت مشکل ہوگئی۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے عرض کیا: جی ہاں، یارسول اللہ! (ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔) آپؐ نے فرمایا: ام القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) کے سوا ایسا نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہے۔

[2] اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

[3] پھر (قرآن میں سے) جو تمہیں میسر ہو، پڑھو۔

[4] اور قرآن، حدیث، اکثر اہل علم صحابہ اور بے شمار تابعین اس بات پر ہیں جو امام بخاریؒ اور ترمذیؒ نے روایت کی ہے۔

[5] انہوں نے کہا: ہمارے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ السلام کا یہ قول (کافی) ہے کہ ''امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے''۔

[6] اللہ کی قسم! تمہارے قیاسات نصوص کے خلاف ہیں۔

[7] جیسا کہ کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے۔

صاحبِ من آپ لوگوں نے تو اس مسئلہ میں ادلّہ قرآن وحدیث کو متعارض پایا ہے۔ اگر احادیث سے آپ کا دلیل پکڑنا کافی اور صحیح ہوتا تو عقل اور قیاس سے استدلال نہ پکڑتے اور نہ کہتے ۔قَدْ تَعَارَضَ الْاَدِلَّةُ فَرَجَعْنَا اِلَى الْقِيَاسِ. قَالَ (الْمَوْلَوِیْ) وَعَلَيْهِ اِجمَاعُ الصَّحَابَةِ (سَمَّاهُ اِجْمَاعًا بِاِعْتِبَارِ الأكثر).[۱]

فقیر۔ بَلْ عَلٰى خَلَافِهٖ كَمَا رَأَيْتَ فَانْصَفْ۔[۲]

قال۔ و هو ركن مشترك بينهما و لكن خطو المقتدى الانصات و الاستماع قال وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا۔[۳]

فقیر۔ نعم ركن مشترك. والقراءة السريّة لاينافي الانصات انظر الى حديث فيه ما اسكاتك بين التكبير و القراءة ما تقرأ، مع ان اللفظ وهم والعام يبنى على الخاص. و قد مرّ بسط الجواب۔[۴]

قال۔ و يكره عندهما (اى الشيخين).[۵] **فقیر**۔ اترك ذينك الشيخين اذا لم

---

[۱] دلائل میں اختلاف ہے لہٰذا ہم قیاس کی طرف لوٹے ہیں۔ مولوی (عبدالحی) صاحب نے کہا: اور اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (انہوں نے اکثریت کی وجہ سے اسے اجماع کا نام دیا ہے)

[۲] لیکن یہ (اکثریت) تو اس کے خلاف ہے جیسا کہ تم نے دیکھ لیا ہے پس انصاف سے کام لو۔

[۳] اور (نماز کا) یہ رُکن دونوں کے مابین مشترک ہے لیکن مقتدی کی اطاعت خاموش رہنا اور توجہ سے سننا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اور جب (امام) پڑھے تو خاموش رہو۔

[۴] ہاں (نماز کا) یہ رُکن مشترک ہے۔ اور سرّی (نمازوں کی) قراءت خاموش رہنے کے منافی نہیں، اس حدیث کو دیکھو جس میں ہے کہ تکبیر اور قراءت کے درمیان آپؐ کی خاموشی کیونکر ہے، آپؐ (اس میں) کیا پڑھتے ہیں؟ اس (بات) کے ساتھ (دیکھو) کہ اس لفظ میں گمان ہے اور عام کی بناء خاص پر ہوتی ہے۔ اور (اس کا) تفصیلی جواب گذر چکا ہے۔

[۵] ان دونوں (بزرگوں یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) کے نزدیک یہ ناپسندیدہ ہے۔

یذکرا عن سید الکونین و تمسك بحبل الله المتین القرآن و حدیث رسوله الامین او اجعل الشیخین عمر الفاروق و علی المرتضی و اقرأ خلف الامام کما کانا یقرآن اتباعًا للرسول المجتبی۔ ثُمَّ لِاَیِّ اَمْرٍ تختار شیخیك علی الإمامین الجلیلین البخاری و المسلم و کانا بالاجماع الشیخین۔[1]

قال۔ لما فیه من الوعید انتهٰی بتغیّر یسیر۔ انتهٰی۔[2]

فقیر۔ما فی اتباع القرآن والحدیث من الوعید انما الوعید لمن ترکهما و اتخذهما ظهریًا بل فی اتباعهما وعد الصدق و تغیرك الیسیر موجب للخطأ الکبیر و الخیانة الکثیر عفا الله عنك موصل الی السعیر۔ ترکت قول الهدایة و یستحسن علی سبیل الاحتیاط وما خفت من الرب القدیر۔[3]

قال۔ وما یروی عن محمد انه لیستحسن علی سبیل الاحتیاط فردّه ابن الهمام حیث قال ان الاحتیاط لیس فی قراءة خلف الإمام بل فی عدمه لان الاحتیاط

---

[1] ان دو بزرگوں کو چھوڑ و جبکہ ان دونوں نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے (اسے) بیان نہیں کیا۔ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآنِ کریم اور اس کے رسول امین کی حدیث سے چمٹ جاؤ۔ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین تسلیم کر کے امام کے پیچھے قراءت کرلو، جیسا کہ وہ دونوں رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں قراءت کیا کرتے تھے۔ پھر تم کس بات پر اپنے ان دو بزرگوں کو اُن جلیل القدر دو ائمہ بخاری اور مسلم پر اختیار کرتے ہو، جو بالاجماع شیخین ہیں۔

[2] کیونکہ اس میں چھوٹی سی تبدیلی کرنے کے متعلق بھی وعید ہے۔

[3] قرآن اور حدیث کی اتباع میں کیا وعید؟ وعید تو صرف اُس کے لیے ہے جس نے ان دونوں کو چھوڑا اور پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ ان دونوں کی اتباع کرنے میں تو ایک سچا وعدہ ہے۔ اور تمہاری چھوٹی سی تبدیلی کر لینا بہت بڑی خطا اور بہت بڑی خیانت کی مستلزم ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں بھڑکتی ہوئی جہنم تک پہنچنے سے محفوظ رکھے۔ تم نے ہدایت کی بات چھوڑی اور احتیاط کی راہ سے اسے مستحسن قرار دیتے ہو، اور ربِّ قدیر سے نہیں ڈرتے۔

هو العمل بأقوى الدليلين وليس مقتضى اقويها القراءة۔[1]

فقیر۔ تركتَ ترجيح الهداية و ذكرت كأنه ليْس قولها وبئس الترك و الرد وقد رأيت حال اقوى الدليلين فيما سلف۔[2]

قال۔ وقد روى عن عدة من الصحابة فساد الصلاة بالقراءة خلفه فأقويهما المنع انتهٰى ملخّصًا۔ انتهٰى۔[3]

فقیر۔ وما اتبعتَ هٰؤُلَآءِ الصحابة وما رجعت الفساد فخالفتَ عدة من الصحابة وما اتبعت أقوى الأدلّة وما لخصتَ إلّا لهتك استارك۔ فما نقول لك الا أين اسناد تلك الآثار، بين حتى انظر، او ينظر غيرى من ذوى الأيدى و الأبصار۔[4]

قال۔ وفى البناية منع المقتدى من القراءة مروى من ثمانين نفرًا من الصحابة قال صاحب الكافى مِنْهُمُ الْمُرتَضَى وَالْعَبَادِلَة۔ وفى الكرمانى عن الشعبى ادركت سبعين

---

[1] اور جو کچھ محمد (بن حسن) سے مروی ہے کہ وہ احتیاط کے پیش نظر اسے مستحسن کہتے تھے، تو ابن ہمام نے اسے ردّ کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے کہ احتیاط امام کے پیچھے قراءت کرنے میں نہیں بلکہ قراءت نہ کرنے میں ہے، کیونکہ احتیاط ایسا عمل ہے جو دونوں دلیلوں میں سے مضبوط ترین ہے، اور مضبوط ترین سے مقصود قراءت کرنا نہیں ہے۔

[2] تم نے ''الہدایۃ'' کی ترجیح کو چھوڑ دیا اور ایسے ذکر کیا کہ گویا یہ اس کا قول ہی نہیں۔ اور یہ چھوڑ دینا اور ردّ کر دینا بہت ہی بُرا ہے۔ حالانکہ تم دونوں دلیلوں میں سے مضبوط ترین دلیل کا حال جیسا کہ گذرا ہے دیکھ چکے ہو۔

[3] اور امام کے پیچھے قراءت سے نماز کا فاسد ہونا متعدد صحابہ سے روایت کیا گیا ہے۔ پس خلاصۃً ان دونوں (دلیلوں) میں سے مضبوط رُکنا ہی ہے۔

[4] اور تم نے ان صحابہ کی پیروی نہیں کی اور نہ ہی تم نے فساد سے رجوع کیا، پس تم نے متعدد صحابہ کی مخالفت کی اور مضبوط ترین دلیل کی اتباع نہیں کی۔ اور صرف اپنی پردہ دَری کروانے کو ہی اختیار کیا ہے۔ پس ہم تمہیں صرف یہی کہتے ہیں کہ ان روایات کی اسناد کہاں ہیں؟ واضح کرو تا کہ میں دیکھ لوں یا میرے علاوہ صاحب دسترس اور صاحب بصیرت لوگوں میں سے کوئی دیکھ لے۔

بدريًا كلهم على انه لايقرأ خلف الامام. كذا ذكره على القاری۔[1]

فقیر۔ ليس البناية من كتب الحديث والآثار بل ولا من الكتب التي عليها شيء من الاعتبار بل اقول صاحب النهاية والكافي قد كذبا كذبًا صريحًا و ارتكبا غلوًّا قبيحًا فان كنت في شك مما انزلنا اليك فاسئل الذين قدوسعوا النظر في الاسناد وهم اهل الذكر و الاعتماد۔[2]

مسئلہ مدرک رکوع کی بحث

اصل سوال۔ مدرک رکوع مدرک رکعت میشود یا نے۔

جواب۔ رکوع کا مدرک اگر رکوع سے پہلے فرائض اور شرائط کو ادا کر چکا ہے تو مدرک رکعت ہے اگر ادا نہیں کر چکا تو نہیں۔ مثلاً مدرک رکوع بدوں وضو شریک نماز ہوا اس کی رکعت نہیں ہوتی۔ یا بدوں تکبیر شامل ہوا تو اس کی رکعت اور نماز نہیں ہوئی یا بدوں قراءت فاتحۃ الکتاب اور قیام بقدر طمانینت شامل نہ ہو تو اس کی رکعت نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ قراءت فاتحۃ الکتاب میں ہمارے پاس والے بھائی مخالف ہیں۔ اس لئے اوّل فاتحہ کے ہر رکعت میں فرض ہونے کے دلائل بیان کرتا ہوں پھر اس مسئلہ کی وجہِ بنا اس پر پھر اُن اعتراضوں کا جواب جو قائل عدم اعتدا درکعت پر وارد ہوتی ہیں دوں گا۔ پھر اخیر میں مولوی صاحب کے دلائل پر مختصر کلام کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] اور ''البناية (شرح الهداية للعيني)'' میں ہے کہ مقتدی کو قراءت سے منع کرنا صحابہ میں سے اَسی (80) افراد سے مروی ہے۔ الکافی کے مصنف نے کہا کہ (حضرت علی) مرتضیٰؓ اور عبداللہ نامی (صحابہ) ان میں سے ہیں۔ اور کرمانی میں شعبی سے روایت ہے کہ میں نے ستر (70) بدری صحابہ کو اس موقف کا حامل پایا، کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ مُلّا علی القاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

[2] البناية حدیث اور آثار کی کتب میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اُن کتب میں سے بھی نہیں ہے جن پر کچھ اعتبار ہوتا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ البنایہ اور الکافی کے مصنفین نے کھلم کھلا کذب بیانی کی ہے اور ان دونوں نے نہایت ناپسندیدہ غلو کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر بھی اگر تم اس کے متعلق جو ہم نے تمہارے سامنے بیان کیا ہے کسی شک میں ہو تو اُن لوگوں سے پوچھ لو، جنہیں علم اسناد میں وسعتِ نظر حاصل ہے، اور وہی لوگ نصیحت و اعتماد والے ہیں۔

پہلی دلیل بخاری اور مسلم کی متفق حدیث میں مُسِیء فِی الصَّلَاۃ[1] کا اصل قصہ آچکا ہے چنانچہ ہمارے مولوی صاحب نے بھی مطلق قراءت قرآن میں اسی سے استدلال پکڑا ہے۔عن أبی ھریرۃ مرفوعًا فی قصّۃ المُسِیئ علّمنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قمت الی الصلاۃ فکبّر ثم اقرأ ما تیسر معك من القرآن. وفی روایۃ لأحمد وابن حبان ثم اقرأ بأم القرآن ثم اقرأ بما شئت. وفی روایۃ لأبی داؤد والنّسائی مِنْ حَدِیْثِ رِفَاعَۃَ: فَإِنْ کَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ بِہٖ وَ إِلَّا فَاحْمَدِ اللہَ وَ کَبِّرْہُ وَهَلِّلْهُ. وفی روایۃ لأبی داود مِنْ حَدِیْثِ رِفَاعَۃَ: ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللہُ تَعَالٰی. ثم فی المتفق علیه: ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا. وفی النووی: ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ اتَّفَقَا فَقَالَا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِی صَلَاتِكَ كُلِّهَا. وعند أحمد وابن حبان والبیھقی کما فی التلخیص ثم اصنع ذٰلك فی کلّ رکعۃ۔[2] اس حدیث میں

---

[1] نماز میں غلطی کرنے والا۔

[2] (نماز میں) غلطی کرنے والے کے واقعہ کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ (اُس نے کہا:) آپؐ مجھے سکھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتو تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے جو تمہیں میسر ہو پڑھو۔اور امام احمد اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ (آپؐ نے فرمایا:) پھر اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو، پھر (قرآن سے) جو چاہو پڑھو۔اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے جو حضرت رفاعہؓ کی حدیث ہے کہ پھر اگر تمہیں قرآن (میں سے کچھ) یاد ہو تو اسے پڑھو، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور کبریائی بیان کرو اور لا الہ الا اللہ کہو۔اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے جو حضرت رفاعہؓ ہی کی حدیث ہے کہ پھر تم اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو اور (وہ بھی پڑھو) جس کی اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ پھر ایک متفق علیہ (روایت) میں ہے کہ پھر تم رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہوجائے۔ پھر اُٹھو، یہاں تک کہ بالکل ٹھیک کھڑے ہوجاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدہ میں تمہیں اطمینان ہوجائے۔ پھر اُٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اور نووی میں ہے: پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرلو۔ پھر (امام بخاری ومسلم) دونوں نے متفقاً کہا ہے کہ پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح کرو۔اور جیسا کہ التلخیص میں ہے کہ احمد، ابن حِبّان اور بیہقی کے نزدیک یہ ہے کہ پھر ہر رکعت میں اسی طرح کرو۔

دیکھواور یہ بھی یادرکھوز یادت ثقہ کی مقبول ہے۔قال ابن الھمام فی حاشیۃ الھدایۃ: لَوْ تَفَرَّدَ الثِّقَةُ وَجَبَ قَبُوْلُهٗ (وَقَالَ) زِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ. انتھٰی۔[1] اس حدیث میں خلّاد بن رافع کوجس نے نماز میں کچھ غلطی کی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹااور کہا صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔[2] پھر قراءت اُمّ القرآن اور بِمَا شَآءَ کا حکم دے کر فرمایا ہر رکعت میں اور تمام نماز میں ایسا ہی کر۔ پس ثابت ہوا کہ قراءت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے۔ پندرہ برس کا عرصہ گذرا کہ مجھ سے کسی عامل بالحدیث نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا۔ اس وقت میں نے عدم اعتدادِ رکعت کا اس مدرک رکوع کے حق میں جس نے ترک قراءت فاتحہ کی فتوىٰ دیا اور پھر اس جستجو میں تھا کہ کوئی اور بھی اہل حدیث سے اس فتوىٰ میں میرا شریک ہے یا نہیں مدت کے بعد سنا کہ مولوی محمد حسین صاحب بھی یہی فتوىٰ دیا کرتے ہیں۔ پھر ایک حنفی سے گفتگو کا اتفاق پڑا تو ان سے پوچھا گیا کہ ہر رکعت میں رکوع کرنے کی آپ لوگوں کے پاس کیا بُرہان ہے چونکہ آپ صاحبوں کے نزدیک ہر رکعت میں رکوع کا کرنا فرض ہے اس لئے اَدِلَّه قَطْعِيَّه لَاشُبْهَةَ فِيْهَا۔[3] سے ثابت ہونا چاہیئے اِلَّا انہوں نے اس وقت کوئی دلیل نہ فرمائی۔ مجھے امید تھی کہ اگر کوئی ایسی دلیل بیان فرماتے جس سے ہر رکعت میں رکوع کا فرضاً کرنا ثابت ہوجاتا تو اسی ہی دلیل سے ہر رکعت میں فرضاً فاتحۃ الکتاب پڑھنے کی بھی دلیل نکل آتی (افسوس) پھر مدت کے بعد سنا کہ شوکانی بھی اسی طرف ہیں۔ تھوڑا عرصہ گذرا کہ محض خدا کے فضل سے شوکانی کی نَيْلُ الْاَوطار راحت جان اور مزید

---

[1] ابن ہمام نے ھدایۃ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر ثقہ اکیلا ہوتو بھی اس کا قبول کرنا واجب ہے (اور انہوں نے کہا) ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔

(فتح القدير شرح الهداية لابن الهمام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[2] پھر نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

(صحيح البخاری، كتاب الأذان بَابُ وُجُوبِ القِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا)

[3] ایسے قطعی دلائل جن میں کوئی شبہ نہ ہوسکے۔

ایمان ہوئی۔ (الحمد لله اللّٰهم زدنی علمًا و ایمانًا آمین) اس میں اس مسئلہ کو دیکھ کر وہ خوشی حاصل ہوئی جس کے بیان کو کاغذ میں وسعت نہیں۔

نواب بھوپال۔جن کی کوشش سے یہ کتاب چھپی اور قاضی شوکان کے حق میں جزاهما الله احسن الجزاء کہتا ہوں۔ پھر کئی روز کے بعد امام الکلام مولوی عبدالحی صاحب دیکھ کر معلوم ہوگیا کہ فتویٰ عدم اعتداد رکعت کا خلاف قوی نہیں بلکہ اس کا خلاف کچھ بھی نہیں۔وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَتَمّ۔ امام الکلام کے بعض ان اعتراضوں کا جواب فقیر عرض کرے گا جو بظاہر مستحکم ہیں ومن الله التّوفيق۔

دوسری دلیل ہر رکعت میں قراءت کی یہ ہے۔امام بخاری نے جزء القراءت میں فرمایا ہے۔ عَنْ أَبِي السَّائِبِ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى رَجُلٌ والنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ قَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ (إلى أَنْ) قَالَ فَحَلَفَ لَهٗ كَيْفَ اجْتَهَدْتَ فَقَالَ لَهٗ اِبْدَأْ فَكَبِّرْ وَتَحْمَدُ اللّٰهَ وَتَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ تَرْكَعُ حَتّٰى يَطْمَئِنَّ صُلْبُكَ۔[1] و فی روایة عن البخاری: كَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ، (ثُمَّ كَبِّرْ) ثُمَّ ارْكَعْ۔[2] وقال البخاری عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص حضرت ابوسائبؓ سے روایت ہے (انہوں نے کہا) کہ ایک آدمی نے نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے۔ جب اس نے اپنی نماز ختم کی تو آپؐ نے فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، (اس بات تک کہ) پھر اس نے آپؐ سے قسم کھا کر پوچھا کہ آپؐ کیسی کوشش چاہتے ہیں؟ آپؐ نے اُس سے فرمایا: (نماز) شروع کرو تو اللہ اکبر کہو، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور ام القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو۔ پھر رکوع کرو یہاں تک کہ تمہاری کمر پر اطمینان ہو جائے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاری، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[2] اور امام بخاریؒ سے ایک روایت میں ہے کہ تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے جو میسر ہو، پڑھو۔ (پھر تکبیر کہو) پھر رکوع کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاری، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ۔[1] ان احادیث میں صاف حکم ہے کہ رکوع کو قراءت کے بعد کرو۔

تیسری دلیل امام بخاری نے مختلف طُرق سے ابوقتادہ اور انس اور ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا۔إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.[2] اس حدیث کے لحاظ سے جس شخص سے قراءت یا قیام فوت ہوگیا تو حسب الحکم شارع علیہ السلام اس کو پورا کرنا ضرور ہوا اس کے شواہد یہ ہیں۔ جیسے ابن ماجہ نے ابوسعید سے روایت کیا۔ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب فی کل رکعۃ[3] اگرچہ اس کے راوی طریف بن شہاب اور محمد بن فضیل میں کلام ہے اِلّا شاہد لانے میں حرج نہیں۔

چوتھی دلیل۔ امام بخاری نے جزءُ القراءۃ میں فرمایا ہے حَدَّثَنَا أَيُّوبُ (إِلَى أَنْ قَالَ) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ مَا فَاتَهُ۔[4] یہ حدیث میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ میرے بعض مخالف ابوہریرہ کی حدیث میں رکعت کے معنے رکوع لیا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں رکعت کے معنے رکوع حقیقت لغوی ہے۔ اب اِلَّا اَنْ يَّقْضِيَ کے لفظ سے اپنی تسلی کریں اور اگر بدوں قراءت رکوع میں شامل ہوئے تو حسبِ فرمان نبوی قراءت فوت شدہ کے قضا کرلیں۔ قال اللہ تعالیٰ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

---

[1] اور امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت بیان کی کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتو اللہ اکبر کہو پھر قرآن میں سے جو تمہیں میسر ہو پڑھو۔ پھر رکوع کرو۔

(بخاري, كتاب الآذان, بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا)

[2] جب تم نماز کے لیے آؤ تو جو تم پالو، پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے اُسے (بعد میں) پورا کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاری، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

[4] ایوب نے ہم سے بیان کیا۔ (یہاں تک کہ انہوں نے کہا) ابوسلمہ سے روایت ہے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے (نماز) پالی، مگر یہ کہ جو اُس سے رہ گیا، اُسے پورا کرلے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاری، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

تَهْتَدُوْا [۱] سچ ہے۔ ہدایت یاب وہی ہیں جنہوں نے اطاعت رسول اللہ صلعم کی اختیار کی اور رسول اللہ صلعم اِقْرَأْ ثُمَّ ارْکَعْ [۲] فرماتے ہیں پس مطیع وہی ہوا جس نے قراءت پڑھی پھر رکوع کیا رکوع قبل القراءت اور رکوع بعد القیام بدون القراءت میں اطاعت نہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰہُ. [۳] پس ہم لوگ قراءت کو رکوع سے پہلے پڑھتے ہیں۔ نبدأ بما بدأ اللہ پر عمل کرتے ہیں اگر قراءت فوت ہوجائے تو اس کی قضا کرتے ہیں (اور رسول کا فرمانا اللہ کا فرمانا یقین کرتے ہیں)۔

پانچویں دلیل۔ ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنے کی فرضیت پر بخاری کی روایت سے قتادہ کی حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلْعَمْ کَانَ یَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔ ترجمہ رسول اللہ صلعم ہر رکعت میں الحمد پڑھتے تھے۔ بخاری ہی کی روایت سے ثابت ہوا صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا۔ دونوں حدیثوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں قراءت فاتحہ فرض ہے اور اس کے شواہد سے ہے۔ ابوسعید کی حدیث۔ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ رَوَاہُ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِی التَّحْقِیقِ (إلی أَنْ) قَالَ: وَمَا عَرَفْتُ ھٰذَا الْحَدِیْثَ وَعَزَاھَا غَیْرُہٗ بِرِوَایَةِ إِسْمَاعِیْلَ. قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْھَادِیْ فِی التَّنْقِیحِ: رَوَاہُ إِسْمَاعِیْلُ ھٰذَا وَھُوَ صَاحِبُ الْإِمَامِ أَحْمَدَ، وَفِیْ سُنَنِ ابْنِ مَاجَۃَ مِنْ حَدِیْثِ أَبِیْ سَعِیْدٍ لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ بِالْحَمْدِ وَسُوْرَةٍ فِیْ فَرِیْضَةٍ أَوْ غَیْرِھَا. [۴] یہ صرف شواہد

---

[۱] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس کی اطاعت کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔

[۲] قراءت کرو پھر رکوع کرو۔

[۳] ہم اس سے شروع کرتے ہیں جس سے اللہ نے شروع کیا ہے۔

[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کریں۔ ابن جوزی نے ''التحقیق فی احادیث الخلاف'' میں اسے روایت کیا۔ (اس بات تک کہ) انہوں نے کہا: اور میں اس حدیث کو نہیں جانتا، اور ان کے علاوہ کسی اَور نے اسے اسماعیل (بن سعید) کی روایت کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن عبدالہادی نے التنقیح میں کہا ہے کہ اسے اسماعیل نے روایت کیا جو امام احمد (بن حنبل) کے ساتھی تھے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوسعیدؓ کی ایک حدیث ہے کہ اُس کی نماز نہیں جس نے فرض یا اس کے علاوہ (سنت ونوافل) کی ہر رکعت میں الحمد للہ اور کوئی اور سورۃ نہ پڑھی۔

ہیں۔ان کا ضعف ہمیں مضرنہیں۔ یہ پانچویں دلیل میں نے تبرکاً لکھی ہے۔تبرکاً اس لئے کہ امام بخاری سے اسی طرز کے قریب جزء القراءۃ میں موجود ہے۔ اِلّا بخاری نے شواہدنہیں لکھے۔اس دلیل کے تمام ہوتے ہی مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بعضے ناظر اس دلیل پر جوش کریں گے کیونکہ کیدانی نے رسول اللہ صلعم کی مواظبت کوسنیت کا مستلزم بنایا ہے نہ فرضیت کا۔اس لئے فقرات ذیل گذارش ہیں۔عینی نے ہدایہ کے حاشیہ میں کہا ہے۔دیکھو باب النوافل۔ فإن قلت: قَوْله تَعَالَى: ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (الحج: ۷۷) أمر ومع هذا يتكرر فی كل ركعة. قلتُ ذلك لفعل النبی عَلَيْهِ السَّلَامُ لأنه لم ينقل عنه الاكتفاء بركوع واحد ولا الاكتفاء بسجود۔[۱]
سوال کا خلاصہ یہ ہے امر تکرار کا مقتضی نہیں پھر ہر رکعت کے رکوع وسجود کی فرضیت کیونکر ثابت ہو گی۔جواب میں کہا ہے کہ یہ فرضیت فعل نبوی سے ثابت ہے۔کیونکہ ایک ہی رکوع یا ایک سجود پر اکتفا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہوا۔اس جواب میں صاف ظاہر ہے کہ مواظبت سے فرضیت ثابت کی ہے۔طُرہ یہ کہ عَدمُ النقل کونقلُ العَدم سمجھا ہے۔اب حسب قول آپ کے ہم بھی کہتے ہیں ہر رکعت میں فاتحۃ الکتاب پڑھنے پر رسول اللہ صلعم نے مواظبت فرمائی ہے۔عدم قراءت فاتحہ پر اکتفا منقول نہیں کسی حدیث مرفوع اور صحیح میں اکتفا بعدم القراءت کا ذکرنہیں پس قراءت فاتحہ ہر رکعت میں فرض ہوگی۔

اور صحیحین کے مقابل کی اصح الکتب ہدایہ شریف میں رکعت ثانیہ میں قراءت کی فرضیت پر ایک ایسے عجیب قیاس سے کام لیا ہے جس کی نسبت

ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ منکرم　　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

بیان اجمال یہ ہے کہ حنفیہ فرضوں کی دو رکعتوں میں اور وتروں نفلوں کی کل رکعتوں میں

---

[۱] اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کا قول ’’رکوع کرو اور سجدہ کرو‘‘ ایک اَمر ہے اور اس کے ساتھ ہر رکعت میں تکرار کی جاتی ہے۔تو میں کہوں گا کہ یہ نبی علیہ السلام کے عمل کی وجہ سے ہے، کیونکہ آپؐ سے ایک رکوع پر اکتفاء کرنا اور ایک سجدہ کو کافی سمجھنا نقل نہیں کیا گیا۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی القراءة، حكم القراءة فی الفرض)

قراءت کوفرض بتاتے ہیں۔اگرکسی حنفی نے واجب کہا ہےتو اس کے واجب کی تفسیر عینی وغیرہ نے یوں فرمائی ہے أَيْ لَازِمَةٌ وَفَرِيْضَةٌ۔[۱] صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ پر برہان قائم فرمائی ہے امر تکرار کا مقتضی نہیں اور ہم نے دوسری رکعت میں قراءت کی فرضیت پہلی رکعت پر قیاس کر کے ثابت کی ہے۔ کیونکہ پہلی اور دوسری رکعت باہم ایک طرح کی ہیں۔اور دونوں دوسری دونوں پہلیوں سے علیحدہ ہیں دیکھو سفر میں آخر کی دونوں (رکعات) ساقط ہوجاتی ہیں۔پہلیوں میں اگر جہر ہےتو ان میں جہر نہیں جتنی لنبی قراءت پہلیوں میں ہے اتنی ان پچھلی دو میں نہیں۔کئی حنفیوں نے وجوب کا تفرقہ بھی مانا ہے کیا معنے جس پر پہلی رکعت واجب ہے اس پر دوسری بھی واجب ہے اور تیسری چوتھی کا وجوب اس پر ضروری نہیں دیکھو رباعی میں مسافر پر پہلی دوسری رکعت تو فرض ہے مگر تیسری چوتھی فرض نہیں۔

ہدایہ کی اصل عبارت وَالْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ. وَإِنَّمَا أَوْجَبْنَا فِي الثَّانِيَةِ اِسْتِدْلَالًا بِالْأُوْلٰى لِأَنَّهُمَا يَتَشَاكَلَانِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَأَمَّا الْأُخْرَيَانِ فَيُفَارِقَانِهِمَا فِي حَقِّ السُّقُوْطِ بِالسَّفَرِ وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ وَقَدْرِهَا.[۲] اس کلام پر گذارش اوّل جب امر تکرار کا مقتضی نہیں تو ایزاد تکرار نسخ ہوگا یعنی ابطال اطلاق اور نسخ بالقیاس جائز نہیں۔

دوئم۔ امام صاحب کے مناقب اور حنفیہ کے اصول میں لکھا ہے کہ امام کے نزدیک حدیث ضعیف قیاس سے مقدم ہے۔ میرے خاص مخاطب اوران کے بڑے معین کو شیخ عبدالحق دہلوی کا قول نہایت قوی دلیل ہے اس لئے بتصدیق ان کا قول نقل کرتا ہوں شیخ صاحب فرماتے

---

[۱] یعنی لازمی اورفرض ہے۔

[۲] کسی کام کا امر (اسے) بار بار دُہرانے کا تقاضا نہیں کرتا۔اور پہلی (رکعت) سے استدلال کرتے ہوئے ہم نے دوسری (رکعت) میں قراءت کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ یہ دونوں (رکعتیں) ہر طرح سے ہم شکل ہیں، اور دوسری دونوں جو ہیں وہ تو سفر میں ساقط ہونے اور قراءت کی صفت اوراس کی مقدار کے سبب سے اِن دونوں (پہلی رکعتوں) سے فرق رکھتی ہیں۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی القراءة)

ہیں وآنچنانکہ تقیید واتباع امام ابوحنیفہ باحادیث واقوال صحابہ است دیگر برانیست امام حافظ ابومحمد بن حزم (یہ لفظ ناظرین کو یادرہے) گفتہ کہ اصحاب ابوحنیفہ ہمہ متفق اند کہ حدیث ہرچند ضعیف باشد مقدم تر واولیٰ تر از قیاس واجتھادست ووَے رضی اللہ عنہ تا بحدِّ ضرورت نرسد عمل بقیاس نکند وعمل بحدیث باقسامہ از دست ندہد۔ الی ان قال۔ واز اقسام قیاس نیز جز بقیاس مؤثر عمل نکند وقیاس تناسب وقیاس شبہ وقیاس طرد ہمہ نزدوی دمتروک وغیر معمول ست۔

فقیر۔ عرض کرتا ہے تعجب ہے ہمارے حنفیہ کا عمل درآمد امام صاحب کے اس چال پر کیوں نہیں۔ شیخ صاحب کے اس قول سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔

اوّل یہ کہ قیاس نہایت ہی گری ہوئی چیز ہے کتاب اللہ یا حدیث صحیح یا حسن کے سامنے کیا بلکہ ضعیف کے سامنے بھی حجت نہیں۔

دوم۔ حدیث ضعیف کے بعد بھی اس کی کوئی قسم بجز قیاس مؤثر قابل نہیں اس کی سب قسمیں متروک ہیں۔

سیوم۔ تقیید واتباع باحادیث وآثار کمال کا موجب ہے۔

چہارم۔ ابن حزم حافظ اور امام ہیں۔ (حنیفہ نے ان پر بہت بہت طعن کئے ہیں)۔

پنجم۔ امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ جب ضعیف حدیث پر عمل کرلیتے تھے جیسے شیخ نے کہا اور اسے قیاس پر مقدم کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے فرمایا ہے کہ مجتہد کا استدلال کسی حدیث پر اس حدیث کی تصحیح ہے یا کہا ہے کہ امام صاحب کے استدلال کی حدیثیں اگرآج ضعیف ہیں تو امام کے وقت وہ ضرور قوی تھیں بالکل صحیح نہیں کیونکہ امام کے نزدیک جب احادیث ضعیفہ سے استدلال درست تھا تو ان کے کل دلائل حدیثیہ پر صحت کا کس طرح یقین ہوسکتا ہے بلکہ حنفیہ منقطع مرسل موقوف اور مدلّس کی حدیث اور اثر صحابی سے حجت پکڑنے کے مجوز ہیں پس ان کے دلائل پر یقین کرنا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ پر مبنی ہیں صحیح نہ ہوگا۔

اب صاحب ھدایہ کی طرف توجہ کیجیے۔ جناب نے دوسری رکعت میں اثبات فرضیت

قراءت پر قیاس سے کام لیا ہے اور بخلاف امام ابوحنیفہ احادیث صحیحہ اور ضعیفہ اور ان کے نصوص اور عبارات کو چھوڑ دیا ہے۔ شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے سفر السعادت کی شرح میں ھدایہ والے کی نسبت سچ کہا ہے غالباً اشتغال وقت ان استاد در علم حدیث کمتر بودہ است (کم کے لفظ کے ساتھ تر کا اضافہ بھی لطیفہ ہے) مسی کی صحیح حدیث اور احادیث مثبتہ بعدیت رکوع قراءت سے باایں کہ وہ حدیثیں بلا معارض ہیں اور احادیث ضعیفہ سے ابوسعید کی مرفوع حدیث ان النبی ﷺ أمر بقراءة فی کل رکعة [1] کو جو تحقیق ابن جوزی میں ہے اور ابن ماجہ کی لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ إِلَى آخِرِهٖ [2] کو۔ اور یہ حدیثیں پانچویں دلیل کے شواہد میں گذری ہیں اور آثار صحابہ سے جن کا ذکر آتا ہے استدلال کو ترک کر دیا ہے۔ اور قیاس سے استدلال پکڑا پھر قیاس بھی وہ جو متروک ہے یعنی قیاس شبہ جس کو فقہا اِسْتِدْلَالٌ بِالشَّيْءِ عَلٰى مِثْلِهٖ [3] کہتے ہیں اور وہ فرع کا الحاق ہے اصل کے ساتھ لِكَثْرَةِ اِشْبَاهِهٖ لِلْاَصْلِ فِي الْاَوْصَافِ [4] اور اصول کے کتابوں میں ہے۔ انہ لیس بحجة عند اکثر الحنفیة و الیہ ذهب من ادعی التحقیق منهم و الیہ ذهب قاضی ابوبکر والاستاد ابوالنصر و ابواسحاق المروزی و ابواسحاق الشیرازی و الصَّيْرَفِيُّ و الطبری [5] اور یہ قیاس بھی صحیح نہیں کیونکہ قولہ اَلْاَمْرُ لَايَقْتَضِي التَّكْرَارِ [6] کو اگر اَلْعِبْرَةُ

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں قراءت کرنے کا حکم دیا ہے۔

[2] اُس کی نماز نہیں جس نے ہر رکعت میں قراءت نہ کی............(آخر تک)

[3] کسی چیز کے ساتھ اُس کے مثل قرار دے کر استدلال کرنا۔

[4] صفات میں اصل کے ساتھ کثرتِ مشابہت کی وجہ سے۔

[5] اکثر احناف کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔ اور اس کی طرف وہی گیا ہے جس نے اُن میں سے تحقیق کا دعویٰ کیا ہے اور قاضی ابوبکر، استاذ ابوالنصر، ابواسحاق مروَزی، ابواسحاق شیرازی، صیرفی اور طبری ہی اس (سے استدلال) کی طرف گئے ہیں۔

[6] اَمر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ[۱] کے ساتھ ملاویں تو حسب امر آیت فَاقْرَؤُوْا مَاتَيَسَّرَ مطلق قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے مکلّف کو اختیار ہے کسی وقت پڑھ لے بلکہ اگر بخلاف اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ فَاقْرَؤُوْا کے ساتھ فِي الصَّلٰوةِ کی قید بھی آیت میں لگا دیویں تو پہلی رکعت کی تخصیص پر بھی نہیں نکلتی جب حکم قراءت اصل میں ہی ثابت نہ ہوا تو فروع میں کیونکر ثابت ہوگا۔

قولہ۔ لِاَنَّهُمَا مُتَشَاكِلَانِ۔[۲]

فقیر۔ اگر تشاکل موجب فرضیت ہے تو نفس فرضیت میں سب رکعتیں متساوی ہیں اور قیام رکوع سجود جیسے رکنوں میں بھی سب رکعتیں متساوی ہیں پس حسب قیاس یا استدلال جناب بھی سب رکعتوں میں قراءت فرض ہونی چاہیے۔ یاد رہے میں نے یہاں تَشَاكُلُ فِي الْقِرَائَةِ[۳] اور تَشَاكُل فِي السُّقُوْطِ وَ الْوُجُوْبِ[۴] سے اس لئے قطع نظر کر لی ہے کہ نفس قراءت کی فرضیت اور عدم فرضیت دوسری رکعت میں تشاکل سے پہلے ثابت نہیں پس صفت قراءت اور قدر قراءت سے تشاکل ماننا صحیح نہ ہوگا اور تَشَاكُلُ فِي الْوُجُوْبِ وَ السُّقُوْطِ کا یہ حال ہے کہ وتروں میں اگر کوئی ایک ہی رکعت پر اکتفا کرے تو اس پر دوسری رکعت کا پڑھنا واجب اور فرض نہیں دوسری رکعت پڑھنی عند اللہ ساقط ہو جاتی ہے پس پہلی اور دوسری میں بھی بلحاظ وجوب اور سقوط تشاکل نہ رہا۔ فَالتَّفْرِقَةُ بِالثَّنَاءِ وَ التَّعَوُّذِ وَ التَّكْبِيْرِ وَالْبَسْمَلَةِ كَمَا قُلْتُمْ بَلِ التَّفْرِقَةُ بِالسُّقُوْطِ وَالْوُجُوْبِ بَعْدَ الْاِتِّحَادِ فِي الرُّكْنِيَّةِ لَايَضُرُّ[۵] اور اور ثلاثی نماز میں تو اتحاد فی السقوط

---

[۱] نصیحت لفظ کے عموم سے ہوتی ہے

[۲] کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔

[۳] قراءت کرنے کی مماثلت

[۴] ساقط اور واجب ہونے کی مماثلت

[۵] جیسا کہ تم نے کہا (کہ مماثلت ہے) تو ثناء، تعوذ، تکبیر (تحریمہ) اور بسم اللہ پڑھنے کے فرق کا کیا معاملہ ہے؟ بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) رُکنیتِ صلوٰۃ ہونے میں مشترک ہونے کے بعد ساقط اور واجب ہونے کا فرق کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

والوجوب تیسری رکعت کو بھی حاصل ہے پس حسبِ استدلال ثلاثی نماز کی تیسری رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہیے۔ یا بالعکس یوں کہیے کہ پہلی رکعت میں تعوّذ ہے، ثنا ہے، تکبیر تحریمہ ہے، قعدہ اور تشہد اس کے ساتھ نہیں بخلاف دوسری رکعت کے اور ایک رکعت کے ساتھ والی فرض ضرور نہیں کہ دوسری رکعت کے ساتھ بھی ہوں۔ دیکھو پہلی رکعت کے ساتھ تحریمہ ہے۔ دوسری کے ساتھ نہیں یا رباعی نماز کی رکعت اخیر کے ساتھ قعدہ فرض ہے اور اس کی تیسری کے ساتھ فرض نہیں۔ پس اگر قراءت پہلی رکعت میں فرض ہے تو دوسری میں بِإِيْجَابِ تَشَاكُل فرض نہ ہونی چاہیے علاوہ بریں آپ کا استدلال اگر صحیح ہوتا تو پہلی اور دوسری رکعت میں یا تیسری اور چوتھی ہی میں قراءت فرض ہوتی حالانکہ آپ لوگ بالاتفاق اس کے قائل نہیں۔ دیکھیے عینی نے کہا ہے۔ قال الإمام الأسبيجابي "قال أصحابنا: القراءة فرض في الركعتين بغير أعيانهما إن شاء في الأوليين وإن شاء في الأخريين، وإن شاء في الأولى والرابعة، وإن شاء في الثانية والثالثة، (إِلَى أَنْ قَالَ) وأفضلها في الأوليين، و كذا قال القدوري۔[1] بلکہ خود بدولت کے متن میں بھی رکعتیں کو مطلق رکھا ہے۔ اولیین کے ساتھ مقید نہیں کیا بھلا جب جب دوسری اور تیسری رکعت میں یا پہلی اور چوتھی میں کسی نے قراءت پڑھی تو کیا آپ کے استدلال کا خلاف نہ کیا ضرور کیا بلکہ جس نے پہلی رکعت میں قراءت پڑھی اس پر بخیال استدلال دوسری رکعت میں بھی قراءت فرض ہونی چاہیے اِلَّا اُس نے دوسری میں نہیں پڑھی، چوتھی میں پڑھی ہے پس دوسری رکعت میں فرض کا تارک ہوا ایسے ہی جب اس نے چوتھی میں پڑھی تھی تو حسب استدلال تیسری میں بھی قراءت فرض تھی اور اس نے نہیں پڑھی کوئی یہ جواب نہ دے کہ یہ استدلال بِدَلَالَةِ النَّصِّ ہے نہ بقیاس شبہ کیونکہ

---

[1] امام اسبیجابی نے (طحاوی کی شرح میں) کہا کہ ہمارے ساتھیوں نے کہا ہے کہ قراءت کرنا دو رکعتوں میں فرض ہے بغیر ان (رکعات) کی تعیین کے، اگر چاہے تو پہلی دو میں (کرلے) اور اگر چاہے تو دوسری دو میں (کرلے) اور اگر چاہے تو پہلی اور چوتھی میں (کرلے) اور اگر چاہے تو دوسری اور تیسری میں (کرلے، یہاں تک کہ انہوں نے کہا:) اور افضل پہلی دو ہیں اور قدوری نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في القراءة، حكم القراءة في الفرض)

دَلَالَۃُ النَّصِّ کی تعریف میں لکھا ہے ھِیَ مَا علم (أَی مَعْنی علم إِنَّہٗ) عِلّۃٌ لِلْحُکْمِ الْمَنْصُوصِ عَلَیْہِ (أَی اَلْحُکْمُ الَّذِیْ وَرَدَ بِہِ النَّصُّ) لُغَۃً (أَیْ یَعْرِفُ عِلَّتَہٗ مَنْ ھُوَ عَارِفٌ بِلُغَۃِ الْعَرَبِ وَنَحْوِھَا) لَااِجْتِھَادًا وَلَااِسْتِنْبَاطًا (أَیْ لَا یَحْتَاجُ فِی مَعْرِفَۃِ عِلَّتِہٖ إِلَی التَّأَمُّلِ وَالْاِسْتِنْبَاطِ)۔[1] جیسے قرآن کریم میں ہے لَاتَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ مکلف کوحکم ہوا ماں باپ کو اُف مت کرو سننے والا عَالِمٌ بِاللُّغَۃِ سمجھ سکتا ہے کہ والدین کو مارنا پیٹنا ضرور ممنوع ہوگا۔اور یہاں نہ تو رکعت سے رکعت لُغوی مراد ہے اور نہ صلوٰۃ سے صلوٰۃ لُغوی اور نہ قراءت اپنے عموم پر ہے کیونکہ قرائت کے معنی ہیں مطلق پڑھنا اور یہاں قراءت قرآن مراد ہے۔

نہ شارع نے دونوں رکعت میں تسویہ کا حکم دیا نہ فی الواقع تسویہ ہے۔ارکان کے لحاظ سے اکثر رکنوں میں سب رکعتیں مساوی ہیں۔بعض صفات کا تفرقہ سب میں ہے۔اِقْرَأْ فِی الصَّلٰوۃِ کا مخاطب عالم باللُّغۃ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ دعا میں کچھ پڑھو اگر اسے صلوٰۃ کے شرعی معنے بتاویں تو پھر بھی شَفع اور قیام کی تخصیص قراءت کے واسطے ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔علاوہ بریں اگر ایسا ہی تبادر ہوتا جیسا ابن الھمّام نے لکھا ہے۔(قَالَ ابْنُ الْھُمَامِ:) مَنْ فَھِمَ اللُّغَۃَ ثُمَّ عَلِمَ تَسْوِیَۃَ الشَّارِعِ ... ثُمَّ سَمِعَ... اِقْرَأْ فِی الصَّلَاۃِ تَبَادَرَ إِلَیْہِ طَلَبُ الْقِرَاءَۃِ فِی الشَّفْعِ الْأَوَّلِ أَوِ الثَّانِي[2] تو ائمہ مذاہب میں ایسا اختلاف نہ ہوتا اور مسئلہ کا اختلاف نوطرح تک نہ پہنچتا۔صاف ظاہر ہے کہ اِقْرَأْ فِی الصَّلٰوۃِ کا مخاطب صرف اس خطاب کے لحاظ سے حسب لغت دعا میں کچھ پڑھ

---

[1] یہ وہ علم ہے (یعنی علم کا معنی یہ ہے) کہ منصوص علیہ کے حکم (یعنی ایسا حکم جس کے متعلق نصّ آئی ہو، یعنی قرآن وحدیث میں ذکر ہو) کی علّت لُغت سے ثابت ہو، (یعنی اس کی علت کو عربی زبان اور اس کے اصول کو جاننے والا معلوم کرلے) اجتہاد سے نہ ہو اور نہ ہی استنباط سے ہو، (یعنی اس کی علت کو سمجھنے کے لیے غور وفکر اور استنباط کی ضرورت نہ پڑے)۔

(أصول الشاشي، بحث گون حکم دلَالَۃ النَّص عُمُوم الحکم الْمَنْصُوص عَلَیْہِ)

[2] (ابن ہمام نے کہا:) جس نے لغت کو سمجھ لیا پھر اس نے شارع کے فیصلہ کو بھی جان لیا...... پھر اس نے سنا ......نماز میں قراءت کرو تو قراءت کی طلب اُس سے پہلی دو رکعات میں یا دوسری دو رکعات میں جلدی کروائے گی۔

(فتح القدیر لابن الھمام، کتاب الصلاۃ، باب النوافل، فصل فی القراءۃ)

لینے کا مامور ہے اور اگر اسے بتادیں کہ قِرَاءۃ سے قرآن کا پڑھنا مراد ہے اور صَلوٰۃ سے شرعی صلوٰۃ مراد ہے نہ لُغوی تو پھر یہی مختار ہوگا قرآن کو نماز کے قیام میں پڑھے یا رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں اور بلحاظ قاعدہ اَلْاَمْرُ لَا یَقْتَضِي التَّکْرَار۔[1] ایک ہی دفعہ پڑھنے پر اکتفا کرے۔

قال العيني: روينا عن علي أنه قال: اقرأ في الأوليين وسبح في الأخريين و كفى به قدوة۔ انتهٰى۔[2] وَقَالَ فِي الْهِدَايَةِ: وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ۔[3]

أَقُوْلُ رَوَيْنَا فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَةِ: حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْبُخَارِيُّ قَالَ وقَالَ لَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنِ ابْنِ أَبِيْ رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ وَيُحِبُّ أَنْ يُّقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.[4] فَاقْرَءُوْا خلف الإمام و كفى به قدوة ثم اعلم ان اثرك المروىّ منقطع صرّح به ابن الهمام وما ثبت آثر عائشة هذا

---

[1] اَمر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

[2] عینی نے کہا: حضرت علیؓ سے ہم نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: پہلی دو (رکعتوں) میں قراءت کرو اور دوسری دو میں تسبیح کرو، اور اقتداء کرنے کے لحاظ سے یہ کافی ہے۔ عینی کی بات ختم ہوئی۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في القراءة، حكم القراءة في الفرض)

[3] اور ہدایہ میں کہا ہے کہ یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في القراءة)

[4] میں کہتا ہوں کہ جزء القراءۃ سے ہم نے روایت نقل کی کہ محمود (بن اسحاق) نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا: امام بخاری نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: اور آدم نے ہم سے کہا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ سفیان بن حسین نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے زُہری سے سنا۔ انہوں نے ابن ابی رافع سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ حکم دیتے تھے اور پسند فرماتے تھے کہ ظہر اور عصر (کی نمازوں) میں امام کے پیچھے (پہلی دو رکعات میں) سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورۃ پڑھی جائے اور دوسری دو (رکعات) میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ (القراءة خلف الإمام، وجوب القراءة للإمام والمأموم)

کما ذکر العینی البدر التمام وثبت عنها وابن مسعود خلافکم فی القراءة خلف الامام کما ذکر البخاری وقد طبع فی الدهلی بفضل الباری وافهم این للاثار مع التخالف مقابلة المرفوع وهذا عند اولی النهی ظاهر مقطوع. ومن قال فی المواظبة أنها کانت مع ترك أو فی اغلب الاحوال. أقول له من اجبرك علی التفوه بالترك والأغلب بیّن ان انت من الرجال. والله لن تستطیع انت مع الناصرین. فاسکت فِإنَّكَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ۔[1]

چھٹی دلیل ۔ ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنے کی جس کو حنفی بھائیوں نے امام شافعی کی طرف سے بغرض تردید لکھا ہے۔ اور فقیر اس مسئلے میں شافعی کا قول سچا یقین کر کے بامید نصرت جس کا وعدہ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهَ مَنْ يَّنْصُرُهٗ[2] میں ہو چکا ہے اس کو بغرض تائید بیان کرتا ہے۔ قالوا قال، قال رسول الله صلعم لاصلوٰة الابفاتحة الکتاب و کل رکعة صلوٰة نکرہ حیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ پس ترجمہ یہ ہوگا۔ حنفیہ نے کہا شافعی کہتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کوئی نماز فاتحہ کے سوائے نہیں ہوتی۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ عَینی نے اس پر کہا ہے۔ میں کہتا ہوں تو (شافعی کو) صلوٰۃ سے لُغوی صلوٰۃ لیتا ہے یا شرعی' لُغةً صلوٰۃ دعا ہے اور دعا کے کسی فرد میں قراءت شرط نہیں اور

---

[1] پس تم امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھو۔ اور اقتداء کرنے کے لحاظ سے یہ کافی ہے۔ پھر جان لو کہ تمہارا روایت کردہ اثر منقطع ہے، ابن ہمام نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اور یہ حضرت عائشہؓ کا اثر بھی ثابت نہیں ہے جیسا کہ علّامہ عینی .... نے ذکر کیا ہے اور ان سے (یعنی حضرت عائشہؓ سے) اور حضرت ابن مسعودؓ سے تمہارے خلاف امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق ثابت ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے اور باری تعالیٰ کے فضل سے یہ (کتاب) دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔ اور سمجھو کہ ایسے مخالف آثار کا مرفوع کے ساتھ کہاں مقابلہ ہے۔ اور عقلمندوں کے نزدیک یہ بات واضح اور قطعی ہے۔ اور جس نے مداومت کے متعلق اور غالب صورتِ حال کے متعلق کہا کہ وہ چھوڑنے کے ساتھ ہے تو میں اسے کہوں گا تمہیں کس نے اس پر مجبور کیا ہے؟ ترک کرنے اور غالب صورتِ حال کے متعلق غور کرو اور واضح کرو اگر تم مردوں میں سے ہو۔ اللہ کی قسم! تم مددگاروں کے ساتھ بھی اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ پس خاموش ہو جاؤ کیونکہ تم بحث میں غیر واضح بات کرنے والے ہو۔۔

[2] اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرتا ہے جو اُس (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔

شرعی نماز میں قراءت تو فرض ہے اِلاَّ ایک رکعت شرعی نماز کا فرد نہیں کیونکہ شارع نے بُتَیرا سے منع فرمایا ہے۔انتہٰی۔

جوابِ فقیر۔عینی کے اعتراض کا مدار صرف یہ ہے کہ ایک رکعت شرعی نماز نہیں۔پس میں اگر ایک رکعت کا شرعی نماز ہونا ثابت کردوں تو عینی کا جواب ہوگیا۔سو سنیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ... قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَلَاۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَۃٍ. رواہ الجماعۃ۔ منتقٰی۔

ترجمہ۔ابن عمر سے۔فرمایا۔رسول اللہ نے رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب صبح کا ڈر کرے تو ایک رکعت وتر پڑھے۔

فائدہ

حنفیہ نے اَوْتِرْ بِوَاحِدَۃٍ کا ترجمہ فرمایا ہے۔طاق کردے پہلی نماز کو ایک رکعت ملا کر۔پھر جب ان کو سنایا گیا۔زاد احمد: تُسَلِّمُ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ. و کذا مسلم من ابن عمر[۱] تو کہہ دیا تَسَلَّمَ کے معنی ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہنا اور اسے تشہد اوسط کا اثبات مطلوب ہے۔صدق البخاری یکثر الکلام لیعلم۔[۲] اب ان کے ترجمہ اور تاویل کی غلطی سنیے۔روی البخاری عن ابن عمر انہ کان یسلّم بین الرکعتین و الرکعۃ فی الوتر حتی کان یأمر ببعض حاجۃ۔ترجمہ۔ابن عمر وتروں کی دو رکعت اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے یہاں تک کہ اپنے مطلب کی بات کہہ لیتے۔اور اسے صریح۔عن ابن عمر و ابن عباس انہما سمعا النبی

[۱] امام احمد نے یہ الفاظ زیادہ بتائے ہیں کہ تو ہر دو رکعتوں میں سلام پھیرے۔اور امام مسلم نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

[۲] امام بخاریؒ نے سچ کہا ہے کہ زیادہ کلام اس لیے ہوتا ہے تا کہ علم ہو سکے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يقول الوتر ركعة من آخر الليل رواه احمد و مسلم۔ [1] ترجمہ۔ وتر ایک رکعت ہے بلکہ ایک ہی رکعت ہے۔ وروی سعید بن منصور باسناد صحیح صلی ابن عمر رکعتین ثم قال یا غلام ارجل لنا ثم قام و اوتر برکعة۔ ابن عمر نے دو رکعتیں پڑھیں پھر کہا او غلام سواری کس دے پھر کھڑا ہوا اور ایک رکعت وتر پڑھ لی۔ اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ گیارہ رکعت پڑھتے۔ يُسَلِّمُ بَيۡنَ كُلِّ رَكۡعَتَيۡنِ وَ يُوۡتِرُ بِوَاحِدَةٍ۔ [2] اور ظاہر ہے کہ گیارہ رکعتوں میں يُسَلِّمُ کے معنے اوسط تشہد کے حنفیہ کے نزدیک بھی نہیں بن سکتے۔ راوی کی تفسیر راوی کا قول اگر حنفی حجت جانتے ہیں اگر عبارةُ النّص کو ترجیح دیتے ہیں اگر انصاف کا خون نہیں کرتے اگر ابن عمر کو فقیہ مانتے ہیں۔ اگر اسے عاشق اتباع سمجھتے ہیں (یہ عاشق کا لفظ یاد رکھنے کا ہے) اور وہ جو محمد بن کعب قرظی سے نَهۡي عَنِ الۡبُتَيۡرَاء کی حدیث مروی ہے۔ اس کی نسبت عراقی نے کہا ہے مرسل ضعیف اور ابن حزم (یاد کرو قول شیخ عبد الحق) نے کہا ہے لَمۡ يَصِحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَهۡيٌ عَنۡ الۡبُتَيۡرَآءِ، وَلَا فِي الۡحَدِيثِ عَلَى سُقُوطِهٖ بَيَانُ مَا هِيَ الۡبُتَيۡرَآءُ. قَالَ قَدۡ رُوِّينَا مِنۡ طَرِيقِ عَبۡدِ الرَّزَّاقِ ... عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ: الثَّلَاثُ بُتَيۡرَآءُ يَعۡنِي الۡوِتۡرَ، قَالَ: فَعَادَ الۡبُتَيۡرَآءُ عَلَى الۡمُحۡتَجِّ بِالۡخَبَرِ الۡكَاذِبِ فِيۡهَا۔ [3] اور ابن مسعود کے اثر مَا

---

[1] حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اُن دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: وتر رات کے آخری حصہ میں ایک رکعت ہے۔ امام احمد اور امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

[2] آپؐ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت سے وتر کر لیتے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین، بَابُ صَلَاةِ اللَّيۡلِ، وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيۡلِ، وَأَنَّ الۡوِتۡرَ رَكۡعَةٌ، وَأَنَّ الرَّكۡعَةَ صَلَاةٌ صَحِيحَةٌ)

[3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹی ہوئی (اکیلی رکعت پڑھنے) کی مناہی کی روایت صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی حدیث میں اس کے ساقط ہونے کے متعلق کوئی بیان ہے کہ یہ بُتَیراء کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم سے بواسطہ عبد الرزاق حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی گئی ہے کہ تین (رکعت) یعنی وتر ناقص ہے۔ انہوں نے کہا: پس اس کے متعلق جھوٹی خبر کے باعث نقص دلیل قائم کرنے والے پر ہی اُلٹ جاتا ہے۔

أَجْزَأَتْ رَكْعَةٌ قَطُّ ۔[۱] پر نووی نے شرح مہذّب میں کہا ہے ۔إِنَّهُ لَيْسَ بِثَابِتٍ عَنْهُ. قَالَ: وَلَوْ ثَبَتَ لَحُمِلَ عَلَى الْفَرَائِضِ، فَقَدْ قِيلَ: إِنَّهُ ذَكَرَهُ رَدًّا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهِ: اَلصَّلَاةُ فِيْ حَالِ الْخَوْفِ رَكْعَةٌ وَاحِدَةٌ. بَلْ رَوَى ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ: سَمَرَ حُذَيْفَةُ وَابْنُ مَسْعُودٍ عِنْدَ الْوَلِيدِ وَهُوَ أَمِيْرُ مَكَّةَ، فَلَمَّا خَرَجَا أَوْتَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِرَكْعَةٍ ۔[۲]

یہ اگر چہ مرسل ہے الّا مُرسل حنفیہ کے نزدیک موقوف کی طرح حجت ہے۔

وتر کی ایک رکعت کس کس صحابی کا مذہب ہے

خلفاء اربعہ، سعد بن ابی وقاص، معاذ، ابی بن کعب، ابوموسیٰ، ابودرداء، حذیفہ، ابن مسعود ابن عمر، ابن عباس، معاویہ، تمیم داری، ابوایوب، ابوہریرہ، فضالہ بن عبید، عبداللہ بن زبیر، معاذ بن حارث اس کی صحبت میں اختلاف ہے۔

تابعین اور علماء جن کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے

سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عیاش، حسن بصری، محمد بن سیرین، عطا، عقبہ، سعید بن جبیر نافع، جبیر جابر بن زید، زہری، ربیعہ اور ائمہ میں سے۔ امام مالک، شافعی، اوزاعی، احمد، اسحاق، ابوثور، داود ابن حزم۔ انتہیٰ۔ نیل۔

---

[۱] ایک رکعت (اکیلی) کبھی ادا نہیں ہوتی۔

[۲] یہ (روایت) ان سے ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: اور اگر ثابت ہو جائے تو فرائض پر محمول کی جائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ (بات) حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کے ردّ میں ذکر کی ہے کہ خوف کی حالت میں نماز ایک رکعت ہوتی ہے۔ بلکہ ابن ابی شیبہ اور محمد بن نصر نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے ایک رات ولید (بن عقبہ) کے پاس مجلس کی۔ پھر جب وہ دونوں باہر نکلے تو اُن دونوں میں سے ہر ایک نے ایک رکعت سے وتر کیا۔

بلکہ ابو ہریرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ لَا تُوتِرُوا بِثَلَاثٍ وَأَوْتِرُوا بِخَمْسٍ أَوْ سَبْعٍ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ۔[1]

ترجمہ۔تین رکعت وتر مت پڑھو۔ وتر کرو پانچ یا سات ۔مت مشابہ کرو ساتھ نماز مغرب کے۔ دارقطنی نے کہا۔اس کے سب راوی ثقہ ہیں ۔حاکم نے تصحیح کی اور ابن حبان نے ذکر کیا۔اگر کسی نے موقوف کہا ہے تو موقوف آپ کے یہاں حجت ہے۔عراقی نے کہا۔عائشہ سے صحیح ہوا۔قَالَتْ وَإِنِّیْ لَاَ کْرَهُ اَنْ یَّكُوْنَ ثَلَاثًا بُتَیْرَاءَ۔[2] اور سلیمان بن یسار سے تین رکعت وتر کا مسئلہ پوچھا گیا۔ فکرہ الثّلاث[3] اور کہا ۔لایشبه التطوّع بالفریضة اوتر بر کعة۔ انتھیٰ[4] آپ لوگوں نے دیکھا ایک رکعت کی نماز شرع میں کیسے ثابت ہے بلکہ بقول ابن عباس فرض کی ایک رکعت بھی ثابت ہے۔گو اہل حدیث کے نزدیک صلوٰۃ خوف کی نماز ایک رکعت نہیں ۔ پس عینی کا قول کہ ایک رکعت شرعی نماز نہیں ہرگز درست نہ ہوا۔پس شافعی پر انکار صحیح نہ ہوگا۔

فائدہ

وتروں میں اصل بات یہ ہے کہ وتر علی سبیل اختلاف الانواع کئی طرح ثابت ہیں۔

ایک رکعت① جیسے گذرا اور تین رکعت② ایک سلام سے کما ذکرنا عن اُبَیّ مَرْفُوْعًا عند النسائی[5] اِلَّا ان میں بھی سَبِّحِ بِاسْمِ رَبِّكَ اور سُورہ کافرون اور سُورہ اخلاص کی تخصیص ہے۔ خلافًا للحنفیة اور تین رکعت③ جن میں ایک ہی تشھد اخیر ھو کما ھو مذھب جماعة من

---

[1] (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوتر)

[2] حضرت عائشہؓ نے کہا: میں ناپسند کرتی ہوں کہ تین رکعتیں اکیلی ہوں۔

[3] انہوں نے تین رکعتیں (پڑھنا) ناپسند کیا۔

[4] نوافل کو فرض کے مشابہہ نہ بناؤ، ایک رکعت سے وتر کرلو۔

[5] جیسا کہ ہم نے نسائی کی حضرت اُبَیّ (بن کعبؓ) سے مرفوع روایت ذکر کی ہے۔

السلف ذکرہ الحافظ لحدیث لاتشبهوا ۔[1] اور پانچ رکعت ایک تشہد سے کما ذکرت عائشة عن فعله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ ، لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ مِنْهُنَّ إِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ ۔[2] متفق علیہ اور سات رکعت کل دو تشہد کے ساتھ عَنْ عَائِشَةَ: أَوْتَرَ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِسَبْعِ رَكَعَاتٍ، لَمْ يَجْلِسْ إِلَّا فِي السَّادِسَةِ وَالسَّابِعَةِ، وَلَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي السَّابِعَةِ، كما عند احمد والنسائي و أبي داؤد۔[3] اور سات رکعت صرف ایک ہی تشہد سے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا أَسَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ صَلَّى سَبْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَقْعُدُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔[4] نسائی۔

اور نو رکعت عَنْ سَعْدٍ قَالَ لِعَائِشَةَ: أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (إِلٰى أَنْ) قَالَتْ: وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ، فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ، ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ، ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا. رواه احمد والنسائي ومسلم و ابوداؤد۔[5] پس وتر ایک

---

[1] جیسا کہ یہ گذشتہ بزرگوں کی ایک جماعت کا مذہب رہا ہے، حافظ نے اسے حدیث لَا تَشَبَّهُوْا کے تعلق میں ذکر کیا ہے۔

[2] جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا ذکر کیا ہے کہ آپؐ ان (تہجد کی رکعات) میں سے پانچ رکعت سے وتر کرتے، سوائے ان میں سے آخری کے آپؐ ان میں بالکل بھی نہ بیٹھتے۔

[3] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعت وتر ادا کیے۔ آپؐ صرف چھٹی اور ساتویں رکعت میں ہی بیٹھے اور سلام صرف ساتویں رکعت میں ہی پھیرا۔ جیسا کہ یہ احمد، نسائی اور ابوداؤد کے نزدیک ہے۔

[4] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رسیدہ ہو گئے اور آپ کا جسم فربہ ہو گیا تو آپؐ سات رکعتیں پڑھتے اور اُن میں سے صرف آخری میں ہی بیٹھتے۔
(سنن النسائي، كتاب قيام الليل، باب كيف الوتر بسبع)

[5] سعد (بن ہشام) سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے متعلق بتائیں۔ (یہاں تک کہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا...... آپؐ نو رکعات پڑھتے تھے اُن میں بیٹھتے نہ تھے سوائے آٹھویں رکعت کے۔ پھر آپؐ اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد بیان کرتے اور اُس سے دعا کرتے تھے۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوتے اور سلام نہ پھیرتے۔ پھر قیام کرتے اور نویں رکعت پڑھتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور (اللہ کا) ذکر کرتے اور اس کی حمد بیان کرتے اور اس سے دعا کرتے۔ پھر سلام پھیر لیتے تھے۔ احمد، نسائی، مسلم اور ابوداؤد نے یہ روایت بیان کی ہے۔

اور تین اور پانچ اور سات اور نو رکعت سب درست ہیں۔ اور یہ اختلاف اختلاف انواع ہے۔ نہ تضاد ہے اور نہ اضطراب۔ جیسے لوگوں نے گمان کیا ہے اختلاف انواع کی مثالیں۔ تشہد کے الفاظ میں اختلاف آبُوْ مَحْذُوْرَہ اور بلال کی اذان و اقامت میں اختلاف یا نماز میں قراءت کا کبھی جناب رسول اللہؐ نے کوئی سورہ پڑھی اور کبھی کوئی سورۃ۔ ادائے صلوٰۃ خوف میں اختلاف تکبیر تحریمہ کے پیچھے اور قراءت سے پہلے کبھی سبحانك الله کبھی الله اکبر کبیرا کبھی اللّٰھم باعد بینی و بین خطائی۔ اذکار اور ادعیہ میں اختلاف۔ حج میں مَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ......۔

دوسرا اعتراض۔ حنفیہ کا امام شافعی پر لاصلوٰۃ میں ایک رکعت کو نماز کہنے کے باعث تقریر اعتراض۔ لاصلوٰۃ میں نماز سے نماز کامل مراد ہے اور وہ دو رکعت سے کم نہیں ہوتی (ثبوت)۔ اگر کوئی حلف کرے لایصلّی صلوٰۃ پھر ایک رکعت نماز پڑھ لے وہ حانث نہیں ہوتا اگر دو رکعت پڑھے تو حانث ہو جاتا ہے اگر صرف لَا يُصَلِّيْ کا لفظ کہے تو ایک رکعت کے پڑھنے سے بھی حانث ہو جاتا ہے۔

جواب ۱۔ پس حسب اقرار آپ کے ایک رکعت کا نماز ہونا بھی ثابت ہوا۔ کیونکہ لایصلّی کا مشتق منہ صلوٰۃ ہے اگر لایصلّی کہنے والے کی ایک رکعت پڑھنے سے نماز نہ ہوتی وہ حانث کیوں ہوتا۔

جواب ۲۔ نکرہ نفی کے نیچے مفید عموم ہے۔ اور تخصیص کمال بطور آپ کے نسخ عموم ہے اور نسخ شریعت آپ کا عہدہ نہیں۔

جواب ۳۔ ایمان کا مدار آپ کے یہاں عرف پر ہے اور حنفیوں کی عرف ایک رکعت کو کامل نماز کہنے کے خلاف ہے۔ پس ان کے نزدیک لایصلی صلوٰۃ میں حالف کا ایک رکعت کے پڑھنے سے حانث نہ ہونا اس امر کا مستلزم نہیں کہ فی الواقع بھی ایک رکعت کی نماز کامل نہیں۔

جواب ۴۔ ایسے حالف کا حانث نہ ہونا ممنوع ہے۔

جواب ۵۔ لایصلی صلوٰۃ میں صلوٰۃ کا لفظ مکرر ہے ایک دفعہ تو یصلّی کے ضمن میں اور

دوسری بار صریح صلوٰۃ کا لفظ موجود ہے۔ پس دو رکعت کا لا یصلی صلوٰۃ میں مراد ہونا باعث تکرار لفظ ہے۔ دیکھو لا یصلی کے لفظ میں ایک رکعت کی پڑھنے میں بھی حانث ہوجاتا ہے۔ اور حدیث لا صلوٰۃ میں تو ایک ہی لفظ ہے۔

جواب ۶۔ صفت کمال کا ایزاد آپ کے یہاں مشعر اس بات کا ہے کہ ایک رکعت بھی نماز ہوتی ہے دیکھو جو اپنے لفظ خداج میں تاویلیں کی ہیں۔

جواب ۷۔ کسی نمازی کی نماز کا جواز یا عدم جواز کمال یا عدم کمال آپ کے یا ہمارے کہنے پر موقوف نہیں۔ یہ شارع کا عہدہ ہے۔ دیکھو چار رکعت کی نماز بدوں قراءت فاتحہ یا بترک فاتحہ اُخریین ہیں اور بدوں طمانینت رکوع اور سجود بلکہ بدوں لفظ اللہ اکبر اور سلام آپ کے نزدیک جائز ہے اور حسبِ احادیث صحیحہ وہ جائز نہیں اور جس متیمم نے ایک ہی ضرب سے تیمم کیا اور اس نے ایک ہی ضرب سے مونہہ اور پہنچوں تک ہاتھوں پر بدوں استیعاب مسح کیا اور وتر کی ایک ہی رکعت پڑھ لی اور اس میں طمانینت سے قیام اور رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ بین السجدتین کیا اور فاتحہ پڑھی۔ سورۃ کا ضم کیا بلکہ اس رکعت میں رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت **رفع یدین** کی وہ سنت بھی ادا کر لی جس کے حق[۱] میں مع اس رفع کے جو رکعت ثالثہ کے ابتدا کی جاتی ہے۔ صدہا اخبار اور آثار صحیحہ وارد ہو چکے ہیں جس[۲] کا کرنا تا آخر روز رحلت جناب رسالت مآب سے ثابت ہے۔ جس[۳] کے راوی صحابہ ہیں۔ سترہ اور بیس ہی نہیں بلکہ پچاس تک پہنچ چکے ہیں جس[۴] کے اثبات پر دراسات کے نہایت لطیف فقرے راحت بخش ہیں جس[۵] کے اثبات میں امیر المومنین امام بخاری نے ایک کتاب ہی لکھ دی (دہلی میں معہ ترجمہ چھپی ہے) جس[۶] کا معارض کوئی نہیں۔[۷] جس کی نسبت بخاری نے کہا ہے۔ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ۔[۱] جس[۸] کی نسبت بخاری نے کہا ہے۔ قال علی المدینی و کان

---

[۱] اہل علم کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے کہ اُس نے رفع یدین نہیں کیا۔ (قرّة العينين برفع اليدين في الصلاة للبخاري)

اعلم اهل زمانه رفع اليدين حق على المسلمين بما روى الزهري عن ابيه۔[۱] جس[۹] کی نسبت ابوحمید نے دس صحابیوں میں بیٹھ کر کہا۔ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۲] پھر تفصیل کے وقت رکوع وغیرہ میں رفع یدین کو بیان کیا اور کسی نے انکار نہ کیا جس[۱۰] کے انکار میں عاصم بن کلیب سے نفی کا اثر جناب امیر کی مرفوع اور مثبت حدیث کا مقابل نہیں ہو سکتا جس[۱۱] کے نہ کرنے پر ابن عمر حصاۃ مارتے تھے (پس جس نماز میں مجاہد نے ابن عمر کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ اس نماز میں ابن عمر نے سہواً ترک کی ہے یا حصین راوی کا وہم ہے جس نے مجاہد سے نقل کیا۔ یا مجاہد کا اثر ابوبکر بن عیاش سے معلول ہے) باا ینکہ مجاہد خود رفع یدین کرتا تھا جس[۱۲] کے باعث ابن الزبیر نے كُنَّا لَنُؤَدَّبُ عَلَيْهِ وَنَحْنُ غِلْمَانٌ۔[۳] کہہ کر عبداللہ بن عامر کو (اس شخص نے اپنے بھائی کو رفع یدین کرنے پر پیٹا تھا) اپنے مکان پر آنے کی اجازت نہ دی۔

میں کہتا ہوں ایسوں کا بیج آج درخت ہو گیا۔ و الی الله المشتکی۔ جس کی[۱۳] نسبت عاصم کی روایت میں اگرچہ ابن مسعود سے کبر فی الاولی ثم لم یعد[۴] مروی ہے اِلَّا امام احمد نے یحییٰ سے سنا کہ عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں جو عاصم سے مروی تھی دیکھا تو اس میں ثم لم یعد کا لفظ نہ پایا والکتاب احفظ[۵] جس کی نفی پر اگر براء کی روایت ہے تو اس کے راوی کو لقنوہ ثم لم یعد فقال ثم لم یعد[۶] کا واقعی الزام دیا گیا جس[۱۴] کے بارے جابر بن سمرہ کی حدیث سے

---

[۱] علی المدینی جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے کہتے ہیں کہ زُہری نے اپنے والد سے روایت کی ہے جس کے مطابق رفع یدین کرنا مسلمانوں پر ایک حق ہے۔

[۲] تم میں سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو زیادہ جاننے والا ہوں۔

[۳] جب ہم لڑکے تھے تو اس (بات) پر ہماری سرزنش کی جاتی تھی۔

[۴] آغاز میں تکبیر کہی پھر (رفع یدین کو) نہیں دُہرایا۔

[۵] اور کتاب زیادہ محفوظ ہے۔

[۶] لوگوں نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ ''پھر آپؐ نے دوبارہ نہیں کیا۔'' تو اُس نے کہا: ''پھر آپؐ نے دوبارہ نہیں کیا۔'' (قرة العينين برفع اليدين في الصلاة للبخاري روایت نمبر ۳۳)

استدلال پکڑنے والے کولاحظ له من العلم[۱] کہا گیا۔ سچ ہے اگر لاترفعوا ایدیکم کانها اذناب خیل شمس[۲] سے استدلال صحیح تھا تو حنفی تکبیر اولیٰ اور قنوت اور عیدین وغیرہ میں رفع یدین کرنا درست نہ کہتے ۔ جس[۱۶] کے حق میں ابن سیرین کہتا ہے انه من تمام الصلوٰة[۳] جس کے ثبوت میں احادیث متواترہ موجود ہیں دیکھو سیوطی کی ازهار متناثرہ فی الاخبار المتواترہ جس[۱۷] کے معارضہ میں امام صاحب کا مناظرہ اوزاعی سے آج تک معلق ہے کوئی اسے مسند نہیں کرسکا۔ جس[۱۸] کے معارض کی نسبت ابن جوزی نے کہا ما ابلد من حاول معارضة حدیث الرفعات بما روی من الاحادیث فی عدمها ۔[۴]

اور اس ایک رکعت وتر پڑھنے والے نے قیام کے وقت سینے پر ہاتھ باندھے جیسے صحیح ابن خزیمہ میں ثابت ہوا اور اس کا مخالف اثر مسند احمد اور بیہقی اور ابوداؤد میں بروایت ابن الاعرابی عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی سے مروی ہے اور یہ اثر اوّل تو اس لئے کہ یہ عبدالرحمٰن مُتّفقٌ عَلٰی ضُعْفِهٖ ہے پھر اس لئے کہ جس صحابی سے (فَدَاهُ نَفْسِیْ) یہ اثر مروی ہے اسی سے وضع علی الصدر بھی مروی ہے قابل حجت نہیں اور اس نمازی نے یہ سمجھ کر کہ حنفیہ نے عورتوں اور مردوں میں اس کا تفرقہ بے وجہ شرعیہ کیا ہے جیسے پہلے تشہد میں مردوں اور عورتوں کو جُلُوْس عَلَی الْیُسْرٰی اور نَصْبُ الْیُمْنٰی کا حکم ہے اور دوسرے میں دونوں کو تُورك اِلَّا حنفیوں نے عورتوں کو دونوں جگہ تُورك کا حکم دیا اور مردوں کو دونوں جگہ منع کر دیا اور احادیث صحیحہ کے خلاف کی پرواہ نہ کی۔ اگر یہ نمازی عورت تھی تو اس نے سجدہ میں بازو اپنی پسلیوں سے علیحدہ رکھے اور سینہ کو ران سے اور ران کو پنڈلیوں سے۔ اور اس نمازی نے تمام تشہد میں آخر تک رَفْع سَبَابَه کی نہ یہ کہ

۱۔ اُس کا علم میں کوئی حصہ نہیں۔

۲۔ اپنے ہاتھوں کو (اس طرح) نہ اُٹھاؤ گویا کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔

۳۔ یہ (بات) نماز کو مکمل کرنے میں سے ہے۔

۴۔ کیا ہی کمزور رائے ہے وہ جس نے رفع یدین کی حدیث پر اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے اس وجہ سے کہ احادیث میں اس کے نہ ہونے کو (بھی) روایت کیا گیا ہے۔

اَنْ لَّآاِلٰہَ میں اٹھائی اور اِلَّا اللہ میں رکھ دی۔ جیسے بدوں دلیل بعضے لوگ کرتے ہیں۔ یا رباعی نماز میں چوتھی رکعت پر قعدہ بھول گیا اور کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا۔ یا کسی نمازی نے صبح کی ایک رکعت جس میں اس نے آمین بالجہر کہی تھی پڑھی پھر سورج نکل آیا اور اس شخص نے طلوع کی تحرِّی بھی نہیں کی تھی جو لَا یَتَحَرّٰی[1] کا مخالف سمجھا جاتا اور نماز کو عین طلوع کے وقت شروع بھی نہیں کیا دیکھو ان سب صورتوں میں احادیث صحیحہ کے لحاظ سے نماز کامل ہو چکی اور آپ کے یہاں کامل کیا بعض کے قول کو دیکھیں تو جائز بھی نہیں ہوئی۔

ہر رکعت میں قرآن بلکہ فاتحہ الکتاب پڑھنے کے دلائل احادیث مرفوعہ سے تمام ہوئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ اس اتمام پر اثبات مسئلہ میں ایک اشارہ بھی سن لیجیے امام بخاری نے قراءت میں ابوسعید سے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے اور بعض نے کہا یہ اس لئے تھا کہ لوگ پہلی رکعت میں مل جاویں وَلَمْ یَقُلْ فِی الرُّکُوْعِ وَلَیْسَ فِی الْاِنْتِظَارِ فِی الرُّکُوْعِ سُنَّۃٌ۔[2] جب فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت میں فرض ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ رکوع کا وقت قراءت کے بعد ہے اور یہ بھی کہ مَافَات کی قضا ضرور ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ جس نے قبل القراءت رکوع کیا اس نے قراءت کا فرض ادا نہیں کیا اور اس کا رکوع بعد القراءت نہیں اور صرف سجدہ کے ادراک سے رکعت کا ادراک بالاتفاق مسلّم نہیں پس ایسے مدرک رکوع کی رکعت ہرگز ادا نہ ہوئی اور ایسے شخص کو حسب الحکم اِقْضُوْا مَا فَاتَکُمْ[3] اس رکعت کا پھر پڑھنا پڑا۔ حنفیہ پر اتمام حجت کے لئے چند آثار اس مسئلہ کے باب میں بیان کرتا ہوں کیونکہ صحابی کا قول ان کے یہاں حجت مسلّمہ ہے اگرچہ امام بخاری نے فرمایا جب حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا تو پھر لوگوں کے مذہب بیان کرنے کی ہم کو کچھ حاجت نہیں۔

---

[1] وہ (سورج نکلنے یا غروب ہونے کی) جستجو میں نہ رہے۔

[2] اور انہوں نے رکوع کے متعلق ایسا نہیں کہا اور نہ ہی رکوع میں انتظار کرنا سنت ہے۔

[3] جو رکعت تم سے رہ جائے اُسے پورا کرلو۔

قَالَ بِسَنَدِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: »إِذَا أَدْرَكْتَ الْقَوْمَ رُكُوعًا لَمْ تَعْتَدَّ بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ[۱] وَقَالَ: قَالَ أَبُو سَعِيدٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) لَا يَرْكَعُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَقْرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ. قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُوْلُ ذٰلِكَ[۲] وَقَالَ الْبُخَارِيُّ أَنَّهُ ذَهَبَ إِلٰى ذٰلِكَ كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إِلٰى وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ[۳] اور ظاہر ہے کہ وجوب قراءۃ خلف الامام جمہور کا مذہب ہے پس عدم اعتداد اس رکعت کا جس میں کوئی نمازی بدون قراءت امام سے رکوع میں ملا جمہور صحابہ کا مذہب ہوگا۔ اور عراقی اور شبکی نے اور حسب تصریح ابن سیّد الناس ابوبکر ضبعی اور بعض اہل ظاہر اور ابن خزیمہ نے تو اس مسئلہ میں صاف فتویٰ دیا کہ بدوں قراءت مدرک رکوع کی نماز نہیں ہوتی۔ (قَالَ الْبُخَارِيُّ:) فَإِنِ احْتَجَّ فَقَالَ إِذَا أَدْرَكَ الرُّكُوعَ جَازَتْ فَكَمَا أَجْزَأَتْهُ فِي الرَّكْعَةِ كَذٰلِكَ تُجْزِيهِ فِي الرَّكَعَاتِ قِيلَ لَهُ إِنَّمَا أَجَازَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَابْنُ عُمَرَ وَالَّذِينَ لَمْ يَرَوُا الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَأَمَّا مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ، فَقَدْ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا يُجْزِيْهِ حَتّٰى يُدْرِكَ الْإِمَامَ قَائِمًا۔[۴]

---

[۱] انہوں نے اپنی سند سے عبدالرحمٰن اَعرج سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: جب تم لوگوں کو رکوع میں پاؤ تو اُس رکعت کو شمار نہ کرو۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ مَنْ قَرَأَ فِي سَكَتَاتِ الْإِمَامِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ)

[۲] انہوں نے کہا کہ حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی رکوع نہ کرے یہاں تک کہ وہ اُمّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھ لے۔ امام بخاریؒ نے کہا: اور حضرت عائشہؓ بھی ایسے ہی کہا کرتی تھیں۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[۳] اور امام بخاریؒ نے کہا: ہر کوئی جو امام کے پیچھے قراءت کے واجب ہونے کی طرف گیا ہے اُس کا یہی مذہب ہے۔

[۴] (امام بخاریؒ نے کہا:) اگر کوئی دلیل دے اور کہے کہ جب اُس نے رکوع پالیا تو (اس کی رکعت) ادا ہوگئی، پس جس طرح ایک رکعت میں (قراءت نہ کرنا) اس کے لیے جائز ہے، اسی طرح (باقی) رکعات میں بھی اس کے لیے جائز ہے۔ تو اسے کہا جائے گا کہ صرف حضرت زید بن ثابتؓ، (حضرت عبداللہ) بن عمرؓ اور اُن لوگوں نے ہی اسے جائز قرار دیا ہے جو امام کے پیچھے قراءت کرنے کی رائے نہیں رکھتے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے قراءت کرنے کی رائے دی ہے (وہ تو اس کے قائل نہیں۔) اور حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ہے کہ اُس سے (رکعت) ادا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ امام کو قیام کی حالت میں (یعنی رکوع سے قبل) نہ پالے۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ)

اور عبدالرحمٰن الاعرج کے مخالف عبدالرحمٰن بن اسحاق کا اثر ابوہریرہ سے اگر کوئی پیش کرنا چاہے تو اسے یہ بھی سن رکھنا چاہیے کہ امام الائمہ نے اس کی نسبت کہا ہے۔ وَلَيْسَ هٰذَا مِمَّنْ يُعْتَدُّ عَلٰى حِفْظِهٖ إِذَا خَالَفَ مَنْ لَيْسَ بِدُونِهٖ وَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ (بْنُ إِسْحَاقَ) مِمَّنْ يُحْتَمِلُ فِي بَعْضٍ. وَقَالَ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ: سَأَلْتُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَلَمْ يَحْمَدْ مَعَ أَنَّهٗ لَا يُعْرَفُ لَهٗ بِالْمَدِينَةِ تِلْمِيْذٌ إِلَّا أَنَّ مُوسَى الزَّمْعِيَّ رَوَى عَنْهُ أَشْيَاءَ فِي عِدَّةٍ مِنْهَا اضْطِرَابٌ۔[1]

مدرک رکوع تارک قراءت کے عدم اعتداد رکعت کے فتویٰ دینے والے پر اعتراض اور ان کا جواب

پہلا سوال۔ ابوہریرہ سے مروی ہے مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوعَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى. رواہ الدّارقطنی۔[2] ابن عمر سے ہے مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهَا... الخ۔[3]

ا جواب۔ اس حدیث میں بشر بن معاذ متروک ہے۔ ایسا ہی سلیمان بن ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں عمرو بن حبیب متروک ہے۔ عمدہ طُرق میں اوزاعی کی روایت تھی مگر اس میں ولید

---

[1] اور یہ (عبدالرحمٰن بن اسحاق) ایسا شخص نہیں کہ اس کے حافظہ پر اعتماد کیا جائے، جبکہ اس کی مخالفت کرنے والا اس سے کمزور نہیں ہے۔ اور عبدالرحمٰن (بن اسحاق) بعض (روایات) میں قابل برداشت بھی ہے۔ اور اسماعیل بن ابراہیم نے کہا: میں نے مدینہ والوں سے عبدالرحمٰن کے متعلق پوچھا تو اس کی صرف یہی تعریف کی گئی کہ مدینہ میں اس کا ایک ہی شاگرد معروف ہے یعنی موسیٰ زمعی نے اس سے متعدد ایسی چیزیں روایت کی ہیں جن میں اضطراب ہے۔

[2] جس نے جمعہ کے دن دوسری رکعت کا رکوع پالیا تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

(سنن الدار قطني ، كتاب الجمعة، بَابٌ فِيمَنْ يُدْرِكُ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً أَوْ لَمْ يُدْرِكْهَا)

[3] جس نے نمازِ جمعہ یا اس کے علاوہ (کسی نماز) کی ایک رکعت پالی (تو اس نے نماز پالی)

(سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة، بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً)

مدلّس ہے ابن حبان نے کہا ہے اس کے سارے طریقے معلول ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا لا اصل لھذا الحدیث۔[1] پھر دارقطنی اور ابن ابی حاتم نے کہا صرف اتنا متن مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَهَا۔[2] صحیح ہے۔ صحیح متن ہمارے خلاف نہیں اس کے ایک اور طریقہ میں یحیٰی بن راشد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا اس کی حدیث محفوظ نہیں اور ایک اور طریقہ میں ابن قیس متروک ہے۔ ابن عمر سے ابن حبّان کی روایت میں ابراہیم منکر الحدیث ہے۔ اوھیثم بڑا مدلّس ہے۔ تمام ہوا تلخیص الجیر کا خلاصہ۔ اور تلخیص میرے پاس اللہ کے فضل سے موجود ہے۔ علاوہ بریں ابن عمر کی روایت میں مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً ہے اور وہ ہمارے خلاف نہیں۔

۲ جواب۔ ابوہریرہ کی یہ حدیث حقیقت میں یہ حدیث ہے إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ رَكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ، وَإِذَا أَدْرَكَ رَكْعَةً فَلْيَرْكَعْ إِلَيْهَا أُخْرٰى۔[3] اس روایت میں رکوع کے بدلے رکعت کا لفظ موجود ہے اگرچہ یہ روایت بھی سلیمان جیسے متروک اور صالح جیسے ضعیف سے مروی ہے۔ اِلَّا جس کے معارضہ میں ہے وہ اس سے بھی ضعیف ہے۔

جواب ۳۔ جمعہ کی تقیید آپ کی تقریب کو تام نہیں ہونے دیتی۔

جواب ۴۔ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے اور حنفیہ کے اصول میں ہے کہ راوی کا عمل اگر اس کی روایت کے خلاف ہو تو راوی کی روایت قابل حجت نہیں کیونکہ اگر روایت حجت تھی تو راوی آپ خلاف نہ کرتا۔ یاد رکھو یہ اصل ہم لوگ صحیح نہیں مانتے کیونکہ ممکن ہے راوی کو اپنی روایت ایک وقت بھول گئی۔ ممکن ہے خطا کر گیا۔ ممکن ہے روایت عزیمت تھی۔ راوی نے رخصت پر عمل کیا یا روایت رخصت تھی راوی نے عزیمت پر عمل کیا وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

[2] جس نے نماز (باجماعت) کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز کو پالیا۔

[3] جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن دونوں رکعتیں پالے تو اُس نے جمعہ پالیا اور جب ایک رکعت پائے تو اس کے ساتھ دوسری پڑھ لے۔

(المعجم الأوسط للطبرانی، باب المیم، من اسمه مطلب)

۵ جواب۔ مَنْ اَدْرَكَ الرُّكُوعَ میں مَنْ کا کلمہ عام ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اپنے عموم پر نہیں۔ دیکھو ایک شخص نے وضو نہیں کیا اور مدرک رکوع ہو گیا یا اللہ اکبر نہیں کیا نہ اس کے بدلے خدائے بزرگ کہا اور مدرک رکوع ہو گیا یا قیام نہیں کیا۔ اب فرمایئے ایسے مدرک رکوع کی رکعت ہوئی یا نہ ہوئی درصورت اوّل اجماع کے یا آپ کے ضرور خلاف اور دوسری صورت میں سوال ہے کہ عام عام نہ رہا۔ کیونکہ حدیث مَنْ اَدْرَكَ میں یہ بیان نہیں کہ مَنْ اَدْرَكَ الرُّكُوعَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ وَبَعْدَ الْقِيَامِ بَلْ وَبَعْدَ الْوُضُوْءِ اگر آپ لوگ اور دلائل سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ شمول رکوع بعد وضو اور تکبیر اور قیام ہو پس جیسے دلائل سے رکوع کے پہلے وضو اور تکبیر اور قیام کی ضرورت ثابت کرتے ہیں ویسے ہی دلائل سے رکوع کے پہلے قراءت فاتحہ کی ضرورت کیوں نہیں مانتے۔

دوسرا سوال۔ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ اِنْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَّصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ. متّفق علیه۔[1] تفصیل اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا باوجودیکہ ابوبکرہ نے قراءۃ نہیں پڑھی تھی۔ معلوم ہوا رکعت اس کی رکوع میں ملنے سے پوری ہوئی کیونکہ ضرورت کے وقت سکوت بیان ہوتا ہے اور سکوت تقریر ہے۔ اور تقریر حجت ہے۔

ا جواب۔ امام بخاری نے اس سوال کا نہایت لطیف جواب دیا۔ نفسی فدا جوابہ ما اعجبہ و ما احسنہ، قَالَ (الْإِمَامُ) الْبُخَارِيُّ: فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَعُودَ لِمَا نَهَى النَّبِيُّ صلَّى اللهُ

---

[1] حسن (بصریؒ) نے حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت پہنچے جبکہ آپؐ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپؓ کو (نیکی کی) حرص میں اَور بڑھائے، پھر ایسا نہ کرنا۔

(صحیح البخاری، کتاب الأذان، بَابُ إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ (قَالَ الْبُخَارِيُّ) وَلَيْسَ فِيْ جَوَابِهٖ أَنَّهُ اعْتَدَّ بِالرُّكُوْعِ عَنِ الْقِيَامِ ۔[1]

۲ جواب ۔ کہاں لکھا ہے کہ ابوبکرہ نے بدون القراءۃ یاقبل القراءۃ رکوع کیا تھا اگر کہو اس روایت میں قراءت کا ذکر نہیں اور عدم ذکر قراءت سے عدم قراءت لیتے ہیں تو اس کا جواب ہے کہ اس ابوبکرہ کی حدیث میں تکبیر تحریمہ کہنے اور ابوبکرہ کے وضوکرنے کا بھی ذکر نہیں پس اس کا بھی انکار کردو۔ اور اگر کسی جگہ وضو اور تکبیر کا ثبوت ہے تو کسی ایسی ہی جگہ قراءت کا بھی ثبوت ہے۔

اگر فَرَكَعَ کی فَا سے عدم قراءت آپ لوگوں نے سمجھا ہے تو نحو کی کتابوں میں فا کی بحث دیکھو اور ان امثلہ پر غور کرو۔ زَوَّجَ زَيْدٌ فَوَلَدَلَهٗ[2] اور دَخَلْتُ مَكَّةَ فَمَدِيْنَةَ۔[3] اور آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۔[4] اور آیت شریفہ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ۔[5] ان جملوں کی فاؤں کو دیکھ کر سوچو کہ زید کے بیاہ کرنے پس بچہ پیدا ہونے میں کوئی فاصلہ ہوتا ہے یا نہیں ایسے ہی مکہ میں داخل ہونے پھر مدینہ کے داخل ہونے میں اور مینہ کے بادلوں سے اترآنے اور زمین کے سبزہ زار ہونے میں اور عَلقه کے مُضغه ہونے میں اگر ان جگہوں میں فاء فصل کے مانع نہیں تو ابوبکرہ کی حدیث فَانْتَهٰى فَرَكَعَ میں فصل (تکبیر اور فاتحہ پڑھنے کا فصل) کا کون مانع۔

۳۔ جواب ۔ کہاں ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ یا قضا کا حکم نہیں دیا۔

---

[1] میری جان آپ کے جواب پر قربان، کیا ہی خوبصورت اور کیا ہی پیارا (جواب) ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس (کام) کی طرف لَوٹے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو۔ (امام بخاریؒ نے کہا:) اور آپؐ کے جواب میں یہ بات نہیں ہے کہ آپؐ نے قیام کے بغیر ہی رکوع کو شمار کرلیا تھا۔
(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[2] زید نے شادی کی پھر اس کے ہاں اولاد ہوئی۔

[3] میں مکہ میں داخل ہوا، پھر مدینہ (گیا)

[4] کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اُتارتا ہے، پھر زمین سرسبز ہوجاتی ہے۔

[5] پھر بنایا ہم نے اُس سیال کو بستہ خون پھر بنایا بستہ خون کو گوشت کا ٹکڑا۔

۴۔ جواب ۔ کہاں ثابت ہوا ہے کہ ابوبکرہ نے قضا نہیں کی۔ کیا عدم النقل نقل العدم ہے۔ ابن الہمام حنفی نے کہا ہے۔ بالجملة عدم النقل لاینفی الوجود۔ انتھی۔[۱]

۵۔ جواب ۔ لزوم فاتحہ کا مسئلہ مشہور اور معلوم تھا اس لئے ابوبکرہ کو حکم نہ دیا ہو۔ ابن ہمام نے اثبات وجوب فاتحہ میں اعرابی کی نسبت جو مَاتَیَسَّرَ کا حکم ہوا اس پر کہا ہے اِنَّ وُجُوْبُھُمَا کَانَ ظَاهِرًا۔[۲] اور کہا ہے یا مَا تَیَسَّرَ بَعْدَهَا (الفاتحۃ) لِظُهُوْرِ لُزُوْمِهَا۔[۳] پس ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فاتحہ کے باب میں ابوبکرہ کو کچھ حکم نہ دیا لِظُهُوْرِ لُزُوْمِهَا وَلِاَنَّ وُجُوْبَهَا کَانَ ظَاهِرًا۔[۴]

۶۔ جواب ۔ یہاں تقریر ہی نہیں اس مقام میں تو رسول اللہ صلعم نے ابوبکرہ پر انکار کیا ہے۔ پھر تقریر کہاں رہی۔

۷۔ جواب ۔ مانا کہ سکوت تقریر ہے اِلَّا تقریر قول کا معارضہ نہیں کرسکتی۔

۸۔ جواب ۔ جواز تاخیر بیان میں اصولیوں کا اختلاف ہے۔ سائل کا مطلق ممنوع کہنا صحیح نہیں۔

۹۔ جواب ۔ بعد فرض وتسلیم تاخیر عن وقت الحاجة ممنوع ہے نہ الی وقت الحاجة اور یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سکوت الی وقت الحاجة ہوا اور یہ سکوت جمہور کے نزدیک جائز ہے۔

۱۰۔ جواب ۔ ابوبکرہ کی حدیث میں طبرانی نے صَلِّ مَا اَدْرَکْتَ وَ اقْضِ مَا سَبَقَكَ ۔[۵] زیادہ کیا ہے۔ تو شیخ سیوطی من امام الکلام للمولوی عبدالحی صاحب اور زیادہ ثقہ بلکہ تفرد ثقہ بزیادہ مقبول ہے۔ صَرَّحَ بِهِ ابنُ الْهَمَّام پس بیان ہو گیا تاخیر تر ہے۔

---

[۱] ازاں جملہ تحریر کا نہ ہونا اُس کے وجود کی نفی نہیں کرتا۔

[۲] ان دونوں کا واجب ہونا ظاہر ہے۔

(فتح القدير شرح الهداية لابن الهمام، كتاب الصلاة)

[۳] اس (یعنی سورۂ فاتحہ کے پڑھنے) کے بعد جو تمہیں میسر ہو (پڑھو) اس کے لازم ہونے کے اظہار کے لیے۔

(فتح القدير شرح الهداية لابن الهمام، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[۴] اس (یعنی سورہ فاتحہ) کے لازم ہونے کے اظہار کے لیے اور اس لیے کہ اس کا واجب ہونا ظاہر ہے۔

[۵] جو (حصہ باجماعت نماز کا) تم پالو، پڑھ لو اور جو تمہارے آنے سے پہلے گذر جائے اُسے پورا کرلو۔

تاخیر بیان وغیرہ کے انکار پر الزام

افعال حج کے بیان میں حج نبوی کا قصہ دیکھ جاؤ اور اس میں جن لوگوں سے رَمی اور ذَبح اور حلق وغیرہ کی تقدیم اور تاخیر ہوگئی ان کی نسبت حضرت امام اعظم سیّد ولد آدم شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ۔ اِفۡعَلۡ وَلَاحَرَجَ۔ اِفۡعَلۡ وَلَاحَرَجَ۔[1] پڑھو۔ پھر اپنے وجوب دم کا حکم اس کے مقابلہ لا کر دیکھو۔ اور سوچو کہ تاخیر بیان یا عدم نقل حکم وجوب دم موجود ہے یا نہیں۔

اور جس شخص نے صحابہ میں سے اپنی بی بی کے ساتھ رمضان میں بحالتِ صوم جماع کیا اور تمرات عطیہ نبویہؐ بھی اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دیں۔ اس کے حق میں آپ کا فتویٰ ہے کہ کفارہ اور قضا اس کے ذمہ رہا حالانکہ کسی حدیث میں ثابت نہیں ہوا کہ اسے رسول اللہؐ نے کفارے اور قضا کا حکم دیا۔

پس یا تو تاخیر بیان مانا یا عدم نقل کو نقل عدم نہ کہا یا یہ کہو گے اِنَّ لزومها كان ظاهرًا وان وجوبهما كان مشهورًا[2] جو عذر یہاں تراشو وہی۔ ابوبکرہ کے قصہ میں قراءت فاتحہ کے واسطے سمجھ لو۔

۱۱۔ جواب۔ لاتعد بفتح تا اور ضم عین عود سے صحیح روایت میں آیا ہے اگر آپ لوگوں نے عدو یا اعادہ سے مشتق مانا تو لاتعد محتمل ہوا وَإِذَا جَآءَ الۡاِحۡتِمَالُ بَطَلَ الۡاِسۡتِدۡلَالُ۔[3]

تیسرا سوال۔ عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ مَرۡفُوعًا: إِذَا جِئۡتُمۡ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحۡنُ سُجُوۡدٌ فَاسۡجُدُوۡا، وَلَاتَعُدُّوۡهَا شَيۡئًا، وَمَنۡ أَدۡرَكَ الرَّكۡعَةَ، فَقَدۡ أَدۡرَكَ الصَّلَاةَ۔[4] یہاں رکعت سے رکوع مراد

---

[1] یوں کرلو (اس میں) کوئی حرج نہیں، یوں کرلو (اس میں) کوئی حرج نہیں۔
[2] یقیناً اس کا ضروری ہونا ظاہر ہے اور ان دونوں کا واجب ہونا مشہور ہے۔
[3] جب امکان موجود ہو تو استدلال زائل ہو جاتا ہے۔
[4] حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں، تو تم بھی سجدہ کرو اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرو۔ اور جس نے رکوع پالیا اُس نے نماز کو پالیا۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، تفريع أبواب الركوع والسجود، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُدۡرِكُ الۡإِمَامَ سَاجِدًا كَيۡفَ يَصۡنَعُ)

ہے نہ مجموعہ قیام اور رکوع۔

۱۔جواب۔ یہ حدیث منکر ہے اس کا راوی یحییٰ بن سلیمان المدنی منکر الحدیث ہے۔ قالہ البخاری یحییٰ کا سماع زید اور ابن المقبری سے ثابت نہیں وَلَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ كَمَا قَالَ الْبُخَارِيُّ۔[۱]

۲۔جواب۔ رکعت کے شرعی اور عرفی معنے چھوڑنے اور مجاز شرعی (گو وہ حقیقت لغوی ہے) لینے پر کس نے مجبور کیا۔ شرع نے بدوں قرینہ کہیں رکعت کے معنی رکوع نہیں لئے اور شرعی رکعت میں قیام، قراءت، رکوع، سجود سب کچھ ہے۔

۳۔جواب۔ جواب یہاں فرضیت فاتحہ کے ادلّہ رکعت کے معنے رکوع لینے کے خلاف ہیں پس صارف عن المجاز موجود ہوگیا۔

۴۔جواب۔ یہاں رکعت بمقابلہ سجدہ نہیں بلکہ جملہ بمقابلہ جملہ ہے پس مقابلہ کا قرینہ صارف عن الحقیقت نہ ہوا۔

۵۔جواب۔ اگر یہاں رکعت کے معنے رکوع ہیں تو حسبِ حدیث قیام بقدر طمانینت اور سجود اور تکبیر بھی فرض رہی یا نہیں۔ اگر ہیں تو گذارش کہ حدیث میں مذکور نہیں اگر کہو اور اور احادیث سے یہ چیزیں ثابت ہیں تو عرض ہے کہ ایسے ہی اور احادیث سے قراءت ثابت ہے۔ اگر کہو یہ باتیں فرض نہیں تو خلافِ اجماع اور خلافِ حنفیہ ہے۔

۶۔جواب۔ اگر رکعت سے مراد رکوع ہے تو صلوٰۃ سے خواہ مخواہ آپ کو تمام رکعت لینا پڑا کیونکہ بقول آپ کے یہ ترجمہ ہوگا جس نے رکوع پایا اس نے صلوٰۃ پائی۔ اور ظاہر ہے کہ صرف رکوع سے نماز نہیں ہوتی جب صلوٰۃ کے معنے رکعت تامہ ہوئے تو آپ کو یاد دلادیں گے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی کوئی پوری رکعت نہیں اس کی جس نے فاتحہ نہ پڑھی پس ہر رکعت میں فاتحہ فرض ہوگئی۔

---

[۱] اور اس سے دلیل قائم نہیں ہوتی، جیسا کہ امام بخاریؒ نے کہا ہے۔

۷۔ جواب۔ احادیث ذیل میں دیکھو۔ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1] اور حدیث صلوٰةُ الخوف میں آیا ہے صَلَّى بِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَبِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وأمثالها۔[2] رکعت سے مراد کیا صرف رکوع بدون القراءۃ ہے اور کیا منفرد پر مَنْ أَدْرَكَ کی حدیثیں صادق نہیں اور کیا رسول اللہ صلعم نے امام ہو کر ہر ایک طائفہ کے ساتھ صرف رکوع ہی ادا فرمایا تھا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

آثار کا جواب۔ اوّل ان آثار کو نقل کرتا ہوں جن سے مُدرکِ رُکوع تارک قراءت کے جواز رکعت کا استدلال پکڑا گیا۔ پھر ان کا ان شاء اللہ تعالیٰ جواب دوں گا۔

پہلا اثر۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ۔[3] (جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی) اور ابن وہب نے یحییٰ بن حمید سے روایت کیا۔ قَبْلَ أَنْ يُّقِيمَ الْإِمَامُ صُلْبَهٗ۔[4] (امام کے کمر سیدھی کرنے سے پہلے) اور دوسرا ابن وھب سے طحاوی نے بیان کیا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَنَا وَابْنُ مَسْعُودٍ فَأَدْرَكْنَا الْإِمَامَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعْنَا ثُمَّ مَشَيْنَا حَتّٰى اسْتَوَيْنَا فِي الصَّفِّ فَلَمَّا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلَاةَ قُمْتُ لِأَقْضِيَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: قَدْ أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ۔[5] **تیسرا** طحاوی سے وَعَنْ طَارِقٍ... دَخَلْنَا الْمَسْجِدَ فَرَأَيْنَا النَّاسَ رُكُوعًا فِي مُقَدَّمِ

---

[1] جس نے صبح کی نماز کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی، تو اُس نے اسے پالیا۔ اور جس نے عصر کی نماز کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی تو اُس نے اسے پالیا۔ امام بخاریؒ نے اسے روایت کیا ہے۔

[2] آپؐ نے ان لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسرے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی اور اسی طرح کیا۔

[3] جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اُس نے (نماز) پالی۔

[4] اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر سیدھی کر لے۔

[5] (زید بن وہب نے کہا:) میں اور (حضرت عبداللہ) بن مسعودؓ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم نے امام کو رکوع کرتے ہوئے پایا۔ ہم نے رکوع کر لیا پھر چلے حتیٰ کہ صف میں جا شامل ہوئے۔ جب امام نے نماز مکمل کر لی تو میں اُٹھ کھڑا ہوا تا کہ نماز مکمل کر لوں۔ تو حضرت عبداللہ نے کہا: تم نماز پا چکے ہو۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ)

الْمَسْجِدِ فَرَكَعَ وَمَشٰى وَفَعَلْنَا مِثْلَ مَا فَعَلَ۔[1] چوتھا۔ طحاوی عَنْ أَبِي أُمَامَةَ... قَالَ: رَأَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ رُكُوعٌ فَمَشٰى حَتّٰى إِذَا أَمْكَنَهٗ أَنْ يَّصِلَ إِلَى الصَّفِّ وَهُوَ رَاكِعٌ.... فَرَكَعَ ثُمَّ دَبَّ وَهُوَ رَاكِعٌ حَتّٰى وَصَلَ الصَّفَّ۔[2] اور نیز زید بن ثابت سے مروی ہے أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ كَانَ يَرْكَعُ عَلٰى عَتَبَةِ الْمَسْجِدِ وَوَجْهُهٗ إِلَى الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَمْشِيْ (إِلَى الصَّفِّ) ثُمَّ يَعْتَدُّ بِهَا إِنْ وَصَلَ إِلَى الصَّفِّ أَوْ لَمْ يَصِلْ۔[3] پانچواں۔ محمدؒ کی مؤطا میں مالک سے ہے۔ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابن عمر... إِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ۔[4] مالک نے مؤطا میں کہا بلغه أن عبد الله بن عمر وزيد بن ثابت كانا يقولان: من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة. وَكَذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا زَادَ مَنْ فَاتَهٗ قِرَاءَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔[5]

---

[1] اور طارق (بن شہاب) سے روایت ہے کہ........... ہم مسجد میں داخل ہوئے تو ہم نے مسجد کے اگلے حصہ میں لوگوں کو رکوع کی حالت میں دیکھا۔ اس پر (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) رکوع کر لیا اور چلتے گئے۔ ہم نے ویسا ہی کیا جیسا انہوں نے کیا۔

[2] حضرت ابوامامہؓ...... سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو دیکھا، وہ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگ رکوع میں تھے تو وہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب اُن کے لیے رکوع کی حالت میں صف میں شامل ہونا ممکن ہو گیا...... تو انہوں نے رکوع کیا، پھر رکوع کی حالت میں ہی سرکنے لگے یہاں تک وہ صف میں شامل ہو گئے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، بَابُ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ، جزء 1 صفحہ398)

[3] کہ حضرت زید بن ثابتؓ مسجد کی دہلیز پر ہی رکوع میں (شامل) ہو جاتے تھے اور اُن کا رُخ قبلہ کی طرف ہوتا تھا۔ پھر وہ (صف کی طرف) چلتے اور خواہ وہ (رکوع کی حالت میں ہی) صف میں مل پاتے یا نہ مل پاتے، اسے شمار کر لیتے تھے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، بَابُ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ، جزء 1 صفحہ398)

[4] نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ جب تم سے رکوع چھوٹ جائے تو وہ رکعت تم سے رہ گئی۔

(مؤطا امام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، باب افتتاح الصلاة)

[5] انہیں یہ بات پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ دونوں یہ کہا کرتے تھے جس نے رکوع کو پا لیا اُس نے وہ رکعت پالی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے یہ زیادہ کہا کہ جس سے امّ القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھنے سے رہ گئی تو بہت بڑی خیر اُس سے چھوٹ گئی۔

ساتواں ۔ اخرج الحلبی فی شرح المنیۃ عن عمر: إِذَا أَدْرَكْتَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَرَكَعْتَ قَبْلَ أَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهُ فَقَدْ أَدْرَكْتَ الرَّكْعَةَ وَإِنْ رَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ فَقَدْ فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ ۔[1]

ا ۔ جواب ۔ پہلے اثر کی نسبت امام بخاری نے کہا ۔ يَحْيَى بْنُ حُمَيْدٍ فَمَجْهُولٌ لَايُعْتَمَدُ عَلٰى حَدِيثِهٖ غَيْرُ مَعْرُوفٍ بِصِحَّةٍ خَبَرُهٗ مَرْفُوعٌ وَلَيْسَ هٰذَا مِمَّا يَحْتَجُّ بِهٖ أَهْلُ الْعِلْمِ ۔[2] پھر بخاری نے کہا ہے ۔ مالک کے تابع ہوئے (مالک نے قبل ان یقیم صلبہ کا لفظ زیادہ نہیں کیا) عبید اللہ اور یحی بن سعید اور ابن الحاذ یونس، معمر، ابن عیینہ شعیب بن جریج عراك (الی ان قال) وَهُوَ خَبَرٌ مُسْتَفِيضٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحِجَازِ وَغَيْرِهَا ۔[3] اوراگر زیادتی مان بھی لیں تو کہتے ہیں قبل ان یقیم الامام صلبہ ایسا ہے جیسا ۔ الحج عرفۃ ۔ اور الحج عرفہ کے معنے ہیں کہ جس نے عرفہ سے پہلے اور پیچھے کے ارکان پائے اور عرفہ نہیں پایا اس کا حج نہیں ۔ ایسے ہی یہاں جس نے تکبیر وغیرہ اور سجدہ بدوں رکوع پایا ۔ اس کی رکعت نہیں ہوئی ۔ علاوہ بریں من ادرك الرکعۃ میں حسب فرمان حنفیہ رکوع مراد لیا ۔ اِلّا حنفیہ سے عرض ہے کہ آپ لاصلوٰۃ وغیرہ میں صلوٰۃِ کاملہ مراد لیا کرتے ہو ۔ یہاں بھی ادراک کامل لیجیے ۔ اور کہیے من ادرك الرکعۃ ای الرکوع بعد ان توضّأَ و کبّر و قام وقرأ الفاتحۃ[4] آپ تو بے وجہ کامل لیتے ہیں ۔ ہم سے

---

[1] حلبی نے شَرْحُ الْمُنْيَه میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پاؤ، پھر تم اس کے سر اُٹھانے سے پہلے رکوع کر لو تو تم نے رکعت کو پا لیا اور اگر اُس نے تمہارے رکوع کرنے سے پہلے (سر) اُٹھالیا تو تمہاری رکعت چھوٹ گئی ۔

[2] یحیٰ بن حمید تو مجہول ہے، اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا ۔ صحت کے لحاظ سے غیر معروف (راوی) ہے، اس کی خبر مرفوع ہوتی ہے لیکن ایسی نہیں کہ جسے اہل علم حجت سمجھیں ۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[3] (یہاں تک کہ انہوں نے کہا:) اور یہ خبر حجاز وغیرہ کے اہل علم کے نزدیک پھیلی ہوئی ہے ۔

(القراءة خلف الإمام للبخاري، بَابُ هَلْ يُقْرَأُ بِأَكْثَرَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ)

[4] جس نے رکوع کو پایا یعنی وضو کرنے، تکبیر کہنے، قیام کرنے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد رکوع کو پایا ۔

یہاں اگر قرأۃ الفاتحہ کی زیادتی کی وجہ دریافت فرماؤ تو ہم انشاء اللہ وہ بھی کہہ سکتے ہیں پوچھو وہ کیا ہے۔ جواب دیں گے وہی جو توضّأَ اور کَبَّرَ اور قَامَ کی آپ نے نکالی ہے۔ باقی آثار کی نسبت اوّل تو عرض ہے کہ محمد اور طحاوی اور حلبی ملتزم الصحّۃ نہیں ان کی سندیں بیان کرو اور کسی تصحیح کے امام کی تصحیح دکھلاؤ۔ اور امام مالک کی بلاغات کا حال سنیے۔ سیوطی نے تدریب میں کہا ہے۔
وَمِنْ بَلَاغَاتِهِ أَحَادِيثُ لَا تُعْرَفُ، كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ۔[۱]

دوم۔ طارق کا اثر صرف شرکت کا مظہر ہے نہ اعتداد رکعت کا۔

سیوم۔ ابو ہریرہ کی اثر میں رکعت سے رکوع مراد لینا ممنوع ہے کیونکہ وہ شرعی رکعت نہیں۔

چہارم۔ بعض ان آثار سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان صحابہ نے وہی کام کیا جو ابوبکرہ نے کیا پس جیسے رسول اللہ ؐ کا حکم لا تعد ابوبکرہ کو تھا ان کو اس حکم نبوی کا محکوم کیوں نہ سمجھا جاوے۔

پنجم۔ ان کا فعل بعینہٖ ابوبکرہ کا فعل ہے اور یہ ثابت نہیں کہ ان کو لا تعد کا حکم پہنچا پس ان کے افعال باوجود امکان اختفاء الحکم عنہم[۲] کیونکر حجت ہوں گے۔

مولوی صاحب کا جواب مدرک رکوع کے حق میں۔ مدرک رکوع مدرک رکعت ست اذا ادرك الامام في الركوع فانه كان مدركاً بتلك الركعة صغيرى۔[۳] اگر شخص امام را دریابد ہر جا کہ امام را دریابد در ہماں رکن داخل شود۔ اگر رکوع یافت رکعت یافت وإلّا رکعت نیافت مالا بدمنہ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ. رَوَاهُ مَالِكٌ. واطلاق الركعة على الركوع واقع كما في حديث البخاري عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ ....

---

[۱] اور (امام مالک کی) بلاغات میں ایسی احادیث بھی ہیں جو غیر معروف ہیں۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے (بھی) اس کا ذکر کیا ہے۔ (تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، النوع الأول الصحيح، أَوَّلُ مُصَنَّفٍ فِي الصَّحِيحِ الْمُجَرَّدِ صَحِيحُ الْبُخَارِيِّ ثُمَّ مُسْلِمٍ)

[۲] اُن سے حکم کا مخفی رہنا۔

[۳] جب وہ امام کو رکوع میں پالے تو وہ صرف اُس چھوٹی سی رکعت (یعنی رکعت کے چھوٹے سے حصہ) کو ہی پانے والا ہے۔

كُنَّا ... نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ. کتبه محمد فضل الدین۔[۱]

فقیر۔ صغیری اور مَالَا بُدَّ مِنْهُ میں کوئی دلیل مذکور نہیں۔ پس ان سے فتویٰ دینا لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ[۲] کا امتثال نہیں۔

ابو ہریرہ کا اثر موقوف ہے اور وہ حجت مسلّمہ نہیں۔ ابو ہریرہ کے فتوے اور عمل کے خلاف ہے۔ بااین ہمہ رکعت کے حقیقی اور شرعی معنے چھوڑنے کی کوئی دلیل نہیں۔ رکعت کے معنے بدوں قرینہ رکوع لینے کے شرع میں کوئی نظیر نہیں۔ دیکھو آپ نے بھی جو حدیث بیان فرمائی اگر یہی الفاظ مان لیں جو آپ نے لکھے تو اس میں بھی رکعت کے معنی رکوع لینے پر فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ[۳] کا لفظ صریح قرینہ صارفہ موجود ہے۔ مولوی صاحب سچ ہے۔

علمی کہ نہ ماخوذ زمشکوٰۃ نبی ست — واللہ کہ سیرابئ او تشنہ لبی ست
جائکہ بود جلوہ حق حاکم وقت — تابع شدن حکم خرد بے ادبی ست

قال اللهُ تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ. هٰذَا آخر ما اردنا من الجواب الآن فی عدم اعتداد الرکعة لمدرك الرکوع و تارك ام القرآن۔ و الحمد لله الذی بنعمته تتمّ الصالحات۔ و اعلم یا ایها الناظر انما الاعمال بِالنّیّات۔[۴]

---

[۱] اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے جس نے رکوع پالیا اُس نے رکعت پالی، امام مالک نے اسے روایت کیا ہے۔ اور لفظ رکعت کا اطلاق رکوع پر واقع ہوا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپؐ نے رکوع سے اپنا سر اُٹھایا تو کہا: اللہ نے سن لی اس شخص کی جس نے اس کی تعریف کی۔ (محمد فضل الدین نے (بھی) اسے درج کیا ہے)۔

[۲] تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے ذریعہ سے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے فیصلہ کرے۔

[۳] پھر جب آپؐ نے اپنا سر اُٹھایا۔

[۴] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو۔ یہ اب آخری بات ہے جس کا جواب کے لیے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ رکوع کو پانے والے اور امّ القرآن کو چھوڑنے والے کی رکعت کا شمار نہیں ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کی نعمت سے نیکیاں تکمیل پاتیں ہیں۔ اور اے دیکھنے والے جان لے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے۔

فائدہ

جنازہ کی نماز میں تکبیر اُولٰی کے بعد فاتحہ کا پڑھنا سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اخرج البخاری فی صحیحہ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا) عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ۔ قَالَ: لِيَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ. وقول الصحابي انها سنة رفع الحديث فلا ينافي وجوب الفاتحة۔ وحديث ابن عباس اخرج الترمذی وقال حسن صحيح۔[1]

واخرج البخاری وغیرہ کما مرّ غیرمرۃ۔ لَاصَلٰوۃَ اِلَّابفاتحۃ الکتاب۔[2] اور صلوٰۃ جنازہ بھی صلوٰۃ ہے۔ افسوس ہمارے حنفی بھائی کہیں تو قرآن سے اس مسئلہ فاتحہ کا ایسا استدلال پکڑتے رہے کہ لَاصلوٰۃ کی حدیث کو چھوڑ دیا اور عذر کر دیا فَاقْرَؤُوْا مَاتَيَسَّرَ کے عموم کے خلاف ہے۔ یہاں صلوٰۃ جنازہ میں سرے سے فاتحہ کیا مطلق قرآن ہی فرض نہ مانا۔

ناظرین غور کریں

فقہ کے ابتدائی متون میں کیدانی ہے۔ جو ہندو پنجاب میں مروج ہے۔ اس پر مُلّا علی قاری

---

[1] امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت بیان کی کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی، انہوں نے کہا: تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔ اور قولِ صحابی ہے کہ یہ سنت ہے، انہوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا۔ پس فاتحہ کے واجب ہونے کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ترمذی نے بھی بیان کی ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ (روایت) حسن اور صحیح ہے۔

[2] اور جیسا کہ متعدد بار گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ وغیرہ نے اس (روایت) کو بیان کیا ہے کہ نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہی۔

نے فرمایا۔

وقد اغرب الکیدانی حیث قال والعاشر من المحرّمات الاشارة بالسّبابة کاھل الحدیث ای مثل اشارة جماعة یجمعھم العلم بحدیث رسول اللہ صلعم وھذا منه خطأ عظیم و جرم جسیم منشأہ للجھل عن قواعد الاصول و مراتب الفروع من المنقول ولولا حسن الظن وتأویل کلامه بسببه لکان کفرہ صریحا و ارتدادہ صحیحا فھل لمومن ان یحرم ما ثبت فعله صلعم ما کاد ان یکون نقله متواترًا و یمنع ما علیه عامة العلماء کابر عن کابر والحال ان الامام الاعظم و الھمّام الاقدم قال لایحلّ لاحد ان یاخذ بقولنا مالم یعرف ماخذ من الکتب والسّنة و اجماع الامّة والقیاس الجلیّ فی المسئلة وقال الشافعی اذا صح الحدیث علی خلاف قولی فاضربوا قولی علی الحائط و اعملوا بالحدیث الظاھر الی ان قال مع انه یکفی فی موجب تکفیر الکیدانی اھانته المحدّثین الذین ھم عمدة الدین المفھومة من قوله کاھل الحدیث المفضیّة الی قلّة الادب المفضی بسوء الخاتمة لان من المعلوم ان اھل القرآن اھل اللہ و اھل الحدیث اھل رسول اللہ و انشد فی ھذا المعنی شعر اھل الحدیث ھم اھل النبی و ان لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا۔ انتھٰی۔

کیدآنی نے انوکھی ہی بات کہی جو کہا نماز کے محرمات سے دسواں حرام سبابہ کا اشارہ ہے۔ اہلِ حدیث کی طرح کیا معنے اس جماعت کی طرح جس کو رسول اللہ صلعم کی حدیث نے ایک کیا اور یہ کہنا کیدانی کا بڑی خطا ہے اور بھاری جرم ہے۔ اس جرم کا منشا اصول کے قواعد اور منقول کے فروع کے مراتب سے جہالت ہے اگر حسنِ ظن کا حکم نہ ہوتا اور اس کے باعث کیدانی کے کلام میں تاویل نہ کی جاتی تو اس کا کفر صریح اور ارتداد صحیح تھا۔ کیا مومن نبی کے اس فعل کو حرام کہہ سکتا ہے جو قریب بتواتر ثابت ہوا اور کیا مومن منع کرسکتا ہے جس پر تمام علماء ہیں۔ بڑوں سے بڑے لیتے آئے۔ بڑے امام اور اقدام سردار (ابوحنیفہ) نے کہا کسی کو حلال نہیں کہ ہماری بات پر عمل

کرے جب تک قرآن اور حدیث اور اجماع امت اور جلی قیاس مسئلہ میں نہ جان لے۔ شافعی نے کہا جب کوئی حدیث میری بات کے خلاف صحیح ثابت ہو۔ میری بات دیوار پر پھینک دو اور عمل کرو حدیث پر جو ظاہر ہو یہاں تک کہ کہا کیدانی کی تکفیر کو یہی کافی ہے کہ اس نے محدثین کی اہانت کی وہ جو وہی دین کے عمائد ہین اور اس کا قلت ادب اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے جو اس نے کہا کاھل الحدیث اور یہ ادب کی کمی سوء خاتمہ کا سبب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اہل قرآن اہل اللہ ہیں اور اہلِ حدیث اہل رسول اللہ ہیں (اتنا تفرقہ بھی غلط) اور پڑھا نبی کے اہل اہل حدیث یہی ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ جناب کی صحبت میں نہیں بیٹھے اس کی باتوں کے صحبتی ہیں۔

اور اوسط متون میں مختصر وقایہ ہے اس کے ایک لفظ پر دراسات میں کہا۔

و من اقبح ذالك و اشنعه ما فی المختصر وشرحه لابی المکارم سن المختصر ان یوجه الی القبلة کما هو السنة فی القبر و اختیر الاستلقاء و ان کان الاول سنّة لکونه ایسر لخروج الرّوح انتهٰی. فلفظ الاضطجاع والتوجّه الی القبلة منصوص معناه لا احتمال له و معهذ اخالفوه من غیر مبالاة و مع المخالفة شهدوا علی انفسهم انها لیست من جهلهم بالحدیث حتی یعذ رون بجهلهم بل مع العلم عمدا ومع العمد صرّحوا انها لیست هی لاحتمال ان یکون مستند اهل الاختیار و الفتوی علی ما هو مخالف قول نبیهم صلعم حدیثا آخر ناسخا له اوراجحا علیه بوجه من وجوه الترجیح بل التّرجیح بامر لایعرف الّانقلا عن الاطبّاء والله تعالیٰ اعلم بأیسر منهما کما فی فتح القدیر اللّٰهمّ الا ان یقال هو امر طبیّ مظنون فان یسر خروج الروّح فی هیئة الا ستلقاء شیئی مزاجیّ ربما یحکم به بقواعد الامزجة و مع هٰذَا التصریح صرّحوا بانّ هٰذا الامر المجهول الغیر المستند الی حجة الا الی الطّب علی الظّن الضعیف فی ذٰلك ایضا لیس ممّا فیه المصلحة دینه بل الدنیویّةالمحضة لکونه یسرا مزاجیا لایسرا روحیّا و مفروغ فی الشریعة ان اکثر عسر المزاج یوجب یسر الروح فی عالمه و هو دارالآخرة و لهذا کانت الشدّة فی

السکرات من احوال سیّد الرسل علیه افضل الصّلوٰة و التسلیمات و من ذٰلك عدّت من لوازم منصب القطابة و معلوم انه لیس الیسر فی الحقیقة الا فیما وردت به الشریعة و ان کان فی الظاهر یورث عُسرًا و یفهم من هٰذا ان من قال باختیار الاستلقاء وافتٰی به معلّلًا بالیسر رَأَی الیسر علّته و من راٰه علّة یلزمه اعتقاد طردها و من اعتقد طردها یلزمه القول بترك کلّ سنّةٍ فیها عسر مزاجیّ فان اعتبار الیسر فی ترك السنّة علی شرف الهلاك حیث یتیقّن فاقد مزاج من اصله یوجب ان یّکون اعتباره فی حاك الحیٰوة حیث یکون حفظ المزاج مما لم یهمله الشرع من باب الاوّل و اذا کان کذالك یلزمه التجویز لترك ماٰتٍ من السنن و تلك مفسدة لا تخفی قبآئحها و هٰذا مما لایحتاج الی الاعماق فی تقبیحه و هذه المسئلة اوردها فی الهدایة ایضًا ۔ لکن لاعلی هذه الفظاعة و عزی العمل بالاستلقاء علی خلاف السنّة الی اهل بلاده من غیر تصریح باختیاره من اهل الفتوٰی و هو کلام یحتمل الطعن علی ما خالف السّنة من اهل بلاده فتعین حمله علیه اخراجا لکلام عالم عما یشینه فیما یمکن من المحامل بخلاف الکلام السّابق و الی الله سبحانه لشکوی من بعض اهل زماننا حیث یحاولون الجواب عن هذه الهفوة و تصحیحها بدندنة لا یشحنها سمع سامع فضلا من ان یدرکها فهم فاهم ثم ان توجیه المحتضر الی القبلة ثبت بقضیّة براء ابن معرور و هی انه صلّی الله تعالیٰ علیه و سلّم لمّا قدم المدینة سأل عن البراء بن معرور فقالو ا توفّی و اوصی بثلث ماله لك و اوصی ان یوجه الی القبلة لما احتضر فقال صلعم اصاب الفطرة وقد رددت ثلثه علی ولده رواه الحاکم و اما ان السنة کونه علیٰ شقّه الایمن فقیل یمکن الاستدلال علیه بحدیث النّوم فی الصحیحین عن البراء بن عازب عن النبی صلعم اذا اتیت مضجعك الحدیث وماروی امام احمد عن ام سلمة عن فاطمة (رضی الله عنها) انّها اضطجعت و استقبلت القبلة وجعلت یدها تحت خدّها ثم قالت یا امّه انی مقبوضة الآن وقد

تطهرت فلا يكشفني احد وقبضت مكانها۔ ضعیف۔

نہایت بُرا اور شنیع خلاف مختصر اوراس کی شرح ابوالمکارم کا ہے جو کہا۔ مختصر کے لئے سنت ہے مونہہ کر دینا قبلہ کو قبر میں اور پسند کیا گیا چت لٹا دینا اگر چہ پہلی بات سنت ہے کیونکہ اس میں روح آسانی سے نکلتی ہے۔ کروٹ پر لٹانا اور قبلہ کو مونہہ کر دینا ایسی نص میں آچکا ہے جس میں احتمال نہیں اور پھر بے پرواہی سے خلاف کیا اور بایں مخالفت کہہ دیا کہ ہم حدیث سے بے خبر نہیں اگر نہ کہتے تو جہالت کے معذور کہے جاتے بلکہ جان کر عمداً مخالف ہوئے اور باایں عمد تصریح بھی کر دی کہ یہ احتمال نہ کرو کہ استلقاء پسند کرنے والوں سے فتویٰ خلاف اپنے نبی کے کسی ناسخ اور راجح حدیث کے باعث ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ترجیح صرف ایسی بات سے ہے جو صرف اطبّا سے نقل ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جس میں روحانی آرام ہے۔ فتح القدیر میں ہے ہوسکتا ہے کہ کہا جاوے یہ طبیّ اور ظنیّ بات ہے کیونکہ استلقاء میں روحانی آرام ماننا ایک طبعی امر ہے اور علم طبعی کے قواعد اس پر حکم کرتے ہیں باایں تصریح ان لوگوں نے صاف کہہ دیا کہ اس صرف طبیّ ڈھکوسلا میں جو صرف ایک سُست وہم پر مبنی ہے۔ دینی کوئی مصلحت نہیں صرف دنیوی فائدہ ہے مزاجی آسائش ہے روحانی آرام نہیں اور شرع میں ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر مزاجی تکلیف روحانی عالم (دارآخرۃ) میں روحانی راحت کا موجب ہے اسی لئے۔ سکرات کی شدت سیّد رُسل صلعم کا حال ہے یہی سبب ہے کہ یہ تکلیف منصب قطب میں ضروریات سے شمار ہوئی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ حقیقی آرام اس میں ہے جس میں شرع وارد ہوئی اگر چہ ظاہر میں تکلیف ہی ہو۔ اس بات سے صاف واضح ہے کہ جس نے استلقا پسند کیا اور آرام کو علّت بنا کر استلقا کا فتویٰ دیا جب آرام کو علّت مانا تو اسے ضرور ہوا علّت کو مطرد ماننے اور جس نے مطرد مانا اسے ضرور پڑا کہ ان تمام سنتوں کو چھوڑ دے جن میں مزاجی تکلیف ہے کیونکہ آرام کا خیال سنت کے ترک میں مرتے وقت جبکہ مزاج کے اصل ہی سے گم ہو جانے کا یقین ہے واجب کرتا ہے کہ زندگی کی حالت میں جہاں مزاج کی حفاظت کو شرع نے بھی مہمل نہیں رکھا ضرور بہتر ہوگا جب یہ بات ہے تو ایسے لوگوں کو صدہا سنتوں کا ترک کر دینا ضرور ہوا

اور یہ ایسی برائی ہے جس کی قباحت کھلی ہے اور یہ وہ قباحت ہے جس کی زیادہ برائی بیان کرنے کی حاجت نہیں اور اس مسئلہ کو ہدایہ والا بھی لایا ہے۔ اِلَّا نہ اس بُری طرح۔ اور نسبت کیا استلقاء کا عمل سنت کے خلاف اپنے ملک والوں کی طرف بدوں اس کے کہ تصریح کرے کہ اہل فتویٰ نے اسے پسند کیا۔ پس ہدایہ کا کلام محتمل ہے کہ طعن ہو سنت کے مخالفوں پر اس کے ملک والوں سے۔ اور ضرور ہوا کہ یہی بات قرار دیں تو کہ عالم کا کلام حتی الامکان اس بات سے نکل جاوے جس میں عالم کی برائی نکلے۔ بخلاف کلام مختصر کے۔ اور خدا کے آگے دکھ ظاہر کرتے ہیں جبکہ زمانہ والوں کو دیکھتے ہیں کہ ایسی بُری بات کا جواب دینے لگتے ہیں اور اس کی تصحیح ایسے کلام سے کرتے ہیں جس کے لئے سننے والے کے کان بھی نہیں اٹھتے۔ چہ جائے کہ سمجھنے والا کچھ سمجھے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا بَراء بن مَعرور کے قصہ سے ثابت ہے وہ یہ کہ جب (رسول اللہ) صلعم مدینہ میں آئے بَراء کا حال پوچھا۔ لوگوں نے عرض کیا وہ مر گیا اور تہائی مال آپ کے لئے کہہ گیا اور وصیت کی مرتے وقت کہ قبلہ کی طرف اس کا مونہہ کیا جاوے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا فطرت کو پہنچا ثلث اس کا اس کی اولاد کے لئے روایت کیا حاکم نے اِلَّا یہ کہ دائیں کروٹ پر وہ لٹایا جاوے۔ پس کہا گیا کہ ہو سکتا ہے اس پر استدلال نوم کی حدیث سے صحیحین میں بَراء ابن عَازب سے آپ نے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا جب آئے تو اپنے بستر پر الخ اور وہ جو روایت کیا امام احمد نے اُمّ سلمہ سے اس نے فاطمہؓ سے وہ کروٹ پر قبلہ کو منہ کر کے سوئی اور اس نے ہاتھ کو رخسارے کے نیچے رکھا پھر کہا ماں میں مرتی ہوں اور ستھری ہو چکی ہوں میرے کپڑے کوئی نہ اتارے۔ پس مر گئی۔ یہ بات ضعیف ہے۔

انتہا کی درسی کتابوں میں ہدایہ ہے اس کے مقدمہ میں ہدایہ پر کہا ہے

و منها (المسامحات) قوله فی باب صلوة الجنائز كذا قاله رسول الله صلعم حين وضع ابادجانة فى القبر الخ هذا غلط فان ابادجانة توفى بعد رسول الله فى وقعة اليمامة سنة اثنى عشرة فى خلافة ابى بكر الصدّيق كَمَا رواه الواقدى فى كتاب الرَدّة كذا قال الزيلعی و قال العينى هذا و هم فاحش فان ابادجانة قتل يوم اليمامة كما اسنده الطبرانى فى

معجمه عن محمد بن اسحاق و سبب هذا لوهم التقليد فان شيخ الاسلام ذكر فی المبسوط ایضًا هٰكذا و كذا ذكره صاحب البدايع و الّذی وضعه رسول الله فی قبره۔هو ذوالبجادين و اسمه عبد الله و كان اولا اسمه عبد العزیٰ فغيره رسول الله صلعم اليه مات فی غزوة تبوك و البِجاد بكسر الباء الموحدة الكساء الغليظ و لّما اراد المصير الى رسول الله قطعت امّه بجاد ا لها فارتدء باحدهما واتزر بالاخرى فلقب به انتهى كلامه قلت لقد صدق فی ان سبب هذا لوهم التقليد وقد قلدهم العينی ايضا فی منحة السلوك شرح تحفة الملوك فذكر ما ذكره صاحب الهداية فلم يصب و قصة دفن ذی البجادين مروية فی حلية الاولياء للحافظ ابی نعيم وغيرها ۔

هدایہ کی مسامحات سے ہے قول اس کا باب جنائز میں ایسا ہی کہا رسول اللہ صلعم نے جب ابودجانہ کو قبر میں رکھا الخ اور یہ بات غلط ہے کیونکہ ابودجانہ رسول اللہ صلعم کے بعد یمامہ کی لڑائی میں سنہ بارہ ہجری میں فوت ہوا۔ جناب ابوبکر صدیق کے زمانہ میں جیسے واقدی نے کتاب الردۃ میں بیان کیا۔ایسا ہی زیلعی نے کہا اور عینی نے کہا یہ کھلا وہم ہے کیونکہ ابودجانہ یمامہ کی لڑائی میں مارا گیا جیسے طبرانی نے اپنی معجم میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ اس وہم کا موجب تقلید ہے کیونکہ شیخ الاسلام نے مبسوط میں بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور ایسا ہی ذکر کیا۔ بدایع والے نے اور جس کو رسول اللہؐ نے قبر میں رکھا۔ وہ ذوالبجادین ہے اور اس کا نام عبداللہ ہے۔ پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا پھر رسول اللہ صلعم نے بدل دیا۔ یہ شخص غزوہ تبوک میں مرا۔بِجاد بے کی زیر سے موٹی چادر کو کہتے ہیں جب اُس شخص نے رسول اللہؐ کی طرف جانا چاہا تو اس کی ماں نے اپنی چادر پھاڑ دی۔اس نے ایک ٹکڑا اوڑھ لیا اور دوسرا کمر میں باندھ لیا۔پس وہ اسی سے نامزد ہو گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس وہم کا باعث تقلید ہے اور عینی نے منحة السلوك شرح تحفة الملوك میں ایسی ہی تقلید کی ہے اور ایسا ذکر کیا جیسا ہدایہ والے نے کہا اور غلطی کھائی اور ذوالبجادین کا قصّہ حِلیۃُ الاولیاء میں حافظ ابونعیم وغیرہ نے بیان کیا۔

اور کتب اصول میں شاشی اور فصول وغیرہ سے لے کر تلویح تک یہ حدیث بیان کی گئی۔ تكثر لكم الاحاديث من بعدى فاذاروى لكم عنى فاعرضوه على كتاب الله[1] الخ۔ اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حدیث بخاری میں ہے فصول کی عبارت مفصل مذکور ہو چکی اور علامہ نے تلویح میں اس پر فرمایا وايراد البخارى اياه فى صحيحه لاينافى الانقطاع او كون احد رواته غير معروف بالرواية۔[2] اور اس پر ایک ایسا اصولی قاعدہ جمایا گیا جس کے ذریعہ سے صدہا احادیث ردّ کر دیں حالانکہ بخاری میں یہ روایت بالکل نہیں اور ان سب یا اکثر اصولیوں کا نسبت کرنا محض غلط ہے۔ مجھے اس تذکرہ سے یہ مطلب ہے کہ ناظرین رسالہ سوچیں اور یہ یقین کریں کہ اکابر علماء سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور نفس الامر کے خلاف ان سے سرزد ہو جاتا ہے۔ پس ترک تحقیق اور جمود علی التقلیب حق طلبی کے بالکل خلاف ہوگا اور اہل حدیث کی نسبت کیدانی جیسوں کے اقوال پسند کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ علی قاری کے فقرات اور مولوی عبدالحی صاحب کے اس انصاف کو دیکھیں جو مذکور ہے اور طحطاوی نے دُرّ مختار کی شرح میں اس فرقہ اور اس کی کتابوں کے حق میں جو کہا اسے بغور پڑھیں۔ قال

فان قلت ما وقوفك على انك على صراط مستقيم و كل واحد من هذه الفرق يدعى انه عليه قلت ليس ذلك بالادعاءِ و التّشبّث باستعمالهم الوهم القاصر والقول الزاعم بل بالنقل عن جهابذة هذه الصنعة و علماء اهل الحديث الذين جمعوا صحاح الاحاديث فى امور رسول الله صلعم واقواله و افعاله و حركاته و سكناته واقوال الصحابة و المهاجرين و الانصار الذين اتّبعوهم باحسان مثل امام البخارى و مسلم

---

[1] میرے بعد تم سے احادیث کثرت سے بیان کی جائیں گی۔ پس جب میرے متعلق تم سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو اسے اللہ کی کتاب پر پرکھ لینا۔

[2] اور امام بخاریؒ کا اسے اپنی صحیح میں لانا (سند کے) منقطع ہونے یا اس کے کسی راوی کے روایت میں غیر معروف ہونے کی نفی نہیں کرتا۔

وغيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق اهل المشرق و المغرب على صحة ما اوردوا فی کتبهم من امور النبی صلعم و اصحابه رضی الله عنهم ثم بعد النقل ینظر الی الذی تمتده بهدیهم و اقتفی اثرهم و اهتدی بسیرهم فی اللاصول و الفروع فیحکم بانه من الذین همهم وهذا هو الفارق بین الحق و الباطل و الممیّز بین من هو علی صراط مستقیم و بین من هو علی السّبیل الذی علی یمینه و شماله۔

اگر کہے کہ تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ تو سیدھے راہ پر ہے حالانکہ سب فرقوں کے لوگ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سیدھے راہ پر ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ صرف دعویٰ اور وہمی بات نہیں اور نہ ظنی بات ہے بلکہ یہ ہماری راستی حدیث کے بڑے ماہروں اور عالموں سے ثابت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحیح حدیثوں کو جمع کیا اور رسول اللہؐ کے امور اور ان کی باتیں اور ان کے افعال اور حرکات اور سکنات اور مہاجرین اور انصار صحابہ اور ان کی عمدہ باتوں کے تابعین کے اقوال اکٹھے کئے جیسے امام بخاری اور مسلم اور ان کے سوا اور مشہور ثقہ لوگ جن کی نسبت مشرق اور مغرب کے لوگوں نے اتفاق کیا کہ جو کچھ یہ لوگ اپنی کتابوں میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ سے لائے صحیح ہے۔ اب ان نقول کے بعد دیکھا جائے کہ کس نے ان کی ہدایت کو مضبوط پکڑا اور کون ان کے پیچھے ہولیا اور ان کے سیر سے ہدایت یاب ہوا۔ اصول میں اور فروع میں جو ان کے مطابق ہے وہی ان میں سے ہے۔ یہی بات حق و باطل کا تفرقہ ہے اور یہی سیدھے اور ٹیڑھے راہ کے ممیز ہے۔

خاتمہ پر عموماً کل ناظرین اور سامعین اور خصوصاً شہر کے امراء اور حکما سے عرض ہے کہ مولوی عبد الحی حنفی کا انصاف اور علی قاری رحمۃ اللہ کا دینی جوش اور طحطاوی کی مدح سرائی اور حضرت شاہ جیلان علیہ الرحمۃ و الغفران کے علامات کو دیکھیں اور سوچیں کہ اہل حدیث کس درجہ کے لوگ ہیں باقی اقوال اوپر گذر چکے ہیں۔ حضرت پیر کا فرمان یہ ہے۔ و اعلم ان لاهل البدع علامات یعرفون بها فعلامته اهل البدعة الوقیعة فی اهل الاثر۔ الی ان قال کل ذالك عصبة و غیاظ لاهل السنة ولا اسم لهم الا اسم واحد و هو اصحاب الحدیث

و لايلتصق بهم مالقبوهم اهل البدع (بالنجدی والوهابی وغیرہ) کما لايلتصق بالنبی صلعم تسمية كفار مكة ساحرًا شاعرًا مجنونًا مفتونًا و كاهنًا و لم يكن اسمه عند الله و عند ملائكته و عند انسه و جنّه و سائر خلقه الا رسولًا نبيًا بريامن العاهاتِ كلها۔ قال الله تعالیٰ۔انظر كيف ضربوالك الامثال فضلّوافلايستطيعون سبيلا۔غنیۃ للطالبین صفحہ ۱۸

ترجمہ۔ بدعتیوں کے ایسے نشان بھی ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔اہل حدیث کی غیبت کرنا یہاں تک کہ کہا کہ یہ سب اہل سنت کے ساتھ تعصب اور غیظ ہے اور ان کا سوائے اصحاب الحدیث کے اور کوئی نام نہیں اور جو نام بدعتی بولتے ہیں وہ ان پر چسپاں نہیں۔ جیسے رسول خدا صلعم کو مکہ کے کافر ساحر' شاعر' مجنون' مفتون' کاہن کہتے تھے اور وہ خدا اور فرشتوں اور انسانوں اور جنوں اور تمام مخلوقات میں رسول تھے اور بُرے عیبوں سے پاک۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔دیکھ تجھے کیسا کہا۔پس گمراہ ہوئے اور راہ پر نہیں آسکتے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ۔ وَاَمِتْنَا فِي اتِّبَاعِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَشَفِيْعِ يَوْمِ الْجَزَآءِ اَلرَّؤُفِ الرَّحِيْمِ۔ آمین[1]

جواب خط متضمن مسئلہ ناسخ ومنسوخ

العائذ باللہ ابُواسامہ اپنے عزیز نجم الدین کو السلام علیکم لکھتا ہے۔تمہارے تاکیدی خط بدر یافت مسئلہ نسخ مکرر پہنچے۔ میرا منشا تھا کہ اس مسئلہ میں مفصل رسالہ لکھوں اِلَّا فی الحال کئی موانع درپیش ہیں۔آپ چندروز اور انتظار فرمائیے۔اگر زندگی باقی ہے تو انشاءاللہ وہ تفصیل آپ کی نگاہ سے گذرے گی۔اس وقت خط میں ضروری باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ مجھے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ میری یہ چند باتیں آپ کو اور ناظرین اور سامعین کو بھی مفید

---

[1] اے اللہ جو نہایت مہربان اور بار بار رحم کرنے والا ہے! ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھنا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور جزا سزا کے دن کے شفیع کی پیروی میں ہمیں موت دینا۔آمین

ہوں گی۔ فانی فی مقام النصح و لم لا اکون و الدین النصح و انما الاعمال بالنیّات و انما لامرء مانوی۔[1] میرے دل میں جوش زن ہے۔ جہاں تک آپ سے ہو سکے یہ خط احباب کو دکھلایئے۔ کیونکہ لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ[2] جناب رسالت مآب کا فرمان ہے۔

میرے عزیز اب میں اس مضمون کو چند فقروں میں بیان کرتا ہوں۔

فقرہ اوّل۔ نسخ کے معنی۔ نسخ لغت میں باطل کر دینے اور دُور کر دینے کو کہتے ہیں اور نقل اور تحویل اور تغیر کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ قاموس میں لکھا ہے۔

نَسَخَهٗ کَمَنَعَهٗ اَزَالَهٗ وَغَیَّرَهٗ وَ اَبْطَلَهٗ وَاَقَامَ شَیْئًا مَقَامَهٗ وَ الشَّیْءَ مَسَخَهٗ وَالْکِتَابَ کَتَبَهٗ. (قاموس)[3]

اَلنَّسْخُ اِبْطَالُ شَیْءٍ وَ اِقَامَةُ غَیْرِهٖ مَقَامَهٗ. نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ وَهُوَ مَعْنٰی مَا نَنْسَخْ (مجمع البحار)[4]

و نسخ الکتاب ازالة الحکم بحکم تعقیبه قال تعالیٰ ماننسخ من آیة (خفاجی)[5] النسخ النقل و کنقل کتاب من آخر و الثانی الابطال و الازالة و هو

---

[1] میں تو خیر خواہی کے مقام پر ہوں اور میں خیر خواہ کیوں نہ بنوں جبکہ دین تو ہے ہی خیر خواہی۔ اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی۔

[2] تم میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[3] نَسَخَهٗ کے معنیٰ مَنَعَهٗ کی طرح ہیں، یعنی اُس نے اسے روک دیا، دُور کر دیا اور اُس نے اسے تبدیل کر دیا، باطل کر دیا اور کوئی چیز اُس کی جگہ کھڑی کر دی، اور نَسَخَ الشَّیْءَ کے معنی ہیں اُس نے وہ چیز مٹا دی، اور نَسَخَ الْکِتَابَ کے معنی ہیں کہ اُس نے اُسے لکھا۔

[4] اَلنَّسْخُ کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو ختم کرنا اور اس کی جگہ کسی اور کو کھڑا کر دینا۔ نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ یعنی سورج نے سایہ کو ختم کر دیا اور مَا نَنْسَخْ کے یہی معنیٰ ہیں۔

[5] اور نسخ الکتاب کے معنی ہیں کسی حکم کو اُس کے بعد دوسرا حکم لا کر زائل کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو بھی آیت ہم زائل کر دیں۔

المقصود ھٰھنا (ابوسعود)[1] النسخ فی اللغة الابطال و الازالة و یراد به النقل و التحویل والاکثر علی انه حقیقة فی الازالة مجاز فی النقل (حصول)[2] النسخ النقل و التحویل و الثانی الرفع و الازالة (مظھری)[3]

فقرہ دوم۔ فقرہ اوّل میں معلوم ہو چکا کہ نسخ کے معنی ابطال اور تغییر اور نقل کے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آیۃ ماننسخ میں ابطال کے ہی معنی مطلوب ہیں۔ جیسے ابوسعود، مجمع البحار اورخفاجی سے ظاہر ہے۔

علاوہ بریں جب ہم ناسخ اور منسوخ کا ذکر کرتے ہیں تو نقل والے معنے ضرور نہیں لئے جاتے۔ کیونکہ اس صورت میں سارا قرآن منسوخ ہے اور تغییر کے معنی بھی مراد نہیں کیونکہ مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص اور ایزاد شروط اور اوصاف کو اگر نسخ کہیں تو قرآن کی منسوخ آیتیں سینکڑوں کیا ہزاروں ہو جاتی ہیں۔ تخصیص اور نسخ اور تقیید اور نسخ کا تفرقہ ثابت ہے۔ ونثبت انشاء اللہ تعالیٰ یاد رکھو کہ ابطال ہی کے معنے میں نسخ کا لفظ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ والقرآن یفسر بعضهٗ بعضًا قال اللہ تعالیٰ: إِلَّا إِذَا تَمَنّٰٓى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ الخ اَیْ يُزِيْلُهٗ وَيُبْطِلُهٗ۔[4] اور یاد رکھو کہ نسخ کے حقیقی معنی ابطال اور ازالہ کے ہیں حقیقی معنی کو بدوں ضرورت چھوڑنا جائز نہیں اور ان معنے کے لحاظ سے قرآن میں کوئی آیت

---

[1] اَلنَّسْخُ کے معنی ہیں نقل کرنا، اور ایک کتاب کی دوسری (کتاب) سے کاپی تیار کرنا۔ اور اس کے دوسرے معنی ہیں روک دینا اور زائل کر دینا اور یہاں یہ ہی مقصود ہے۔

[2] لغت میں نسخ کے معنی ہیں باطل کرنا اور مٹا دینا اور اس سے مراد ہے نقل کرنا اور تبدیل کر دینا۔ اور اکثر کا خیال ہے کہ اس کے حقیقی معنی زائل کرنے کے ہیں اور مجازی معنی نقل کے ہیں۔

[3] نسخ کے معنی ہیں نقل کرنا اور تبدیل کر دینا۔ اور اس کے دوسرے معنی اُٹھالینا اور زائل کر دینا بھی ہیں۔

[4] اور قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی وضاحت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: مگر جب بھی وہ کوئی خواہش کرتا ہے تو شیطان اُس کی خواہش میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے پھر اللہ اُس کو جو شیطان ڈالتا ہے مٹا دیتا ہے .... یعنی اسے زائل کر دیتا ہے اور ختم کر دیتا ہے۔

منسوخ موجود نہیں ہے۔ یاد رہے کہ میں محض وقوع کا منکر نہیں۔

فقرہ سیوم۔جن لوگوں نے منسوخ مانا ہے اُن کے معانی کرنے میں نسخ کے ماننے والوں نے ضرور کچھ تساہل کیا ہے۔ مجھے ایک زمانہ میں اس مسئلہ کی جستجو تھی۔اس وقت ایک رسالہ ایسا ملا جس میں پانسو آیت منسوخ کا بیان تھا۔ میں اسے سوچتا اور مصنف کی لا پرواہی پر تعجب کرتا تھا۔تھوڑے دنوں بعد سیوطی کی اِتّقَان دیکھی تو ایسی خوشی ہوئی جیسے بادشاہ کو ملک لینے کی یا عالم کو عمدہ کتاب ملنے کی یا قوم کے خیر خواہ کو کامیابی کی ہوتی ہے۔ مجھ کو امام سیوطی کی آیات میں بھی تردّد تھا۔ اِلّا چھوٹا منہ بڑی بات پر خیال کر کے خاموش رہا اس کے چند دنوں بعد فوز الکبیر فی اصول التفسیر راحت بخش دل مضطر ہوئی اس میں مصنف علّامہ نے صرف پانچ آیتیں منسوخ مانی ہیں۔ میں نے ان پانچ مقام کی تحقیق تفاسیر سے کی تو ان پانچ مقامات کا بھی منسوخ ماننا نفس الامر کے مطابق پایا۔

فقرہ چہارم۔عزیز من ایمان اور انصاف کا مقتضٰی ہے کہ اگر ہم دو احکام شرعیہ کو متعارض دیکھیں تو بحکم لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا یقین کریں کہ یہ تعارض ہمارے فہم کی غلطی ہے اگر تطبیق دو آیتوں یا حدیثوں کی ہمیں نہیں آئی تو اللہ کے ہزاروں ایسے بندے ہوں گے جو تطبیق دے سکتے ہوں گے۔ہم بڑے نادان ہیں اگر اپنے عجز کو نہیں سمجھتے۔ بڑی غلطی پر ہیں اگر اس فیض الٰہی کے منتظر نہ رہیں جس کے ذریعہ تطبیق حاصل ہو۔ بڑی نا اُمیدی ہے اگر قبض کی حالت میں بسط کا انتظار نہ ہو۔صاف دھوکہ ہے اگر فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ ہمیں بھول جائے۔

فقرہ پنجم۔فوز الکبیر میں لکھا ہے۔شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد از انکہ از بعض علماء آنچہ مذکور شد بہ بسط لایق تقریر نمود وانچہ بر رائے متأخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن العربی محرر کردہ قریب بست آیت شمردہ۔فقیر را در اکثر آں بست نظر است فلنورد کلامه مع التعقب فمن البقرة كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا الۡوَصِيَّةُ

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اَلْاٰيَةُ مَنْسُوْخَةٌ۔ قِيْلَ بِاٰيَةِ مَوَارِيْث وَ قِيْلَ بِحَدِيْثٍ لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَقِيْلَ بِالْاِجْمَاعِ حَكَاهُ ابْنُ الْعَرَبِيِّ۔[1]

اس پر مؤلف علّامہ کہتا ہے کہ یہ آیت آیت یُوْصِیْکُمُ اللہ سے منسوخ ہے اور لَاوَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ کی حدیث اس نسخ کو ظاہر کرتی ہے۔

فقیر۔ کہتا ہے یہ آیت منسوخ نہیں۔ کیونکہ کُتِبَ کے معنے ہیں لکھے گئے تم پر جب آجاوے ایک کو تم سے موت اگر چھوڑے مال الوصیت ماں باپ اور نزدیکیوں کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ جب موت حاضر ہوگئی تو آدمی مر گیا۔ اِنْ تَرَكَ کا لفظ وجود موت پر قرینہ ہے۔ اس آیت شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مال چھوڑے تو اس کے حق میں کوئی وصیت لکھی گئی ہے۔ جب ہم نے قرآن کریم میں جستجو کی تو اس میں پایا۔ یُوْصِیْکُمُ اللہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔ آہ۔ معلوم ہوا کہ والدین اور رشتہ داروں کے حق میں یہ وصیت لکھی ہوئی ہے۔ وَالْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا[2] اور اسی وصیت کے اجرا کا کُتِبَ عَلَیْکُمْ والی آیت میں حکم ہے پس یہ آیت کُتِبَ عَلَیْکُمْ اور آیت یُوْصِیْکُمُ اللہُ آپس میں متعارض نہ ہوئیں بلکہ ایک دوسرے کی ممد ٹھہریں اور لَاوَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ[3] والی حدیث بھی معارض نہ رہی کیونکہ بلحاظ حدیث یہ حکم ہے کہ یُوْصِیْکُمُ اللہُ میں وارثوں کے حقوق مقرر ہو چکے ہیں اور شارع نے ان کے حصص بیان کر دیئے ہیں۔ اب

---

[1] پس ہم اس کا کلام ہی تبصرہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آیا ہے: کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ ....یعنی جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو تم پر بشرطیکہ وہ (مرنے والا) بہت سا مال چھوڑے، والدین اور قریبی رشتہ داروں کو وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ) یہ آیت منسوخ ہے۔ کہا گیا ہے کہ آیت میراث سے (منسوخ ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث ''وارث کے لیے وصیت نہیں'' سے (منسوخ ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجماع سے منسوخ ہے۔ ابن عربی نے اسے بیان کیا ہے۔

[2] اور قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی وضاحت کرتا ہے۔

[3] وارث کے لیے وصیت نہیں۔

وارث کے لئے وصیت نہیں رہی۔ ہاں وارثوں کے سواء اور لوگوں کے حق میں وصیت ہوتو ممنوع نہیں۔آگے کی آیت میں حکم ہے جس نے بدلا وصیت کو سننے کے بعد ضرور اُس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوا۔اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا (کیوں نہ ہو خدائی وصیت کا بدلنا مسلمان کا کام نہیں) اور آیت فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا کا ترجمہ ہے جس کو ڈر ہو کہ کسی موصی نے کجی کی یا گناہ کیا پس اس نے سنوار دیا تو اسے گناہ نہیں۔تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ظاہر ہے جس موصی نے خدائی وصیت کے خلاف کیا اس نے بیشک کجی......سنوارنے والے پر کوئی گناہ نہیں اور ہوسکتا ہے کہ موصی سے وہ وصیت والا مراد ہو جس نے ثُلُث سے زیادہ وصیت کی یا ثُلُث میں اور ثُلُث کے اندر کسی بُرے کام پر اور بُری طرز پر روپیہ لگا دینے کی وصیت کی اور آیات یُوْصِیْکُمْ میں مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ بدوں تقیید مذکور ہے۔اس لئے یہاں بتادیا کہ کجی اور گناہ کی سنوار معاف ہے اس سنوارنے پر کوئی جرم نہیں اگر اُس نے اس موصی کی وصیت میں اصلاح کی اور اس میں ایما ہے کہ اصلاح کے وقت گناہ بھی ہوجاتے ہیں اِلاَّ اُن کی معافی ہے۔

دوسری وجہ۔آیت کے منسوخ نہ ہونے کی اَلْوَالِدَیْنِ اور اَلْاَقْرَبِیْنَ یہاں معرف باللام ہیں پس کہتے ہیں کہ یہاں خاص والدین اور اقارب کا ذکر ہے۔اور چونکہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللہُ میں اکثر وارثوں کے حق بیان ہو چکے ہیں اور حدیث لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ میں وارث کے حق میں وصیت کرنے کی ممانعت آچکی ہے۔اس لئے اَلْوَالِدَیْنِ اور اَلْاَقْرَبِیْنَ سے وہ ماں باپ اور رشتہ دار مراد ہیں جو وارث نہیں مثلاً کسی شخص کے ماں باپ غلام ہوں یا مورث کے قاتل ہوں یا کافر ہوں اور ایسے وہ اقارب ہوں جو محروم الارث ہیں۔یا آیت مخصوص البعض ہے۔

اگر یہ تردّد ہو کہ یہ وصیت اکثر اہل اسلام میں فرض نہیں اور یہاں کُتِبَ کا لفظ فرضیت ظاہر کرتا ہے تو اس کا ازالہ یہ ہے کہ اوّل تو بِالْمَعْرُوْفِ کا لفظ مذب کی دلیل ہے۔ دوم ابن عباس، حسن بصری، مسروق طاؤس مسلم بن یسار، علا بن زیاد کے نزدیک اس وصیت کا وجوب ثابت ہے۔

دوسری آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ، قيل منسوخة بقوله فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وقيل محكمة ولامقدرة قلت عندى (اى ولی اللہ) وجه آخر وهو ان المعنىٰ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَ الطَّعَامَ فِدْيَةٌ هِيَ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فاضمر قبل الذكر لانه متقدمة رتبة وذكر الضمير لان المراد من الفدية هو الطعام والمراد منه صدقة الفطر۔ عقب الله تعالى الامر بالصيام فى هذه الآية بصدقة الفطر كما عقب الآية الثانية بتكبيرات العيد۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کسی نے کہا ہے کہ آیت منسوخ ہے آیت فَمَنْ شَهِدَ کے ساتھ اور کسی نے کہا منسوخ نہیں اور لَا مقدر ہے۔ یاد رہے کبیر (یعنی الفوز الکبیر) میں لکھا ہے۔ اَلْوُسْعُ اِسْمٌ لِمَنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الشَّیْءِ عَلٰى وَجْهِ السُّهُوْلَةِ أَمَّا الطَّاقَةُ فَهُوَ اِسْمٌ لِمَنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الشَّیْءِ مَعَ الشِّدَّةِ وَالْمَشَقَّةِ۔[2] پس لا کا مقدر کہنا نہ پڑا۔ یا اس کے معنے ہیں جو لوگ طعام دینے کی طاقت رکھتے ہیں فطرانہ میں ایک مسکین کا کھانا دے دیں۔

فقیر کہتا ہے۔ لَا مقدر کرنے کی حاجت اس لئے بھی نہیں کہ بابِ اِفعال کا ہمزہ سلب کے واسطے بھی آتا ہے دیکھو مفلس کے معنی فلُوس والا نہیں بلکہ یہ ہیں جس کے پاس فلُوس نہ ہوں پس یہاں يُطِيْقُوْنَ الخ کے معنے ہوئے جس میں طاقت نہ ہو روزہ کی وہ روزہ کے بدلے کھانا کھلا دے

---

[1] آیت کریمہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ (یعنی اور اُن لوگوں پر جو اس کی طاقت رکھتے ہوں فدیہ ہے) کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے (یعنی تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو دیکھے تو چاہیئے کہ وہ اس کے روزے رکھے)، اور کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے استطاعت کا معاملہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں میرے پاس ایک اور توجیہ ہے اور وہ یہ کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَ الطَّعَامَ۔ یعنی اُن لوگوں پر جو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کا کھانا کھلانا فدیہ ہے۔ اور اسے ذکر کرنے سے پہلے مضمر رکھا گیا ہے کیونکہ یہی (ضمیر) مرتبہ میں مقدم ہے۔ اور ضمیر کو (پہلے) اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ فدیہ سے مراد کھانا کھلانا ہے، اور اس سے مقصود فطرانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں روزوں کا حکم فطرانہ کے حکم کے بعد رکھا ہے، جیسا کہ اُس نے دوسری آیت میں عید کی تکبیرات کا ذکر بعد میں کیا ہے۔

[2] اَلْوُسْعُ اس کا نام ہے جو کسی چیز پر سہولت سے قدرت رکھتا ہو، اور طاقة اس کا نام ہے جو کسی چیز پر شدت ومشقت سے قدرت رکھتا ہو۔ (التفسير الكبير للرازي، تفسير سورة البقرة آیت 184: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ)

جیسے بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت ۔اس آیت کا منسوخ نہ ہونا بیان کیا بخاری نے ابن عباس سے اور حافظ ابونصر بن مردویہ نے عطاء سے۔

میں کہتا ہوں بوڑھے ہی پر کیا حصر ہے۔حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت (جیسے شافعی اورحسن بصری نے کہا) اور قطب شمالی اور جنوبی کے قریب کے رہنے والوں اور تمام ان لوگوں کو(جن سے روزہ کی برداشت نہیں ہوسکتی) یہی حکم ہے۔وَخَلَافُهٗ لَيْسَ بِثَابِتٍ۔[1]

تیسری آیت۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ الخ منسوخ بقوله تعالىٰ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ اور دلیل میں لکھا ہے کہ موافقت کا مقتضی تھا کہ اہلِ کتاب کی طرح عورت سے صحبت کرنا اور کھانا نیند کے بعد حرام ہوتا ہے۔فوز الکبیر والے فرماتے ہیں۔یہ تشبیہ نفس وجوب میں ہے پس آیت منسوخ نہ ہوئی اور سچ ہے تشبیہ میں کل وجوہ کی مساوات نہیں ہوا کرتی۔

چوتھی آیت۔يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ الخ منسوخ ہے قَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً کے ساتھ۔فوز الکبیر میں ہے۔ یہ آیت تحریم قتال پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ آیت تو قتال کی مجوّز ہے۔البتہ یہ آیت عِلّت کو تسلیم کر کے مانع کا اظہار کرتی ہے۔پس یہ معنے ہوئے کہ اَشْهُرِ حُرم میں قِتَال بڑی سخت بات ہے لیکن فتنہ اس سے بھی بڑا ہے پس فتنہ کے مقابلہ میں قتال بُرا نہ ہوگا۔

پانچویں آیت۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ الخ منسوخة بآية اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا والوصية منسوخة بالميراث والمسكن باقية عند قوم منسوخة عند آخرين۔[2] فوز الکبیر میں ہے کہ جمہور حنفیہ اسے منسوخ کہتے ہیں۔

---

[1] اوراس کے خلاف ثابت نہیں ہے۔

[2] آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ............(یعنی وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک فائدہ پہنچانے کی وصیت کر جائیں) آیت کریمہ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (یعنی چار مہینے اور دس دن) سے منسوخ ہے۔اور وصیت کرنا ورثہ (کی آیت) سے منسوخ ہے اور رہائش دینا ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے اور دوسروں کے نزدیک منسوخ ہے۔

پھر کہا ویمکن أن یقال: یستحب أو یجوز للمیت الوصیة ولا یجب علی المرأة أن تسکن فی وصیته، وعلیه ابن عباس وهذا التوجیه ظاهر من الآیة۔[1] میں کہتا ہوں کہ اس ظہور میں کچھ کلام نہیں۔ مجاہد اور عطا سے مروی ہے کہ آیت منسوخ نہیں اور حسب اس وصیت کے سال بھر کامل اگر عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہے تو وارثوں کا منع کرنا درست نہیں اور اگر چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد نکلنا چاہے اور دوسری جگہ چلی جائے تو مختار ہے اور یہی مذہب ہے ایک جماعت کا اور پسند کیا اس کو ابن تیمیہؒ نے۔

چھٹی آیت ۔قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ منسوخة بقوله تعالیٰ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔[2] صاحب فوز الکبیر فرماتے ہیں۔ یہ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ عام مخصوص البعض ہے۔ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ کی آیت شریف نے بیان کر دیا کہ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ سے مراد اخلاص اور نفاق ہے نہ وہ توہمات جو دل پر بے اختیار آجاتے ہیں۔ کیونکہ طاقت سے باہر باتوں کا حکم نہیں۔ اور نہ انسان کو اس کی تکلیف۔

ساتویں آیت ۔اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ قیل منسوخة بقوله۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ و قیل لا بل محکمة۔[3] فوز الکبیر میں ہے۔حَقَّ تُقٰتِهٖ کا حکم شرک اور کفر اور اعتقادی مسائل میں ہے اور مَا اسْتَطَعْتُمْ کا حکم اعمال میں ہے مثلاً جو کوئی وضو نہ کر سکے تیمم کر لے جو کوئی کھڑا نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھ لے اور یہ توجیہ سیاق آیت سے ظاہر ہے۔

---

[1] اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ پسندیدہ ہے یا میّت کے لیے وصیت کرنا جائز ہے اور عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ وصیت کے مطابق رہے، حضرت ابن عباسؓ اسی موقف پر ہیں اور یہ توجیہ آیت کے ظاہر کے مطابق ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ کا قول وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ (یعنی اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اُسے ظاہر کر دیا اُسے چھپائے رکھو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا) اللہ تعالیٰ کے قول لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (یعنی اللہ کسی شخص پر سوائے اس کے جو اُس کی طاقت میں ہو کوئی ذمہ داری نہیں ڈالتا) سے منسوخ ہے۔

[3] کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اللہ تعالیٰ کے قول فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے منسوخ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں بلکہ یہ تو محکم ہے۔

آٹھویں آیت ۔ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ منسوخة بقوله تعالیٰ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فوز الکبیر میں ہے۔آیت کا ظاہر یہ ہے کہ میراث وارثوں کے لئے ہے اور احسان وسلوک مَوْلَى الْمَوَالَاةِ کے واسطے نسخ کوئی نہیں۔

نویں آیت ۔وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ۔آہ یہ آیت منسوخ ہے اور کہا گیا منسوخ نہیں لوگوں نے سستی کی اس پر عمل کرنے میں۔ابن عباس نے کہا یہ اِسْتِحْبَابِیْ حکم ہے۔سچ ہے بھلا اس کا نسخ کرنے والا کون ہے۔

دسویں آیت ۔وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ کہا گیا منسوخ ہے۔آیت سورہ نور سے۔ فوز الکبیر میں ہے۔یہ بالکل منسوخ نہیں۔ بلکہ وَاللّٰتِيْ آہ میں حکم ایک غایت کے انتظار کا ہے سورہ نور میں اس غایت کا بیان ہوا اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔یہ وہ سبیل ہے جس کا وعدہ دیا تھا پس نسخ نہ ہوئی۔

گیارہویں آیت ۔وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اس مہینے میں اباحت قتال کے ساتھ منسوخ ہے۔فوز الکبیر میں ہے۔قرآن اور سنت ثابتہ میں اس کا نسخ موجود نہیں۔

بارہویں آیت ۔ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۔آہ منسوخ ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے ساتھ۔فوز الکبیر میں ہے کہ اس کے معنی ہیں اگر تو حکم کرے اہل کتاب کے مقدمات میں تو مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ جا۔حاصل یہ ہوا کہ یا تو ہم اہل ذمہ کو چھوڑ دیں وہ اپنے مقدمات اپنے افسروں کے پاس لے جاویں اور وہ اپنی شریعت کے موافق فیصلہ کریں۔اگر ہمارے پاس آویں تو حسب شریعت خود فیصلہ کردیں۔

تیرہویں آیت ۔ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ منسوخ ہے وَ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے ساتھ۔فوز الکبیر میں ہے کہ امام احمد نے آیت کے ظاہر پر حکم دیا ہے اور اس آیت کے معنے اورلوگوں نے یہ کئے ہیں اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ ای من غیر اقاربکم فیکونون

من سائر المسلمین۔[1]

چودہویں آیت۔ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ الآیۃ منسوخۃ بالآیۃ بعدھا۔[2] میں کہتا ہوں ان میں کوئی تعارض نہیں اوّل تو پہلی آیت شرطیہ جملہ ہے امر نہیں جو مجموعہ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ کا مخاطب ہے اس وقت اس کے صابر دس گنے دشمنوں کو کافی تھے اور جو لوگ اَلْاٰن کے وقت نکلے اس مجموعہ کے صابر دو چند کے مقابلہ میں غالب ہو سکتے تھے۔ اگر یہ پچھلے وہی پہلے ہوں تو بھی مختلف اوقات میں انسانی حالت کا تبدل کوئی تعجب انگیز نہیں۔ الآن اور عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعفًا صاف تفرقہ کی دلیل ہے۔

پندرہویں آیت۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا الخ۔ مَنْسُوْخَۃٌ بِآیَۃِ الْعُذْرِ و ھو قولہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ و قولہ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ۔[3] فوز الکبیر میں کہا ہے۔ خِفَافًا کے معنے ہیں۔ کہ نہایت تھوڑے جہاد کے سامان (جیسے ایک سواری ایک نوکر اور معمولی زادِراہ سے بھی لڑائی کرو۔ اور ثِقَالًا کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے نوکر اور سواریاں اور زادِراہ تمہارے پاس ہو۔

سولہویں آیت۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً ۔ مَنْسُوْخَۃٌ بِقَوْلِہٖ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ۔[4] فوز الکبیر میں ہے امام احمد ظاہر آیت پر حکم کرتے تھے اور امام احمد کے سوا اور لوگوں نے کہا کہ کبیرہ کا مرتکب زانیہ ہی کا کفو ہے یا یہ کہ زانیہ کا نکاح پسند کرنا اچھی بات نہیں اور آیت شریفہ میں حُرِّمَ کا اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے پس نسخ نہ ہوئی۔ یا فَانْکِحُوا الْاَیَامٰی عام ہے اور عام خاص کا ناسخ نہیں ہوتا۔

---

[1] اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ سے مراد ہے کہ تمہارے رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں میں سے ہوں اور وہ تمام مسلمانوں میں سے ہو سکتے ہیں۔

[2] آیت کریمہ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ اپنے بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔

[3] آیت کریمہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا معذوروں والی آیت سے منسوخ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ اور یہ قول بھی کہ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ۔

[4] (اللہ تعالیٰ کا قول) اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اللہ کے قول أَنْکِحُوا الْأَیَامٰی مِنْکُمْ سے منسوخ ہے۔

ستر ہویں آیت ۔لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ بعض اسے منسوخ کہتے ہیں اور بعض منسوخ نہیں کہتے مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سُستی کی ہے۔فوز الکبیر میں ہے۔ ابن عباس کہتے تھے منسوخ نہیں اور یہی وجہ اعتماد کے لائق ہے۔

اٹھارہویں آیت ۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ الآية۔ منسوخة بقوله إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ، قلت يحتمل ان يكون الناسخ مقدمًا فى التلاوة و هو الاظهر ۔[1] میں کہتا ہوں بعد کا مضاف الیہ اَلْاِجْنَاسُ الْاَرْبَعَةُ الَّتِيْ مَرَّ ذِكْرُهَا فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّا اَحْلَلْنَا الآية ہے۔[2] پس معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اے نبی تجھے حلال نہیں عورتیں ان چار قسم کے سوا (تیری بیبیاں اور مملوکہ اور بنات عم' بنات عمات' بنات خال' بنات خالات' جنہوں نے ہجرت کی اور وہ مومنہ جس نے اپنا آپ تجھے بخش دیا۔) اور والآن تبدل اس کی تاکید ہے۔

انیسویں آیت ۔اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا ۔ الآية۔ منسوخة بالآية بعدها۔[3] میں کہتا ہوں یہ استحبابی حکم ہے اور اس استحباب کو مٹانے والی قرآن میں کوئی آیت نہیں۔

بیسویں آیت ۔فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا اَنْفَقُوْا ۔ قِيْلَ منسوخة بآية السيف و قيل بآية غنيمة و قيل محكم ۔[4] فوز الکبیر والے فرماتے ہیں۔ظاہر یہی ہے کہ آیت منسوخ نہیں۔یہ حکم اس وقت ہے جب ادھر سُستی ہو اور کافر زور پر ہوں۔

---

[1] آیت کریمہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ اس کے قول إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں (ایسا کر کے) جائز قرار دیا گیا ہے کہ تلاوت میں ناسخ (آیت) پہلے ہو۔اور یہ بات واضح ہے۔

[2] چاروں اقسام جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول إِنَّا أَحْلَلْنَا میں گذر چکا ہے۔

[3] آیت کریمہ اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا اپنے بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔

[4] کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ فَاٰتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوْا قتال والی آیت (یعنی فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ) سے منسوخ ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غنائم والی آیت سے منسوخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ (آیت) محکم ہے۔

اکیسویں آیت ۔قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا آخرسور کے ساتھ منسوخ ہے ۔پھر یہ آخر سورہ پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ ہے بات یہ ہے کہ قیام اللیل ایک امر مسنون ہے۔آیاتِ شریفہ میں فرضیت قطعی نہیں اور سنیت قیام اللیل کی بالاتفاق اب بھی موجود ہے۔

فقرہ ششم ۔ضُعف اور قِلّت کے وقت صبر اور درگذر کا حکم قرآن کریم میں بہت جگہ ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں آیتِ قتال سے منسوخ ہیں ۔اور یہ بات صحیح نہیں بلکہ قتال کا حکم تاخیر میں رہا ہے۔سیوطی نے کہا دیکھو باب ناسخ منسوخ اِتّقان میں ۔

اَلثَّالِثُ: مَا أُمِرَ بِهٖ لِسَبَبٍ ثُمَّ يَزُوْلُ السَّبَبُ كَالْأَمْرِ حِيْنَ الضَّعْفِ وَالْقِلَّةِ بِالصَّبْرِ وَالصَّفْحِ ثُمَّ نُسِخَ بِإِيْجَابِ الْقِتَالِ وَهٰذَا فِي الْحَقِيقَةِ لَيْسَ نَسْخًا بَلْ هُوَ مِنْ قِسْمِ الْمُنْسَاءِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: {أَوْ نُنْسِهَا} فَالْمُنْسَأُ هُوَ الْأَمْرُ بِالْقِتَالِ إِلٰى أَنْ يَقْوَى الْمُسْلِمُونَ ... (إِلٰى أَنْ قَالَ) وَبِهٰذَا يَضْعُفُ مَا لَهِجَ بِهٖ كَثِيْرُوْنَ مِنْ أَنَّ الْآيَةَ فِي ذٰلِكَ مَنْسُوْخَةٌ بِآيَةِ السَّيْفِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ بَلْ هِيَ مِنَ الْمُنْسَاءِ بِمَعْنٰى أَنَّ كُلَّ أَمْرٍ وَرَدَ يَجِبُ اِمْتِثَالُهٗ فِي وَقْتٍ مَّا لِعِلَّةٍ يقتضي ذٰلِكَ الْحُكْمَ ثُمَّ يَنْتَقِلُ بِانْتِقَالِ تِلْكَ الْعِلَّةِ إِلٰى حُكْمٍ آخَرَ وَلَيْسَ بِنَسْخٍ إِنَّمَا النَّسْخُ الْإِزَالَةُ لِلْحُكْمِ حَتّٰى لَا يَجُوزَ امْتِثَالُهٗ ۔[1] (یہ حتّٰی لَا یَجُوز کا لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے خصوصاً اَلآن خَفَّفَ اور أَأَشْفَقْتُمْ وغیرہ میں)

---

[1] اورتیسری بات یہ ہے کہ جوحکم دیا گیا وہ کسی سبب کے باعث تھا پھر وہ سبب ختم ہوگیا جیسے کمزوری اورتنگ دستی کی حالت میں صبر اور درگذر کرنا، پھر قتال کے واجب ہونے کی وجہ سے وہ منسوخ ہوگیا، اور یہ حقیقت میں ہونا ہے نہ کہ (کسی حکم کا) منسوخ ہونا۔ بلکہ یہ بھلا دی جانے والی قسم میں سے ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:''یا ہم اُسے بھلا دیتے ہیں۔'' پس قتال کے سبب سے وہ معاملہ مسلمانوں کے طاقتور رہنے تک بھلا دیا جانے والا ہے..........
(یہاں تک کہ انہوں نے کہا:) اوراس وجہ سے وہ کمزور ہوجاتا ہے جو اکثر لوگوں کو شوق ہے کہ اس بارہ میں یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے۔حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو بھلا دی جانے والی بات ہے اس معنی میں کہ ہر حکم جو آتا ہے اُس کی تعمیل ایک وقت سے متعلق ہوتی ہے،کوئی علت نہیں ہوتی جو اس حکم کی متقاضی ہو، پھر اُس علت کے چلے جانے سے وہ حکم بھی دوسرے حکم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔اور یہ نسخ نہیں ہے۔نسخ تو کسی حکم کو ختم کر دینا ہے یہاں تک کہ اُس کی تعمیل کرنا جائز نہ رہے۔

(الإتقان في علوم القرآن للسيوطي، النَّوْعُ السَّابِعُ وَالْأَرْبَعُوْنَ فِي نَاسِخِهٖ وَمَنْسُوْخِهٖ)

فقرہ ہفتم۔ بعض صحابہ اور سلف سے تقیید اور تخصیص اور ابطال وغیرہ کو نسخ کہنا ثابت ہے اِلَّا اوّل تو ان کے اور ساتھ والوں نے نسخ کے ایسے عام معنے نہیں لئے۔ دویم۔ اگر وہ تغییر کو نسخ کہتے تھے تو ان کے یہاں ایسے معنوں کی نسخ قرآن میں آحاد اخبار سے ممنوع نہ تھی۔ ہمارے صاحبان نسخ کے معنوں میں انکا محاورہ لیتے ہیں اور پھر سنن ثابتہ سے قرآن کی یہ نسخ تجویز نہیں کرتے عملدرآمد میں اس اصطلاحی نسخ کو نسخ بمعنی رفع الحکم کا مرتبہ دے رکھا ہے۔

فقرہ ہشتم۔ مَا نَنۡسَخۡ کا جملہ جملہ شرطیہ ہے اور شرط کا وجود ضرور نہیں۔ دیکھو اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ الِیٰ آیت۔ پس آیت مَا نَنۡسَخۡ سے مطلق نسخ کا وقوع بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ قرآن میں آیات منسوخة کا موجود ہونا اِس سے کیونکر ثابت ہوسکتا ہے۔

یاد رکھو مَیں مطلق وقوع نسخ کا انکار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہوں کہ قرآن اور صحیحین اور ترمذی میں بالاتفاق منسوخ کوئی حکم نہیں (ترمذی میں جمع صلوتین ظُهۡرَين و مَغۡرَبَيۡن اور قتل شارب کی حدیث بھی منسوخ نہیں۔ تفصیل اس کی دراسات وغیرہ میں موجود ہے)

فقرہ نہم۔ میں نے بہت ایسے لوگ دیکھے جن کا یہ ڈھنگ ہے کہ جب دو بظاہر متعارض حکموں کو دیکھا اور تطبیق نہ آئی لَا اَعۡلَمُ کہنے سے شرم کھا کر ایک میں نسخ کا دعویٰ کر دیا۔ یا جب کوئی نصّ اپنے فتویٰ کے خلاف سنی اوّل تو لگے اس میں تو جیہات جمانے جب یہ کوشش کارگر نہ ہوئی جھٹ دعویٰ کر دیا کہ ان میں سے فلاں حکم اجماع کے خلاف ہے۔ جب اجماع کی غلطی معلوم ہوئی۔ تو اجماع کو مقید کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ اجماع اکثر کے اعتبار سے ہے۔ جب اس کو بھی کسی نے خلاف واقعہ ثابت کیا تو نسخ کا دعویٰ کر دیا۔

حالانکہ بظاہر متعارض حکموں میں ایک کو عزیمت پر محمول کر لینے اور ایک کو رخصت پر یا اُن کے اختلاف کو اختلاف انواع سمجھنے پر محمول کرنے اور اباحت اصلیہ کو عارضی حرمت پر ترجیح کا موجب جان لینے اور شریعت کو اسباب اور موانع کا مبین مان لینے سے قریباً کل تعارض دفع ہو سکتے ہیں۔ یہ عجیب قاعدہ تفصیل طلب ہے۔ الا خط میں گنجائش نہیں۔ چند مثالیں سن رکھو۔

مَنِیّ ذَکَر سے وضو کرنا۔ یا عدم انزال میں غسل کر لینا ایسا ہی ایک مومن صابر کا دس کفار کا مقابلہ کرنا۔ اور رسول سے گوشہ کرنے میں صدقہ دینا عزیمت ہے اور یہ کام نہ کرنا رخصت۔ وتر کی ایک یا تین یا پانچ یا سات یا نو رکعتیں باختلاف انواع سب درست ہیں اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسے نماز میں کبھی رسول اللہ صلعم نے کوئی سورت پڑھی کبھی کوئی۔ خرگوش کے استعمال میں اگر کوئی کراہت کی دلیل پیش کرے (گو دلائل پیش شدہ صحیح نہیں ہیں) تو اس کا کھانے والا اباحت اصلی کو بعد تسلیم تعارض مرجح کہہ سکتا ہے۔

مومن کا عمداً قتل ابدی سزا کا سبب ہے اور قاتل کا سچا ایمان اور رحمت الٰہیہ اور شفاعت شافعین بلکہ توبہ وغیرہ اس ابدی سزا کے مانع ہیں اس تجاذب کی حالت میں قویٰ کا مؤثر ہونا ظاہر ہے۔

فقرہ دہم۔ روزمرہ کے مسائل میں رَفعِ یَدین اور فاتحہ کا مسئلہ لو۔ جناب شیخ عبدالحق دہلوی سفر السعادت کی شرح میں فرماتے ہیں۔

علماء مذہب ما بایں مقدار اکتفا نمی کنند و گویند کہ حکم رفع (رفع الیدین عند الرکوع والرفع فسد الرفع فی ابتداء الثالثة)[1] منسوخ است و چوں ابن عمر را کہ راوی حدیث رفع ست دیدند کہ بعد رسول اللہ صلعم عمل بخلاف آں کردہ ظاہر شد کہ عمل رفع منسوخ است و از ایں ہمام نقل فرمودہ در نماز ابتداء حال اقوال و افعال از جنس ایں رفع (رفع یدین در سجدتین) مباح بودہ کہ منسوخ شدہ ست پس دور نیست کہ ایں نیز از اں قبل باشد و مشمول نسخ بود۔ انتہیٰ۔

شیخ نے نسخ کا مدار اوّل تو ابن عمر کے نہ کرنے پر رکھا۔ دوم اس پر کہ جب سجدہ کے رفع یدین اجماعاً منسوخ ہے تو رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور تیسری رکعت کی رفع بھی منسوخ ہوگی اور یہ دونوں باتیں تعجب انگیز ہیں۔ اوّل تو اس لئے کہ ابن عمر کا رفع نہ کرنا ابوبکر بن عیاش نے روایت کیا ہے اور یہ شخص معلول مختلط الخبر ہے۔ دیکھو بخاری کی جزء الرفع اور ابن معین نے کہا توھمٌ من

---

[1] رکوع کے وقت اور (رکوع سے) اُٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں اُٹھتے وقت رفع یدین کرنا۔

ابن عیاش لَا اَصْلَ لَهٗ۔[1]

دوئم۔ عینی نے بیہقی سے روایت کیا کہ مجاہد کی روایت (ابن عیاش والی) ربیع لیث طاؤس، سالم، نافع، ابوالزبیر، محارب بن دثار جیسے ثقوں کے خلاف ہے یہ ثقہ لوگ ابن عمر سے اس رفعِ یَدَین کا کرنا نقل کرتے ہیں۔

سیوم۔ ابن عمر سے مسند احمد میں مروی ہے انه اذا رَأَی (ابن عمر) مصلیا لم یرفع حَصَبَهٗ[2] اور بخاری نے جزء الرفع (قرّة العینین برفع الیدین فی الصلاة) میں کہا۔ رماہ بالحصٰی۔[3] بھلا جو شخص یہ تشدد کرے کہ رفع یدین نہ کرنے پر پتھر مارے وہ خود نہ کرے۔

چہارم۔ بخاری نے جزو میں فرمایا ہے لَمْ یَثْبُتْ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ لَمْ یَرْفَعْ۔[4]

پنجم۔ ناسخ کو منسوخ کے مساوی ہونا چاہئے۔ یہاں ایک طرف ابن عمر کا معلول اور بے اصل اثر دوسری طرف ابن عمر سے صحیح ثابت اثر بلکہ مرفوع روایت اور بیہقی کی حدیث جناب ابوبکر سے اور دارقطنی کی عمرؓ سے بلکہ پچاس صحابہ کی روایت اور بیہقی کی وہ روایت جس میں فَمَا زَالَتْ تِلْكَ صَلَاتُهٗ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ[5] موجود ہے۔ اور سیوطی کا اس حدیث کو ازھار میں احادیث متواتر سے شمار کرنا۔

ششم۔ مانا کہ ابن عمر سے عدم رفع ثابت ہے پھر کیا غیر معصوم پر صرف یہ حسنِ ظن کر

---

[1] ابن عیاش کی وجہ سے یہ روایت مشکوک ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔

[2] جب (حضرت ابن عمرؓ) کسی کو نماز پڑھتا دیکھتے کہ وہ رفع یدین نہیں کر رہا تو اُسے کنکر مارتے۔
(التلخیص الحبیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[3] وہ اُسے کنکر مارتے۔ (التلخیص الحبیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ اُس نے رفع یدین نہیں کیا۔
(التلخیص الحبیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[5] اور آپؐ کی نماز یہی رہی، یہاں تک کہ آپؐ اللہ عز وجل سے جا ملے۔
(معرفة السنن والآثار للبیہقی، کتاب الصلاة، التَّکْبِیْرُ لِلرُّکُوعِ وَغَیْرِهٖ)

کے کہ اس نے خلاف امر مشروع لکھا ہوگا۔ نبی معصوم کے ثابت فعل کو منسوخ کہہ دینا انصاف ہے اور کیا صحابی کا عدم فعل فعل شرعی کا ناسخ ہوسکتا ہے۔

ہفتم۔ صحابہ پر بڑا سوء ظن ہے کہ انہوں نے منسوخ حدیث رَفعِ یدَین کو بیان کیا اور ناسخ کی روایت نہ کی۔

ہشتم۔ جائز ہے کہ ابن عمر نے رفع یدین کو عزیمت خیال فرمایا اور عدم رفع کو رخصت اور رخصت پر عمل کیا۔

نہم۔ قیاس نص کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔

دہم۔ یہاں اصل یعنی سجدہ کی رفع یدین کو منسوخ کہنا صحیح نہیں فروع یعنی نسخ رفع عند الرکوع والرفع عنه والرفع عند الثالثة[1] کیونکر ثابت ہوسکتا ہے۔

فائدہ

ابن زبیر سے یہ رفع ثابت ہے اور نسخ کی روایت ان سے بالکل ثابت نہیں ایسا ہی ابن مسعود سے نصاً نسخ ثابت نہیں۔ دوسری بات کی غلطی سجدتین کی رفع نسائی میں مالک بن حویرث سے ابوداؤد میں عبداللہ بن زبیر سے جس کی تصدیق ابن عباس نے کی ابن ماجہ میں ابوہریرہ سے موجود ہے۔ ان روایات پر جو کچھ کلام ہے اس کا محل اور ہے اور سجدتین کی رفع۔ انس۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ حسن بصری 'عطا' طاوس' امام مالک' شافعی کا مذہب ہے۔ اگر اجماعاً یہ رفع منسوخ ہوتی تو یہ خلاف کیوں ہوتا۔

دویم۔ اثبات کی روایات کو ایسی جگہ نفی کی روایات پر خواہ مخواہ ترجیح حاصل ہے۔

سیوم۔ ثقہ کی زیادتی مقبول ہونے میں جمہور کا اتفاق ہے اور سجدتین کی رفع ثقات کی زیادتی ہے۔

چہارم۔ جن لوگوں نے نفی کی روایت کی ہے ان کی روایت اس لئے مضر نہیں کہ یہ رفع یدین سجدتین کے وقت رسول اللہ نے کبھی ترک کی اور راوی نے رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ اس لئے عدمِ

[1] رکوع کے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لیے اُٹھتے وقت رفع یدین کا منسوخ ہونا۔

رفع کی روایت کی۔ صاحب ہدایہ نے ترک فاتحہ خلف الامام پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کیا ہے۔ ابطال دعویٰ اجماع کی تفصیل کا محل نہیں انشاء اللہ کسی اور جگہ مذکور ہوگا۔ صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ترمذی نے عبادہ کی حدیث میں کہا کہ اکثر اہل علم صحابہ کرام سے فاتحہ خلف امام کے وجوب پر ہیں اور بخاری نے جزأ القراءۃ میں فرمایا۔ بے شمار تابعین قراءت خلف الامام کا فتویٰ دیتے تھے۔ وَلم يكن أحد يقدم على الحَدِيث الصَّحِيح عملًا وَلَا رَأْيًا وَلَا قِيَاسًا وَلَا قَول صَاحب وَلَا عدم علمه بالمخالف الَّذِي يُسَمِّيه كثير من النَّاس إِجْمَاعًا ويقدمونه على الحَدِيث الصَّحِيح وَقد كذب أَحْمد من ادّعى الْإِجْمَاع وَلم يسغْ تَقْدِيمه على الحَدِيث الثَّابِت وَكَذَلِكَ الشَّافِعِي أَيْضا نَص فِي رسَالَته الجديدة على أَن مَالا يعلم فِيهِ خلاف لَا يُقَال لَهُ إِجْمَاع وَلَفظه مَالا يعلم فِيهِ خلاف فَلَيْسَ إِجْمَاعًا ونصوص رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عِنْد الإِمَام أَحْمد وَسَائِر أَئِمَّة الحَدِيث أجل من أَن يُقَدِّموا عَلَيْهَا توهم إِجْمَاعًا مضمونه عدم الْعلم بالمخالف وَلَو سَاغَ لتعطلت النُّصُوص وساغ لكل من لم يعلم مُخَالفا فِي حكم مَسْأَلَة أَن يقدم جَهله بالمخالف على النُّصُوص فَهَذَا هُوَ الَّذِي أنكرهُ الإِمَام أَحْمد وَالشَّافِعِيّ من دَعْوَى الْإِجْمَاع لَا مَا يَظُنّهُ بعض النَّاس أَنه استبعاد لوُجُوده۔[1]

---

[1] اور کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ عمل کرنے میں حدیثِ صحیح سے تجاوز کرتا اور نہ ہی رائے میں اور نہ ہی قیاس کرنے میں اور نہ ہی کسی شخص کے قول سے اور نہ ہی مخالف کی بات سے عدمِ علم پر (آگے بڑھتا تھا) جسے اکثر لوگ اجماع کا نام دیتے ہیں، اور حدیث صحیح سے تجاوز کرتے ہیں۔ اور امام احمدؒ غلط قرار دے چکے ہیں جنہوں نے ایسے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور حدیث ثابت سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ اور امام شافعی نے بھی ایسے ہی اپنے رسالہ الجدیدۃ میں اصول بیان کیا ہے کہ جس معاملہ میں اختلاف کا علم نہ ہو، اُسے اجماع نہیں کہا جاتا۔ اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ جس میں اختلاف کا علم نہ ہو وہ اجماع نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصوص (یعنی سنن واحادیث) امام احمد اور تمام ائمہ حدیث کے نزدیک زیادہ صحیح ہیں اس بات سے کہ مخالف سے عدم علم کی وجہ سے اُن پر ضمنی اجماع کے وہم کو مقدم کیا جائے۔ اور اگر اسے جائز سمجھا جائے تو نصوص معطل قرار پائیں گی۔ اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ کے متعلق مخالفت کا علم نہ رکھتا ہو اُس کے لیے جائز ہو جائے گا کہ نصوص سے مخالفت کرتے ہوئے اپنی جہالت کو مقدم کر لے۔ یہ وہ بات ہے جس کے لیے امام احمد اور امام شافعی نے اجماع کے دعویٰ کو ناپسند کیا ہے۔ نہ یہ کہ جو بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کے وجود سے ہی انکار کیا ہے۔

(إعلام الموقعين لابن قيم، أصول فتاوى أحمد بن حنبل)

فقرہ۔سورہ کافرون میں لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ کا جملہ عام لوگوں کی زبان پر منسوخ ہے اور فی الواقع منسوخ نہیں کیونکہ دین کے معنی لغت میں جزا اور سزا کے ہیں پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جس کو تم پوجتے ہو ہم اسے نہیں پوجتے اور جس کو ہم پوجتے ہیں تم نہیں پوجتے۔تم کو تمہاری سزا ہے اور ہم کو ہماری جزا۔ دیکھو حماسہ۔ولم یبق سوی العدوان دناھم کما دانوا[1] اور کَمَا تَدِینُ تُدَانُ[2] مشہور ہے اور اگر دین کے مشہور معنے لیں تب آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ ہرگاہ تم باز نہیں آتے اور سچے معبود ہی کی پرستش نہیں کرتے اور بتوں کی پرستش کرتے ہو۔تو ہم بھی وہ کریں گے جو ہمارے دین میں ہے کہ تم سے بجہاد پیش آویں گے۔غرض آیت جہاد کی مانع نہیں۔

فقرہ۔عزیز من خاتمہ خط پر ایک ضروری فائدہ لکھ کر خط کو ختم کرتا ہوں۔

فائدہ

حدیث یا قرآن کریم کے موافق ہے یا قرآن کی تفسیر ہے ایسے حکم کے مثبت ہے جن کا ذکر قرآن میں نہیں۔حدیث زائد علی کتاب اللہ رسول اللہ صلعم کی تشریح ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ۔

دیکھو حدیث سے بھتیجی کا نکاح اس کی پھوپھی پر اور بھانجی کا اس کی خالہ پر حرام ہے۔ حدیث سے رضاعت کی حرمت نسبی حرمت کی طرح ثابت ہے حالانکہ قرآن میں اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ عام موجود ہے۔وَلِمَنۡ میں رہن کا رکھنا جدّہ کو وارث بنانا بنت الابن کو سدس دلانا' حائض پر روزہ' نماز چند روز موقوف سمجھنا نہایت ضعیف خبر سے نبیذ التمر کے ساتھ وضو کر لینا حالانکہ قرآن میں پانی نہ ہو تو تیمم کا حکم ہے۔ادنیٰ مہر کے لئے ضعیف حدیث سے دس درم معین کرنا

---

[1] اورظلم وزیادتی کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا جیسے وہ قریب آئے ویسے ہی وہ بھی اُن کے قریب ہوا۔

[2] جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

لا يرث المسلم الكافر[1] پرعمل کرنا، چور کا پاؤں کاٹنا حالانکہ قرآن میں ہاتھ کا کاٹنا مذکور ہے۔ طواف میں قیاساً طہارت کی شرط کا ایزاد کرنا حالانکہ قرآن مطلق ہے مغمیٰ علیہ سے اعمال حج دوسرا ادا کردے اسے جائز قرار دینا حالانکہ صوم عن المیت میں اَنۡ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کا عذر ہے عاقلہ پر دیت کا حکم لگانا اور وَلَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی کا خلاف نہایت ہی ضعیف حدیث سے نماز میں ہنس پڑنے کو ناقض وضو جاننا اور اونٹ کے گوشت کھانے کو ناقض وضوضعیف خبر سے غسل جنابت میں مضمضہ واستنشاق کو فرض کردینا۔ یا اینکہ وضو میں مضمضہ واستنشاق کی فرضیت سے انکار ہے۔ موزہ پر مَسح کرنے میں جواز کا فتویٰ باآنکہ عمامہ پر مَسح سے انکار ہے اور حدیثیں دونوں کی مساوی ہیں اور ایسے ہی صدہا جگہ احادیث سے قرآن پر ایزاد مان کر حنفیہ نے انکار بھی کردیا اور مقدام بن معدیکرب کی اس حدیث پر خیال نہ کیا جس میں رسول اللہ نے فرمایا۔ أَلَا إِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ ... شَبْعَانًا عَلٰى أَرِيكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ ... أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ ... الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ وَلَا كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ... وَلَا لُقَطَةٌ ... مُعَاهَدٍ.[2] میں اب اس خط کو تمام کرتا ہوں۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النّار۔

دوسرا خط ایک شیعہ دوست کے نام

ابواسامہ۔ نور الدین سے اس کے دوست (ع۔و۔ح) کو السلام علیکم دیں۔ ایک ایسی تسلی ہے جو اکراہ کا ثمرہ نہیں۔ تیرہ سو برس کے جھگڑے ایک خط میں طے ہوں محال ہے۔ اِهۡدِنَا

---

[1] مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

[2] غور سے سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا ہی دیا گیا ہے۔ سنو! عنقریب ایک آدمی اپنے تخت پر متمکن کہے گا: قرآن کریم کو لازم پکڑلو۔ غور سے سنو! پالتو گدھے اور نوک دار دانتوں والے درندے تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔ اور کسی معاہد کی گری پڑی چیز بھی (تمہارے لیے حلال نہیں ہے)۔

(مسند أحمد بن حنبل، مسند الشاميين، حديث المقدام بن معديكرب)

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا بہت پڑھنا جمعیت اورطمانینت کا موجب ہے۔میرا حال پوچھتے ہو میں کس مشرب کا ہوں سنو۔ابتدا تمیز سے اس وقت تک اصحاب الحدیث کی جماعت میں شامل ہوں وَاَرْجُوْمِنَ اللّٰہِ اَنْ اَمُوْتَ وَ اُحْشَرُ فِیْ حُبِّہِمْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔[1] وہ اہل حدیث جن کی وساطت سے تمام لوگ رسول اللہ صلعم کے اقوال اور افعال اور احوال پر واقف ہوئے۔ وہ جنہوں نے قدریہ جہمیّہ شیعہ خوارج سے حفظ اور عدالت کو دیکھ کر روایت لینے میں بے جا تعجب نہیں کیا۔روایت میں جب صحت کی شروط دیکھی پھر اخذِ روایت میں ہٹ دھرمی نہیں کی اس حزب الٰہی کی عمدہ کتاب بخاری کی صحیح ہے۔شیعہ کے ایک ممتاز متکلم نے استقصاء میں اس کتاب اور اس کے مصنف پر قدح کرنے میں بڑے زور لگائے۔ اِلَّا اس خیرخواہِ اسلام پر جھوٹھ اور نسیان کا الزام نہیں لگا سکا اس کے کسی راوی پر اگر جرح کی ہے تو یہ ثابت نہیں کر سکا کہ بخاری ایسے راوی کی روایت شواہد میں نہیں لایا بلکہ اصل مسئلہ کے اثبات میں کیا ہے یا اس روایت کو بخاری بدوں معاضد چھوڑ گیا۔ پھر اب جانتے ہو صراف کھوٹا کھرا پہچان سکتا ہے۔آپ نے تَشْیِیْدُ الْمَطَاعِنْ کی چار جلدیں میرے مطالعہ کے لئے مرحمت فرمائیں۔آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے کتاب کو بغور دیکھا سچ کہتا ہوں کہ علّامہ مصنف نے صرف نکتہ چینوں پر وقت صرف کیا اور کئی ضروری باتوں پر توجہ نہیں فرمائی۔مثلاً سوچو کہ قرآن کریم میں آدم علیہ السلام جیسے خلیفہ کو عَصٰی کا فاعل بنایا گیا اور حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء صلعم کو اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کا مخاطب کیا گیا۔ حضرت کلیم کے ایک اقرار کو اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ کے الفاظ سے بیان کیا۔مومن ہمیشہ ان الفاظ کی توجیہات کرتے ہیں اور ان الفاظ کو سن کر انبیاء کی عصمت میں شک نہیں کرتے اور کوئی مسلمان وہم بھی نہیں کر سکتا کہ یہ حضرات خلافت عظمیٰ اور امامت کبریٰ کے قابل نہ تھے یا عصیان' ذنب' ضلالت کے سبب معزول ہو گئے۔موسیٰ اور خضر کا قصہ قرآن میں موجود ہے۔وہاں دیکھو خضر بظاہر ملزم تھے اِلَّا اصل اسباب پر جب اطلاع ہوئی تو معلوم ہوا کہ بالکل بَرِی ہیں۔ پھر تم جانتے ہو کہ اجتہادی غلطیاں اجر کا

---

[1] اور میں اللہ سے یہ امید کرتا ہوں کہ وہ میرا حشر ان لوگوں میں کرے گا جو ان کی محبت میں غرق ہیں۔انشاء اللہ تعالیٰ

موجب بھی ہوتی ہیں۔مشورہ اگر عیب ہے تو وَشَاوِرْ هُمْ میں تامل کیجیے۔سنوسنوسنو نہایت کا کمال چاہیے ہدایت کا نقصان کچھ ضرر نہیں دے سکتا سلف کا کیسا سچا فقرہ ہے۔اِنَّ الذُّنُوْبَ قَدْ یُوْصِلُ الْجَنَّةَ وَ الْعِبَادَۃُ قَدْ یَدْخُلُ النَّارَ۔[1] کیا معنے معاصی سے کبھی توبہ کی راہ کھل جاتی ہے اور عبادت سے کبھی انسان کبر اور عُجب میں مبتلا ہو کر بالکل تباہ ہو جاتا ہے۔امام کا اگر معصوم ہونا اس لئے شرط ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو عام لوگ غلطی میں مبتلا نہ ہوں تو آپ جانتے ہو صرف امام کی عصمت سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ امام کے اہلکار اور اس کے ملکوں پر چھوڑے ہوئے حاکم نہ معصوم ہونے ضرور ہیں اور نہ ان کا منصوص ہونا شرط ہے۔جناب پیغمبر اور جناب امیر کے نواب اور عُمّال ہی کو دیکھ لو۔پس مناط حکم میں ان سے غلطی کا وقوع ممکن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اکثر لوگ امام تک نہیں پہنچ سکتے کُل کا پہنچنا کیونکر ہوسکتا ہے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ صرف امام کی عصمت سے جب تک اس کا تسلط نہ ہو اور ظاہری حکم نہ ہو لوگوں کو فائدہ کیونکر ہوسکتا ہے۔صاحب الزمان علیہ السلام کی حالت ملاحظہ کرو۔آپ جانتے ہیں کہ شخصی معاملات اور منزلی انتظامات کے واسطے ہر ہر شخص کو ہر وقت کے جزئیات کے لئے امام سے رجوع کرنا صریح محال ہے اگر کلیات جزئیات لے گا تو ضرور ہی اجتہاد میں غلطی کرے گا پس جس غرض پر عصمت اور امامت کو شیعہ امامیہ ثابت کرتے ہیں صرف اسی سے دنیا میں اصلاح کا قائم ہونا معلوم کیا یعنی اگر باری تعالیٰ اصلاح چاہتے تھے تو بقول آپ کے باری پر واجب تھا کہ امام کو تسلط دیتے۔دوسری بات جس کو فرو گذاشت کیا یہ کہ مہاجرینؓ کے حق میں لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ قرآن میں موجود ہے۔بھلا جن لوگوں کی نسبت کفارہ اور جنت میں لے جانے کا وعدہ ہو وہ آخر سزا پائیں واللہ عقل نہیں مانتی۔سنوسنوسنو مکفرات ذنوب بہت ہیں۔اوّل خالص توبہ۔دوم استغفار۔سیوم اعمال صالحہ۔چہارم مومن کی دعا۔ پنجم رسول اللہ کی دعا۔ششم آپؐ کی شفاعت۔ہفتم احوال وصدمات جو مابعد الموت طاری

---

[1] گناہ بھی جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور عبادت بھی آگ میں داخل کر دیتی ہے۔

ہوتے ہیں۔ ہشتم۔ وہ اعمال اور صدقات جن کا اثر میّت کو پہنچنا شرع سے ثابت ہے جیسے میّت کی طرف سے روزہ رکھنا۔ حج کر لینا۔ میّت کی اولاد صالح۔ میّت کا وہ علم جس کا نفع جاری رہے۔ نہم۔ دنیویہ صدمات۔ دہم۔ کرب قیامہ۔ یازدہم۔ اقتصاص عند المیزان۔ دوازدہم۔ صدق توحید۔ سیزدہم۔ رحمت اَرحم الراحمین جس کی سبقت غضب پر منصوص ہے۔ علّامہ مصنف نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اگر صحابہ سے معاصی سرزد ہوئے تو کیا مکفرات ان کے لئے محال ہو گئے تھے۔ نہیں نہیں نہیں ابوبکر کی نسبت آپ کا یہ الزام کہ ان میں حزن اور خوف تھا اور یہ بات شجاعت کے خلاف ہے۔ غار کی آیت میں ان کو صاحب کہا گیا۔ فرمایا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اور صاحب ہونا اہل نار کی صفت ہے بھلا خائف بزدل حزن والا صاحب خلافت کے لائق ہے۔ پیارے سچ کہتا ہوں قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کو شَفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ [1] کہنا بالکل سچ ہے۔ اب اس وہم کی دوا سنو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جلّ شَانُہٗ کے سامنے اقرار کیا ہے فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اور سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی حضرت امام الانبیاء علیہ الصَّلٰوۃ والسلام کو صاحب کا خطاب دے کر فرماتا ہے وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ۔

جس حالت میں ان اولوالعزم کو خوف اور حزن اور صاحب ہونے نے امام اور رسول اللہ اور نبی ہونے سے نہیں روکا اور مطعون نہیں کیا تو ابوبکر کو خلافت سے کیوں مانع ہوئے اور کیوں مطعون کیا۔

اور یہ وہم اور خلاف واقعہ الزام کہ معاذ اللہ منافق تھے۔ پیارے نہایت ہی غلط ہے جس حالت میں وہ جناب رسالت مآب صلعم کے ساتھ ہوئے۔ جانتے ہو اس وقت جناب کی کیا حالت تھی اور ایسی ابتدائی حالت میں ساتھ دینا کس بہادر اور عاشق کا کام ہے اور پھر غور کرو اور سوچو اس نے اپنی خلافت کے وقت کفر کے کون سے مسئلہ کی اشاعت کی۔ اپنی قوت اور سطوت

---

[1] سینے کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔

میں کفر کی رسوم میں کس کو پھلایا۔ کیا اپنی اولاد کو جانشین بنانے میں کوشش کی۔ کوئی قوم کے حقوق مقرر کئے۔ صاحب اکثر صحابہ کو اگر منافق کہو گے یا کافر معاذ اللہ تو دین پہنچنے کا سلسلہ مفقود ہو جائے گا کیونکہ بطور آپ کے صحابہ دو گروہ ہوں گے۔ ایک وہ جمّ غفیر اور سوادِ اعظم جو غاصبوں اور ظالموں اور منافقوں کا مجموعہ ہے اور ہمارے نزدیک اور فی الواقع جس کے سبب تمام عرب درست ہو گئے۔ فارس اور شام اور روم اور مصر میں وہ بات پھیلی جس کی تصریح وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى میں تھی اور جس نے کفار ہی سے لڑائی کی۔ اور دوسرا وہ جو تقیہ کو فرض کہے۔ پہلے سلسلہ کی ہر ایک روایت اگر قابل عمل نہیں تو دوسرے کی ہر بات میں یہ شبہ ہے کہ شاید یہ بات بڑے گروہ کے خوف سے کہی یا اپنے مریدوں کے بھاگ جانے کا ڈر تھا اس لئے یہ سخن کہا اور قرآن خود بے ترتیب پھیلا۔ معاذ اللہ دیکھو کیسی غلطی ہے۔

آپ نے اہل بیت کی مدح پر زور دیا ہے۔ پیارے سنیوں میں کون ہے جو جناب امیر علیہ السلام اوران کی اولاد کو بزرگ نہیں جانتا۔ کیا ان کے مناقب ہماری حدیث کی کتابوں میں بہ بسط تمام موجود نہیں۔ اگر احادیث صحیحہ کو بیان کرتے تو کیا ان میں کمی تھی۔ نہیں پیارے۔ آیت تطہیر سے اس مضمون کی وہ تسکین کہاں جو آپ چاہتے ہیں اور سنو سنو سنو۔ اہل بیت کا لفظ قرآن میں کل تین جگہ آیا ہے اوّل بارہویں سپارہ میں دیکھو سورہ ہود قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ دوم بیسویں سپارے میں دیکھو سورہ قصص وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ اور بائیسویں سپارہ میں دیکھو سورہ احزاب وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ ۔ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى ۔ ان تین جگہ کے سوا قرآن میں اہلِ بیت کا لفظ نہیں آیا۔ پہلی دو جگہ میں صریح بیان باتفاق ما وشما اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ اور تیسری آیت کا ماقبل اور مابعد دیکھو اور انصاف کا خون نہ کرو تو بیبیوں ہی کو خطاب ہے۔ پھر آپ نے بیبیاں ہی اہل بیت سے

نکال دیں۔ یادرکھو کُمْ کا لفظ اہل کے لحاظ سے یا شمول کے لحاظ سے ہے۔ میرے ایک شیعہ جلیس نے ایک دفعہ جواب دیا کہ آیت میں ترتیب عثمانی نے یہ نقصان دیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم ایسا بُرا عذر نہ کرو گے کیونکہ جیسا گذرا حدیث میں وہ بے اعتبار ے تھے۔ اس صورت میں پھر قرآن بھی قابل اعتماد نہیں رہتا۔ دوم۔ عجم لوگ بھی گئے گذرے زمانے میں ہزاروں حافظ ہیں اور میرے جیسے کم ذہن باہمہ کثرت شواغل سال میں یاد کر سکتے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ عربوں نے جن کے حافظہ کو مؤرخ بالاتفاق مان چکے ہیں باہمہ فہم فصاحت و بلاغت قرآن کو تئیس برس میں یاد نہ کیا ہو۔ پھر اس وقت جب اسلام میں داخل ہونے والوں کو ابتدا سے جوش تھی پھر یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی کہ شیعہ کے ہزاروں مصنف اور داعی اپنی تصانیف کو اپنے خیالات کو دنیا میں پھیلا دیں اور قرآن جیسی ضروری چیز کو صاحب الزمان غار میں لے کر کالعدم کر دیں پھر یُرِیْدُ کا لفظ آپ کے مطلب کو پورا نہیں ہونے دیتا۔ دیکھیے ان آیات کو یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ۔ حالانکہ سب لوگ یسر میں نہیں۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ اور سب تائب نہیں۔ اصل بات یہ کہ ارادہ دو قسم ہے۔ ایک شرعی اور ایک کونی اور کسی چیز کا ارادہ ظاہر کرنے سے اس چیز کی پسندیدگی ثابت ہوتی ہے اور آپ نے جو اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ کی تفسیر فرمائی ہے وہ اس وقت تسلی بخش تھی اگر ظَنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا اور لَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ۔ اور تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ لَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ کی تفسیر بھی مجھے یاد نہ ہوتی اور حَسْبُكَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ میں آپ نے عطف کے کرنے میں سخت غلطی کی ہے۔ یہ مَنِ اتَّبَعَكَ حسب کا مفعول ہے اور کاف پر معطوف ہے۔ اَیْ حَسْبُكَ وَمَنِ اتَّبَعَكَ اللہ جناب حکیم مہدی صاحب نے فقیر سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ امیر علیہ السلام کی بلافصل امامت کو قطعی الدلالہ نصّ سے ثابت کر دیں گے۔ ان سے عرض کر دیجیے۔ قبل از ارقام مسئلہ ان کلمات کو دیکھ رکھیں۔ تَشْیِیْدُ الْمَطَاعِن کے صفحہ ۳۷۴ میں ہے۔ اکثر احکام از قرآن مستنبط نمی شود و آنچہ مستنبط می شود در غایت اجمال و اشکال و تشابہ است و اختلاف عظیم در فہم احکام از انہا شدہ بعضی گفتہ اند محکم ترین آیات کریمہ آیت وضو است و قریب بصد تشابہ

دران است ۔ ودرقرآن ناسخ ومنسوخ محکم تشابہ ظاہر وماول عام خاص مطلق مقید وغیرا ینہا است پس چگونہ کتاب خدابرائے رفع اختلاف کافی باشد انتہٰی ۔ و قال قال علیؓ انا کلام اللہ الناطق و ھذا کلام اللہ الصامت۔[1] ترتیب عثمانی کا بگاڑ مزید براں رہا۔ یہ تو قرآں غیرذِی عوجٍ اور عربی مبین کا آپ کے ہاں حال ہے جس کو خدا نے اختلاف مٹانے کو نازل کیا۔ قال اللہ وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ اور خدائی کتاب کا ناطق ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق اور کلام اللہ الناطق علیہ السلام کے اقوال کی حجیت کا یہ حال ہے کہ تقیہ کا احتمال آپ کے ہر ایک کلام میں موجود ہے دیکھو تَھْذِیْبُ الْاَحْکَامِ میں ابوجعفر طوسی نے جناب امیرؓ سے روایت کی۔ قال علیہ السلام حرّم رسول اللہ صلعم لحوم الحمر الاَھْلِیَّۃِ وَ نِکَاحُ الْمُتْعَۃِ۔[2] شیعہ علما کہتے ہیں۔ تقیہ کے باعث کہا ہے اور حدیث مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ۔[3] احادیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے نہیں پھر اس میں تخصیص امام اور عدم فصل کا ذکر نہیں پھر باتفاق ماوشما اس زمانہ کے امام رسول اللہ صلعم ہیں یا قرآن امام ہے اور کتاب کا امام ہونا مِنْ قَبْلِہٖ کِتَابُ مُوْسٰی اِمَامًا میں دیکھیے۔ عبقات میں حدیث غدیر پر زور دیا ہے۔ اِلَّا مصنف ہر ایک سلسلہ سند میں صرف ایک راوی کی مدح کسی کتاب سے نقل کرتا ہے پھر مادح کی مدح پر اس کی کتاب کی مدح میں تطویل کرتا ہے تمام کتاب میں سند کے کُل رجال کا حال نقل نہیں کرتا پس یا دھوکہ میں ہے یا دھوکہ دیتا ہے۔ واللہ اعلم فقط۔ ابواسامہ نورالدین۔

تمّ

---

[1] اورانہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا بولتا کلام ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاموش کلام ہے۔

[2] حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کا گوشت اور نکاح متعہ حرام کیا۔

[3] جو ایسی حالت میں مرا کہ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا..........۔